نئے دور کا انسان

NEW MAN FOR THE NEW MILLENNIUM

گرو رجنیش

ترجمہ: صفدر رشید

گرو رجنیش

دارالشعور
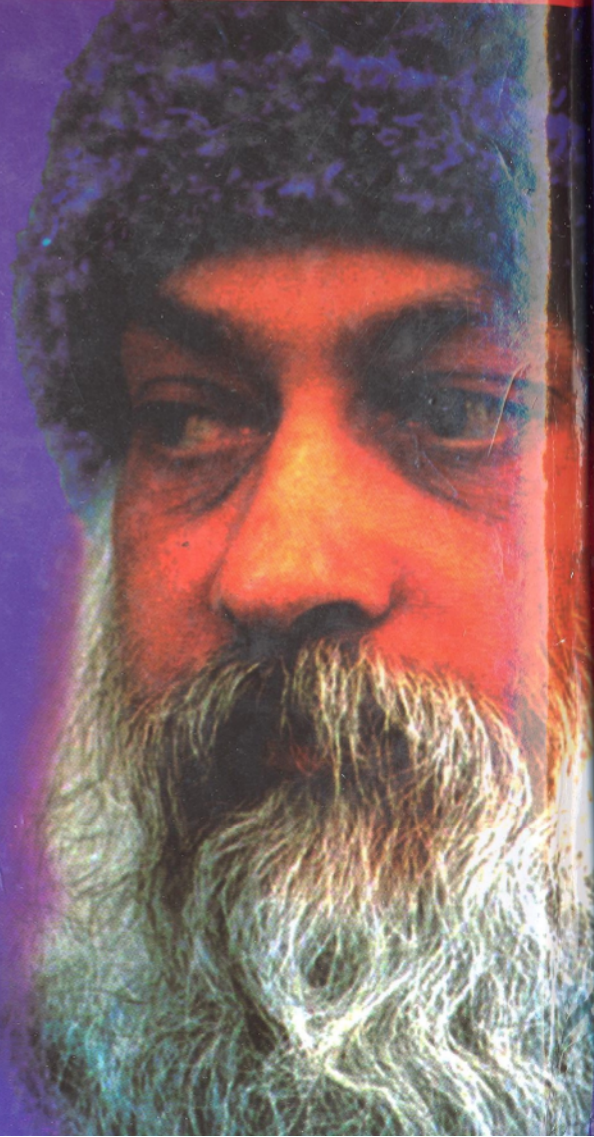
ہماری دیگر معیاری کتابیں

- جدید غزل (پس منظر اور انتخاب) — ڈاکٹر عفت زریں
- راجندر سنگھ بیدی (ایک سماجی اور تہذیبی مطالعہ) — ڈاکٹر سید محمود کاظمی
- پریم چند کی آپ بیتی — مدن گوپال
- اردو خاکہ نگاری — محمد حسین جامی
- پانچ جدید شاعر — حمید نسیم
- فیض شناسی کے جدید زاویے — ڈاکٹر شفیق احمد اشرفی
- قرۃ العین حیدر (شخصیت اور فن) — ہمایوں ظفر زیدی
- غزل عہد بہ عہد — پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی
- مرثیہ اور مرثیہ نگار — پروفیسر شارپ رودلوی
- اکبر الہ آبادی (ایک سیاسی و سماجی مطالعہ) — ڈاکٹر افصح ظفر
- اردو شاعری (ایک مطالعہ) — قاضی مشتاق احمد
- ۱۸۵۷ کے انقلاب کا عینی شاہد — ڈاکٹر راحت ابرار
- خواجہ حسن نظامی (شخصیت اور ادبی خدمات) — نثار احمد فاروقی
- اردو ناول پر انگریزی ناول کے اثرات — ڈاکٹر محمد عظیم اللہ
- حیرت انگیز سائنسی دریافتیں — ڈاکٹر آفتاب حسن
- تاریخ پاکستان — جیمز وائن برینٹ (امریکہ)
- تاریخ بنو امیہ — اسلم جیراج پوری
- تاریخ بنو عباس — اسلم جیراج پوری

37- مزنگ روڈ، لاہور، پاکستان
فون: 042-37239138- 0300 9426395
info@darulshaour.com
www.darulshaour.com

RS: 600

The new man for the new millennium

by

Osho

نئے دور کا انسان

مصنف : گرو رجنیش

مترجم : صفدر رشید

دارُالشعُور

37۔مزنگ روڈ، لاہور، پاکستان

Email:Info@darulshaour.com

www.darulshaour.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

☆ نام کتاب : نئے دور کا انسان

☆ مصنف : گرور جنیش

☆ مترجم : صفدر رشید

☆ اشاعت : 2015ء

☆ مطبع : طیب شمشاد پرنٹرز، لاہور

☆ قیمت : -/600 روپے

☆ برائے :

دارالشعور 37 مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور

اہتمام

042 37239138, 03009426395

Email:info@darulshaour.com

Www.darulshaour.com

Facebook.com\darulshaour

ترتیب

تیسرا حصہ

چوتھا حصہ

روبینہ راؤ کے نام

پہلی بات

گُرو رجنیش کی پیدائش 1931ء میں کچھواڑا (مدھیہ پردیش) کے مقام پر ہوئی۔ شروع ہی سے ان کا اصرار دوسروں کی طرف سے دیئے گئے علم اور عقائد اپنانے کی بجائے سچ کے ذاتی تجربہ پر رہا۔

اکیس برس کی عمر تک انہوں نے ''روشن خیالی'' حاصل کر لی۔ اور اپنی درسی تعلیم کو مکمل کر لیا۔ انہوں نے جبل پور یونیورسٹی سے فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔ انہی دنوں تقاریر کرنے اور ہر سطح کے لوگوں سے ملاقات کرنے کیلئے انہوں نے ہندوستان بھر کا دورہ کیا۔

1960ء کی دہائی تک گُرو رجنیش نے اپنی منفرد میڈیٹیشن کی تکنیک اور افکار وضع کرنے شروع کر دیئے تھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ جدید انسان پر ماضی کی فرسودہ روایات اور جدید زندگی کے اضطراب (Anxiety) کا اس قدر جبر ہے کہ میڈیٹیشن کی پُرسکون دماغی حالت حاصل کرنے سے پہلے اسے صفائی کے ایک بڑے عمل سے گزرنا ہوگا۔

70ء کی دہائی میں مغرب ان کی طرف متوجہ ہوا۔ 1974ء کی دہائی تک گُرو کے گرد پیون (Pune) میں ایک کمیون (آشرم) قائم کی جا چکی تھی۔ مغرب ان سے متاثر ہوا اور خوب متاثر ہوا۔

ان کا انتقال 1990ء میں ہوا۔ ہندوستان میں ان کی قائم کردہ کمیون دنیا بھر

سے آنے والے ہزاروں افراد کی توجہ کا مرکز ہے۔ لوگ اس میں میڈیٹیشن' علاج اور تخلیقی پروگراموں میں شرکت کیلئے آتے ہیں۔

گرو کے لیکچرز اور مکالمات چھ سو سے زائد کتابوں کی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ جن کے تراجم تیس سے زائد زبانوں میں دنیا بھر میں کیے جا چکے ہیں۔

پاکستان میں گرو کا تعارف 80ء کی دہائی میں ہوا۔ مگر انہیں جنسی عفریت کے روپ میں پیش کیا گیا۔ ان کی دانشورانہ اور فلسفیانہ حیثیت کو متعارف کروانے سے احتراز کیا گیا۔ اسی تعارف کے پیش نظر یہاں ابتدائی طور پر جن کتابوں کے تراجم کیے گئے ان کا موضوع بھی جنس تھا۔ علمی طور پر ایک غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔

گرو کی حیثیت ہندوستان میں بیسویں صدی کے ایک بڑے دانشور اور مفکر کی ہے۔ انہوں نے مشرق و مغرب دونوں کو متاثر کیا۔ انہوں نے انسان اور اس کی آزادی کو بنیاد بنا کر تاریخ' سیاست' عمرانیات' معیشت' کلچر غرض یہ کہ ہر موضوع پر بات کی ہے۔ وہ ہمہ گیر آزادی کی بات کرتے ہیں۔ انہیں بجا طور پر ہندوستان کا روسو کہا جا سکتا ہے۔

زیر نظر کتاب میں گرو رجنیش ہمیں بتاتے ہیں کہ ہمارے لیے 'نیا انسان' بننا کیوں ضروری ہے۔ ان کے بقول ایک 'نیا شعور' ہی انسان کو اس کی ہمہ گیر غلامی سے نجات دلوا سکتا ہے۔ یہاں وہ یہ وضاحت کرتے ہیں کہ یہ 'نیا شعور' ہمارے اندر ہمارے ہی ذریعے سے آ سکتا ہے۔ وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ ماضی اور قدامت کی جبریت سے کیسے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ وہ ہمیں اپنی ذات اور تجربات پر یقین قائم کرنا سکھاتے ہیں۔ اسی لیے وہ نئے انسان کی خوبیاں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ چند ازلی سوالات مثلاً محبت' شادی' خاندان' دولت' سیاست' کام' اخلاقیات وغیرہ پر ایک تازہ نظر ڈالنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کے علاوہ وہ تعلیم' سائنس' ٹیکنالوجی' جنریشن گیپ جیسے چیلنجز اور امکانات کا جائزہ بھی لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک مذہب بطور انقلاب ہی وہ راستہ ہے جس پر ہمیں چلنا ہے۔ اور وہ ہمیں دعوت دیتے ہیں کہ ہم آگاہی حاصل کریں اور زندگی سے لطف اندوز ہوں۔ زیر نظر کتاب ان کے کئی افکار کا مجموعہ ہے۔ اس طرح اسے گرو رجنیش کی نمائندہ کتاب کہا جا سکتا ہے۔

گرو رجنیش کا بات کرنے کا اپنا ایک ڈھنگ ہے۔ بطور مترجم میں نے کوشش کی ہے کہ ان کے مخصوص انداز اور ان کی بے ساختگی کو برقرار رکھوں۔ میں نے تقاریر کی زندگی اور سادگی کو ترجمے میں لانے کی کوشش کی ہے۔ ان کی تقاریر میں الفاظ و خیالات کی تکرار ہے۔ اگر آپ کو الفاظ و خیالات کی تکرار محسوس ہو تو اس کی یہی وجہ ہے۔ لیکن کہیں کہیں میں نے اس تکرار کو ختم کر دیا ہے۔ جو ایک تقریر کا تو خاصہ ہوتی ہے لیکن تحریر میں آ کر بے معنی طوالت اور قاری کیلئے بوریت کا باعث بن سکتی ہے۔ انگریزی کے کچھ الفاظ جو اُردو میں عام استعمال کیے جاتے ہیں' کا میں نے ترجمہ نہیں کیا۔ اسی طرح کا ایک لفظ میڈیٹیشن (Meditation) ہے۔ گو اُردو میں اس کا ترجمہ 'مراقبہ' ہے۔ لیکن میں نے یہ لفظ استعمال

نہیں کیا۔ کیونکہ ہمارے ہاں مراقبہ کے ساتھ ایک خاص تصور وابستہ ہے مگر گرو رجنیش اسے زیادہ وسیع معنوں میں استعمال کرتا ہے۔ اسی لیے میں نے 'میڈیٹیشن'' کو 'مراقبہ' پر ترجیح دی۔

آخر میں مَیں ندیم روش صاحب کا ممنون ہوں جو مجھے ترجمہ کرنے سے لے کر کتاب شائع ہونے تک کے ہر مرحلہ پر اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے رہے۔

صفدر رشید

پیشِ لفظ

ایک نیا انسان ظہور پذیر ہوا چاہتا ہے۔ نئے آدمی کی شبیہ ابھی زیادہ واضح نہیں ہے۔ لیکن اُفق سرخ ہو رہا ہے اور جلد ہی سورج نمودار ہوگا۔ ابھی صبح کی کُہر موجود ہے اور نئے انسان کی شبیہ غیر واضح ہے لیکن نئے انسان کے متعلق کچھ چیزیں ابھی سے بالکل واضح ہیں۔

اور یہ بات انتہائی اہم ہے کیونکہ بندر تو انسان بن گیا لیکن انسان ابھی تک ویسا ہی ہے۔ ایک بڑا انقلاب آنے کو ہے اور یہ انقلاب اُس انقلاب سے زیادہ گہرا اور دُور رس ہوگا جب بندر نے دو ٹانگوں پر زمین پر چلنا شروع کیا اور انسان بن گیا۔ اس تبدیلی نے ذہن پیدا کیا اور یہاں سے نفسیات داخل ہوئی۔ اب دوسری اور اس سے کہیں زیادہ اہم تبدیلی رونما ہونے والی ہے اور وہ یہ کہ اب روح کا داخلہ ہوگا اور انسان صرف نفسیاتی وجود ہی نہیں بلکہ روحانی وجود بھی ہوگا۔

نئے آدمی کی پیدائش مختلف ٹکڑوں میں پہلے ہی ہو چکی ہے۔ نئے آدمی کی پیدائش کہیں نہ کہیں صدیوں سے ہو رہی ہے۔ اصل میں چیزیں اسی طرح ہوا کرتی ہیں کہ جب موسم بہار شروع ہوتا ہے تو سب سے پہلے ایک پھول کھلتا ہے۔ ایک پھول کھل چکنے کے بعد ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ اب بہار زیادہ دور نہیں ہے۔ پہلے پھول نے اس کی آمد کا بگل بجا دیا ہے۔ زرتشت، کرشن، لاؤزے، بدھا، مسیح...... یہ ابتدائی پھول تھے، اب نیا آدمی بڑی تعداد میں پیدا ہوگا۔

میرے نزدیک یہ نئی آگہی جو آج پیدا ہو رہی ہے سب سے زیادہ اہم ہے۔ میں

آپ کو اس نئی آگاہی، اس کی تشکیل اور مزاج کے متعلق کچھ بتانا چاہوں گا۔ کیونکہ نئے آدمی نے عدم سے وجود میں نہیں آنا اس نے آپ کے ذریعہ سے آنا ہے۔ نئے آدمی کی پیدائش آپ ہی کے رحم (womb) سے ہونی ہے۔ آپ کو رحم بننا پڑے گا۔

اور اگر نیا آدمی آتا ہے تو پرانے آدمی کو جانا ہوگا۔ پرانا صرف اسی صورت میں رہ سکتا ہے اگر نئے کو آنے سے روک دیا جائے۔ لیکن اب اس کی پیدائش کو نہیں روکا جا سکتا۔ کیونکہ یہ صرف نئے آدمی کی بقاء کا سوال نہیں ہے بلکہ یہ پوری زمین، آگہی اور بذات خود زندگی کی بقا کا سوال ہے۔ یہ زندگی اور موت کا سوال ہے۔ پرانا آدمی اپنی موت مر رہا ہے اپنا دور پورا کر چکا ہے۔

پرانے تصور کے ساتھ زندگی نہیں بلکہ صرف موت ممکن ہے۔ پرانا آدمی پوری دنیا میں خودکشی کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ اجتماعی خودکشی کیلئے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم جمع کر رہا ہے یہ خواہش بہت لاشعوری ہے۔ بجائے اس کے کہ نئے آدمی کو آنے دیا جائے پرانا آدمی ہر چیز کو تباہ و برباد کر دینا چاہتا ہے۔

پرانا آدمی اس دنیا کے خلاف تھا۔ اس کی نظریں صرف اگلی دنیا کی جنت پر اٹکی ہوئی تھیں۔ پرانے آدمی کا تعلق بعد از موت زندگی پر تھا اور نئے آدمی کا تعلق قبل از موت زندگی پر ہوگا۔ کیونکہ اگر اس زندگی پر مناسب توجہ دی جائے اور یہ بہتر ہو تو آنے والی زندگی اسی کا پرتو ہوگی۔ اس کے متعلق پریشان ہونے کی نہیں صرف سوچنے کی ضرورت ہے۔

پرانے آدمی کا خدا سے بہت لگاؤ تھا اور اس لگاؤ کا سبب خوف تھا۔ نئے آدمی کا تعلق خدا سے نہیں ہوگا بلکہ وہ اس دنیا میں رہے گا اور اس سے محبت کرے گا اور اس محبت کے نتیجہ میں وہ خدا کی موجودگی کا تجربہ حاصل کرے گا۔ پرانا آدمی محض خیالی تھا۔ نیا آدمی وجود کو زیادہ اہمیت دے گا۔

پرانے آدمی کی تعریف اپنشد کے الفاظ میں 'نیتی، نیتی، یعنی یہ نہیں، یہ نہیں' کی جا سکتی ہے۔ پرانے آدمی کی سوچ منفی تھی، وہ زندگی کی نفی کرتا تھا۔ نیا آدمی زندگی کا اثبات

کرے گا۔ یعنی 'اتی 'اتی' یہ اور یہ۔ پرانا آدمی وہاں سے متعلق تھا۔ اور نیا آدمی یہاں سے متعلق ہوگا۔ کیونکہ 'اِس' سے 'اُس' پیدا ہوتا ہے۔ اگر آپ 'اُس' سے بہت زیادہ متعلق ہو جاتے ہیں تو آپ دونوں ہی کو کھو دیتے ہیں۔

کل آج کے رحم میں ہے۔ آج کی حفاظت کرنے کا مطلب ہے کہ آپ نے کل کی حفاظت کی، کل کے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ نے کل کے متعلق بہت فکر کی تو آپ نے آج ضائع کر دیا۔ کل آج کی شکل میں آئے گا۔ یہ ہمیشہ آج ہی کی صورت میں آتا ہے۔ اگر آپ نے اپنے ہی ہاتھوں آج کو مارنے کی عادت اپنا لی ہے تو آپ کل کو بھی کھو دیں گے۔ اس طرح کھونے کا ایک سلسلہ ہوگا۔ پرانا آدمی مسلسل کھو رہا تھا۔ وہ قابل رحم اور اُداس تھا۔ اور کیونکہ وہ غمگین تھا اس لیے اس دنیا کے خلاف تھا۔ وہ اس دنیا اور سنسار کو موردِ الزام ٹھہراتا تھا۔ وہ کہتا تھا ''اس دنیا ہی کی وجہ سے میں دکھ کی حالت میں ہوں''۔ ایسا نہیں ہے۔ دنیا نہایت حسین ہے۔ یہ نعمت ہے۔ دنیا میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ البتہ پرانے ذہن میں ضرور کوئی خرابی ہے۔ پرانا دماغ صرف ماضی یا مستقبل میں زندہ تھا۔ ان دونوں میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔

پرانا دماغ اس کے متعلق سوچتا تھا جو موجود نہیں ہے۔ نیا آدمی اس سے ہم آہنگ ہوگا جو موجود ہے کیونکہ یہ خدا ہے، یہ حقیقت ہے، یہ 'اتی اتی' ہے۔ اس لمحہ کو اس کی ہمہ گیریت کے ساتھ گذارنا ہے، اس لمحہ کو بے ساختگی سے گذارنا ہے

پرانے آدمی کے پاس ریڈی میڈ جوابات تھے اس کے دماغ میں فلسفہ، دھرم اور ہر طرح کی لغویات کا بھوسا بھرا ہوا تھا۔ نیا آدمی بغیر مذہبی نتائج کے زندگی گذارنے والا ہے۔ فرد کو بغیر کسی نتیجہ پر پہنچے ہوئے حیات کا سامنا کرنا چاہیئے۔ اگر آپ نے نتائج پہلے ہی نکال لیے تو یہ آپ کے راستے کی رکاوٹ بن جائیں گے۔ یہ آپ کو تحقیق کی اجازت نہیں دیں گے۔ آپ کے نتائج آپ کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیں گے۔ یہ آپ کو سچائی نہیں دیکھنے دیں گے۔ آپ سچائی کو اپنے نتائج پر پورا اُتارنے کیلئے مسخ کریں گے۔ اب تک یہی کچھ ہوتا چلا آیا ہے۔

نیا آدمی نہ ہی ہندو ہوگا نہ عیسائی نہ کمیونسٹ نیا آدمی ان تمام ازمز (isms) سے ناواقف ہوگا۔ نیا آدمی ایک روزن ہوگا جہاں سے سچائی اندر آسکے گی۔

وہ حقیقت کو ایسے ہی آنے دے گا جیسی کہ وہ ہے' وہ اس پر اپنے ذہن کا عکس نہیں ڈالے گا۔ وہ حقیقت کو پردے کے طور پر استعمال نہیں کرے گا۔ اس کی آنکھیں کھلی تو ہوں گی مگر وہ خیالات سے لبریز نہیں ہوں گی۔

نیا آدمی لگے بندھے خیالات کے سہارے زندگی نہیں گذارے گا۔ وہ صرف جئے گا اور یاد رکھیں صرف وہی سچائی دریافت کرتے ہیں جو لگے بندھے خیالات کے پابند نہیں ہوتے۔ ماننے والے اور نہ ماننے والے سچائی کو کبھی نہیں پا سکتے۔ ان کے عقائد ان کے ذہنوں میں بہت راسخ ہو چکے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے عقائد کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ نیا آدمی کسی نظام کو نہیں مانے گا۔ وہ دیکھے گا۔ مشاہدہ کرے گا۔ غور کرے گا۔ زندگی کرے گا۔ اور وہ ہر طرح کے تجربہ سے گذرنے کو تیار ہوگا۔

اس کے ذہن میں مقدس صحیفے نہیں گھسے ہوں گے' اس کے ذہن میں چستی ہوگی وہ سوچ و بچار کرنے ولا ہوگا۔

پرانے آدمی نے خوف کے سہارے زندگی بسر کی حتیٰ کہ اس کا خدا خوف پر مبنی ایک تخلیق کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کے مندر گردوارہ' چرچ کی بنیاد خوف پر تھی۔ وہ خوفزدہ تھا۔ خوف کے مارے کانپتا تھا۔ نیا آدمی محبت کی وجہ سے زندگی گذارے گا نہ کہ خوف کی وجہ سے ۔خوف موت لے کر آتا ہے اور محبت زندگی۔

اگر آپ خوف کے سہارے زندگی گزارتے ہیں تو آپ کو کبھی خبر نہیں ہوگی کہ زندگی کیا ہے۔ آپ کو بار بار موت کے بارے میں ہی پتہ چلے گا۔ اور یاد رکھو کہ جس شخص کی زندگی خوف پر مبنی ہو وہ ہر اس طرح کی صورت حال پیدا کر لیتا ہے جس میں وہ زیادہ سے زیادہ خوف محسوس کرتا ہے۔ آپ کا خوف حالات پیدا کرتا ہے جیسے آپ کی محبت حالات پیدا کرتی ہے۔

اگر آپ محبت کرتے ہیں تو آپ کو چاہے جانے کے بہت سے مواقع ملیں گے۔
اگر آپ خوفزدہ ہیں تو آپ کو خوف محسوس کرنے کے بارہا مواقع ملیں گے۔

محبت نئے شعور کا فطری میلان بننے والی ہے۔ کیونکہ خوف پرانے شعور کا فطری میلان تھا۔ اس نے جنگیں پیدا کیں۔ 3 ہزار سالوں میں انسان نے 5 ہزار جنگیں لڑیں۔ ایسا لگتا ہے کہ انسان نے لڑائی کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔ یہ دیوانگی کی سی صورت حال ہے۔

نیا آدمی ماضی کے اس جنون سے تعلق توڑ لے گا۔ وہ زندگی نہ کہ موت پر یقین رکھے گا۔ وہ تخلیقی ہوگا نہ کہ تباہ کن۔ اس کی سائنس اور فنون اسی مقصد۔ تخلیقیت۔ کو پورا کریں گے۔ وہ بم نہیں بنائے گا۔ وہ سیاسی نہیں ہوگا کیونکہ سیاست کی بنیاد نفرت پر ہے سیاست کی جڑیں نفرت' خوف اور تباہی میں پیوست ہیں۔ نیا آدمی قومی نہیں بلکہ عالمگیر ہوگا۔ اس کا کوئی سیاسی جذبہ نہیں ہوگا کیونکہ سیاسی جذبہ رکھنا حماقت ہے۔ نیا آدمی بہت ذہین ہوگا۔ اس ذہانت کی پہلی علامتیں اُفق پر نمایاں ہو رہی ہیں۔ جن کی آنکھیں ہیں وہ دیکھ سکتے ہیں۔

یہ مسرت کی بات ہے کہ پوری دنیا میں نوجوان طبقہ ہر طرح کی دقیانوسیت کے خلاف بغاوت کر رہا ہے۔ چاہے اس دقیانوسیت کا تعلق مذہب سے ہے یا ریاست سے' اس سے غرض نہیں کہ وہ انہیں ماننے کو تیار نہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ انہیں نہ ماننے کا عزم کر چکے ہیں بلکہ وہ غور و فکر کریں گے اگر انہوں نے اس کی پابندی کو ضروری خیال کیا تو ضرور کریں گے۔ اگر انہوں نے اس کی نافرمانی کو مناسب سمجھا تو ضرور نافرمانی کریں گے۔ ان کے کوئی مخصوص نظریات نہیں ہیں۔ وہ اس طرح کے حماقت آمیز بیان نہیں دے سکتے کہ "میرا ملک غلط ہے یا صحیح'' کیونکہ بعض اوقات یہ غلط ہوتا ہے اور بعض اوقات صحیح۔ جب یہ صحیح ہوگا اس وقت نیا آدمی اس کی حمایت کرے گا۔ جب یہ غلط ہوگا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ اس کا اپنا ملک ہے یا نہیں۔ اگر اس کا خاندان' باپ یا ماں غلطی کرتے ہیں تو وہ اسے غلطی کہے گا۔ نیا آدمی تعصبات میں زندگی بسر نہیں کرے گا۔ پرانا آدمی غلام تھا' نیا آدمی آزاد ہوگا۔ نئے آدمی کی آزادی اس کی ذات میں پنہاں ہوگی۔

پرانا آدمی بہت سنجیدہ تھا وہ ''کام زدہ'' تھا۔ نیا آدمی شوخ ہوگا۔ وہ زندگی سے لطف اندوز ہوگا وہ ''فرض'' اور ''قربانی'' جیسے الفاظ ختم کردے گا۔ وہ کسی چیز کیلئے قربانی نہیں دے گا۔ وہ کسی دھرم یا ریاست کی قربان گاہ کی بھینٹ نہیں چڑھے گا۔ وہ کسی کو بھی اپنا استحصال کرنے کی اجازت نہیں دے گا کہ ''جاؤ اور مرجاؤ کیونکہ تمہارا ملک حالت جنگ میں ہے'' اس کا وعدہ صرف زندگی کے ساتھ ہے نہ کہ کسی اور چیز کے ساتھ۔ وہ خوشی میں رہنا چاہتا ہے۔ خوش ہونا چاہتا ہے وہ جشن منانا چاہتا ہے۔

یسوع کہتا ہے ''شاداں رہو' شاداں رہو میں تمہیں کہتا ہوں کہ شاد رہو''۔ انسان نے ابھی تک شادمانی حاصل نہیں کی۔ انسان اب تک سنجیدگی کے بوجھ تلے دبا رہا ہے۔ ملک کیلئے کام' خاندان کے لیے کام' بیوی کے لیے کام' بچوں کے لیے کام' اپنے ماں اور باپ کے لیے کام...... کام' کام' کام اور بس کام۔ پھر ایک دن قبر کے اندھے گڑھے میں داخل ہو جائیں اور پھر دوسرے لوگ کام کریں اور اس طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ کسی کے پاس بھی زندگی سے لطف اندوز ہونے کا وقت نہیں ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ نیا آدمی کام نہیں کرے گا۔ وہ ضرور کام کرے گا لیکن وہ اس کا عادی (غلام) نہیں بنے گا۔ وہ حد سے زیادہ کام نہیں کرے گا۔ اس کیلئے یہ دوائی (نشہ) نہیں ہوگی۔ وہ کام کرے گا کیونکہ اسے کچھ چیزوں کی ضرورت ہے۔ لیکن وہ زیادہ سے زیادہ چیزوں کے حصول کیلئے مستقل کام نہیں کرے گا۔ وہ چیزیں اکٹھی نہیں کرے گا۔ اس کا ایک بڑے بنک بیلنس پر ایمان نہیں ہوگا' اس کا بڑی نوکری پر یقین نہیں ہوگا۔ اس کی بجائے وہ گیت گانا چاہے گا۔ وہ بانسری اور گیٹار بجانا چاہے گا۔ ڈانس کرنا چاہے گا وہ مشہور ہونا نہیں چاہے گا۔ وہ محض زندگی گزارنا چاہے گا۔

اور یہ سب کچھ پہلے ہی ہو رہا ہے۔ اوّلین کرنیں پہلے ہی موجود ہیں۔ ابھی یہ صبح کی کُہر میں چھپی ہوئی ہیں۔ لیکن اگر آپ ان کے متلاشی ہیں تو آپ انہیں ضرور پالیں گے۔ نئی نسل ایک بالکل نئی قسم کی نسل ہے جو حقیقی اور فطری ہے۔ ایسا پہلے کبھی نہیں تھا۔ اتنا واضح جنریشن گیپ (generation gap) پہلے کبھی نہیں تھا۔

بچے والدین سے مختلف زبان بول رہے ہیں۔ والدین انہیں سمجھنے سے قاصر ہیں کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد ان کے نقش قدم پر چلے اور بچے کہتے ہیں ''کامیابی کی کیا ضرورت ہے اگر آپ ایک گیت نہیں گا سکتے' رقص نہیں کر سکتے' لطف اندوز نہیں ہو سکتے اور آپ محبت نہیں کر سکتے تو کامیاب ہونے کا کیا فائدہ ہے؟ کامیابی سے کیا ہو جائے گا؟ حتیٰ کہ اگر پوری دنیا میرا نام جانتی ہے تو پھر اس سے مجھے کیا فائدہ؟''

پرانی نسل پیسے پر یقین رکھتی ہے اور آپ حیران ہونگے کہ یہ یقین اتنا گہرا ہے کہ جو پیسے کا انکار کرتے ہیں وہ بھی اس پر یقین رکھتے ہیں ورنہ انہیں اس انکار کی ضرورت نہیں تھی۔ جتنا آپ پیسے کو بُرا بھلا کہتے ہیں اتنا ہی آپ اس سے پیار کرتے ہیں۔ پیسہ پیمانہ ہے' کسوٹی ہے۔

دنیا میں اگر آپ کے پاس زیادہ پیسہ ہے تو آپ بڑے ہیں۔ حتیٰ کہ پادریوں کی دنیا میں بھی یہ اہم ہے کہ آپ نے کتنا زیادہ انکار کیا ہے؟ اگر آپ نے زیادہ پیسے کا انکار کیا ہے تو آپ زیادہ اہم ہیں۔ یہاں بھی پیسہ ہی اہم رہا۔

نئی نسل پیسے کی دیوانی نہیں ہو رہی اور یاد رکھیں میں یہ نہیں کہہ رہا کہ یہ پیسے کے خلاف ہو رہی ہے۔ یہ پیسہ استعمال کرے گی۔ ماضی میں پیسے نے انسان کو استعمال کیا۔ ماضی میں انسان اس بے خبری میں رہا ہے کہ چیزیں اس کی ملکیت ہیں حالانکہ وہ چیزوں کی ملکیت تھا۔ نیا آدمی چیزوں کو استعمال کر سکے گا۔ نیا آدمی پیسے استعمال کرے گا۔ ٹیکنالوجی استعمال کرے گا۔ لیکن نیا آدمی آقا ہے گا وہ شکار نہیں بنے گا وہ کوئی ''چیز'' نہیں بننے والا۔ میرے خیال میں یہی وہ زبردست چیز ہے جو رونما ہو رہی ہے۔

نیا شعور ہر طرح کی دقیانوسیت کا مقابلہ کرنے والا ہے۔ ہر طرح کی دقیانوسیت۔ خواہ وہ کیتھولک' یا کمیونسٹ' ہندو یا جین یا کچھ بھی ہو ایک طرح کا ذہنی بانجھ پن ہے۔ یہ مفلوج کردیتی ہے' آپ زندہ نہیں رہتے' آپ جذباتی بن جاتے ہیں۔ آپ سخت ضدی ہو جاتے ہیں۔ آپ چٹان کی مانند ہو جاتے ہیں۔ آپ ایک مائع انسان نہیں رہتے۔ آپ

اڑیل ٹٹو کا سا طرزِ عمل اختیار کر لیتے ہیں۔ یعنی ضدی‘ اپنی جگہ قائم‘ تبدیلی کا کوئی امکان نہیں‘ بے لچک‘ کوئی بہاؤ نہیں۔ لیکن ماضی میں ان باتوں کو بہت سراہا جاتا تھا لوگ اسے یقیناً مستقل مزاجی کہتے ہیں جبکہ ایسا ہے نہیں۔ یہ نہ ہی مستقل مزاجی ہے اور نہ ہی تیقن۔ یہ محض موت ہے‘ جمود ہے۔

ایک زندہ شخص کو بہتے رہنا چاہیئے۔ اسے بدلتی ہوئی صورتحال پر ردِ عمل کرنا چاہیئے۔ جبکہ حالات ہر لمحہ تبدیل ہو رہے ہیں آپ اپنے مخصوص رویہ پر کس طرح ٹھہر سکتے ہیں۔ زندگی میں تو خود ٹھہراؤ نہیں ہے۔

جب زندگی ایک بہتا ہوا دریا ہے تو آپ کیسے اڑیل ہو سکتے ہیں اور اگر آپ ضدی اور خودسر ہوتے ہیں تو آپ اپنا ناتا زندگی سے توڑ لیتے ہیں اور آپ پہلے ہی اپنی قبر میں موجود ہوتے ہیں۔

نئے شعور کی جڑت پرانے تصورات سے نہیں ہوگی‘ یہ غیر جذباتی ہوگا۔ یہ سیال ہوگا‘ ردِ عمل نہیں کرے گا بلکہ جواب دے گا۔ ان دو لفظوں میں بہت فرق ہے۔

ردِ عمل ہمیشہ غیر لچک دار ہوتا ہے۔ آپ کے طے شدہ خیالات ہیں۔ آپ کا ردِ عمل ان کے مطابق ہے۔ سوال اُٹھنے سے پہلے ہی ردِ عمل تیار ہوتا ہے۔ جواب ایک بالکل مختلف چیز ہے۔ آپ سوال سنتے ہیں‘ حالات محسوس کرتے ہیں۔ صورت حال میں جاتے ہیں اور اس جانے سے آپ کا جواب سامنے آتا ہے۔

ایک ذمہ دار شخص ضدی نہیں ہو سکتا۔ کبھی پُر یقین نہیں ہو سکتا۔ غیر لچک دار نہیں ہو سکتا۔ وہ لمحہ بہ لمحہ زندہ رہے گا۔ وہ پہلے سے ہی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ وہ ہر دن اور ہر لمحہ فیصلے کرے گا۔ اور کیونکہ اسے زندگی اور اس کے مستقل بدلتے ہوئے چیلنجوں کا سامنا کرنا ہے‘ وہ پچھلے دور کے لوگوں کی طرح مستقل مزاج نہیں ہو سکتا۔ وہ صرف ایک چیز کے بارے میں مستقل مزاج ہوگا کہ وہ ہمیشہ زندگی سے ہم آہنگ رہے گا۔ یہی اس کی استقامت ہوگی نہ کہ یہ کہ اس کا ایک خاص نظریہ ہے اور وہ استقامت کے ساتھ اس نظریہ پر قائم رہتا ہے اور زندگی اس کیلئے قربان کرتا رہتا ہے۔

لیکن پرانا آدمی اسی طرز پر مستقل مزاج تھا: اپنے کردار‘ اپنے بیانات‘ اپنی منافقت میں۔ پرانا آدمی قطعی طور پر دوٹوک فیصلہ کرتا تھا۔ ماہرین نفسیات بتاتے ہیں کہ انسان کی تقریباً 50 فیصد شخصیت اس کے ابتدائی سات سالوں میں تشکیل پا چکی ہوتی ہے۔ جی ہاں 50! فیصد اور پھر آپ استقامت کے ساتھ اس پر قائم رہتے ہیں۔ اور زندگی بدلتی رہتی ہے۔ تو حیران نہیں ہونا چاہیئے کہ آپ پیچھے رہ جاتے ہیں‘ کہ آپ خوشی کھو دیتے ہیں‘ کہ آپ رقص کے معیار کو قائم نہیں رکھتے۔ آپ رقص کیسے کر سکتے ہیں؟ آپ تو وقت سے بہت پیچھے ہیں‘ آپ ایک مردہ درخت ہیں جس میں کوئی نشوونما نہیں۔ ایک زندہ درخت بڑھتا ہے‘ تبدیل ہوتا ہے۔ زندہ شخص کی نشوونما ہوتی ہے اور زندگی کے آخری لمحے تک اُس کی بڑھوتری ہوتی رہتی ہے۔ اس کی نشوونما کی کوئی حد نہیں۔

ماہرین نفسیات بتاتے ہیں کہ انسان کی اوسط ذہنی عمر 13 سال ہے۔ یہ ہے وہ صورت حال جس میں پرانا آدمی اب تک زندہ رہا۔ اس کا مطلب ہے کہ 13 برس کی عمر میں لوگوں کی نشوونما رُک گئی۔ یقیناً ان کی عمر بڑھتی رہی لیکن ان کی نشوونما نہیں ہوئی۔ عمر کا بڑھنا نشوونما سے بالکل مختلف چیز ہے۔ نشوونما پانے کا مطلب ہے کہ پختگی اور دانش حاصل کرتے رہنا اور صرف وہی نشوونما پاتے ہیں جو زندگی کی رو کے ساتھ بہتے ہیں۔

نیا آدمی ماضی میں دیئے گئے احمقانہ تصورات کا پابند نہیں ہوگا۔ ضروری نہیں کہ جب یہ تصورات وجود میں آتے ہیں اس وقت بھی وہ احمقانہ ہوں۔ ممکن ہے وہ اس وقت کے حالات سے مطابقت رکھتے ہوں۔ مگر جیسے ہی حالات تبدیل ہوتے ہیں چیزیں احمقانہ بن جاتی ہیں۔ لیکن اگر آپ ان کے ساتھ چمٹے رہتے ہیں‘ اگر آپ اپنی سابقہ روش برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو آپ کا طرزِ عمل انتہائی غیر معقول ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک دھرم 5 ہزار سال پرانا ہے اس کا مطلب ہے کہ اس دھرم کی رسومات 5 ہزار سال پہلے وجود میں آئیں۔ اور اس وقت سے لے کر آج تک یہ اُسی طرح قائم ہیں۔ یہ سب کچھ کتنا بھیانک ہے‘ کتنا مفلوج کرنے والا ہے!۔ جو شخص 5 ہزار پرانی رسومات میں گھرا ہوا ہے کیسے زندہ تصور کیا جا سکتا ہے۔

نیا آدمی تخلیقی ہوگا۔ وہ ہر لمحہ میں اپنا مذہب' اپنا فلسفہ پائے گا اور اس کی نشو ونما ہوتی رہے گی۔ وہ ماضی کا پابند نہیں ہوگا۔ ماضی کا پابند ہونے کا مطلب ہے موت کا پابند ہونا کیونکہ ماضی مردہ ہے۔ وہ صرف حال کا پابند ہوگا۔ وہ ماضی کا باغی ہوگا۔ یہ باغی ہونے کی صفت جدید دَور کی چند اہم ترین خصوصیات میں سے ایک بنتی جا رہی ہے۔ وہ ایک مردہ معاشرے کا حصہ نہیں بن سکتا۔ وہ مردہ چرچ کا حصہ نہیں بن سکتا۔ وہ مردہ فوج کو نہیں اپنا سکتا۔ وہ ہر اُس جگہ ناموزوں ہوگا جہاں فرمانبرداری اوّلین شرط ہے۔ نیا آدمی اپنے گرد ایک معاشرہ تخلیق کرنے پر قادر ہے۔ وہ اپنی دنیا آپ پیدا کر کے زندہ ہونے کا ثبوت دے گا۔

نئی آگہی نئے معاشرے کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ ایک طویل دور وہ بھی ہوگا جب پرانا نئے کے راستے میں مزاحم ہوگا۔ پرانا نئے کو تباہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن پرانا روح عصر پر غالب نہیں آ سکتا۔ پرانے کو بالآخر اپنے انجام تک پہنچنا ہے۔ جیسے پرانا جسم ختم ہو جاتا ہے اور کسی نئے بچے کیلئے جگہ بناتا ہے۔ اسی طرح پرانے معاشرے اور پرانی اقدار کو مرنا ہے۔ وہ اپنا وقت پورا کر چکی ہیں۔

نیا شعور اخلاق پرستانہ نہیں ہوگا' تنگ نظر نہیں ہوگا اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے پاس اخلاقیات نہیں ہوں گی۔ بلکہ اس کے پاس مختلف قسم کی اخلاقیات ہوں گی۔ ایک ایسی اخلاقیات جو اس کی اپنی زندگی کے احساس سے وجود میں آتی ہے' جو اس کی حساسیت سے' اس کے اپنے تجربات سے جنم لیتی ہے۔ نہ کہ ایسی اخلاقیات جو دوسروں سے سیکھی گئی ہوں' جو مانگے کی ہوں۔ پرانے لوگوں کی طرح نیا آدمی کردار کا مالک نہیں ہوگا کیونکہ ہر کردار انسان کو پابند کر دیتا ہے۔ یہ آپ کے گرد ایک زرہ بکتر بنا دیتا ہے۔ نیا آدمی اس لحاظ سے بغیر کردار کے ہوگا۔ کیونکہ اس کے گرد کوئی کال کوٹھڑی نہیں ہوگی۔ ایسا نہیں کہ اس کا کوئی کردار نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ کردار کی نئی تعریف کرے گا۔ وہ منافق نہیں ہوگا۔

پرانی تنگ نظری اور پرانے اخلاقی رویوں نے دنیا میں صرف منافقت پیدا کی ہے۔ پرانا آدمی دوہرے معیار کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ نئے آدمی کی زندگی میں تضاد نہیں

ہوگا۔ جو کچھ اس کے باہر ہے وہی اس کے اندر ہے۔ وہ اصلی ہوگا۔ اس لفظ ''اصلی'' کو یاد رکھیں۔ یہی نئے آدمی کا مذہب بننے والا ہے اور اصلی ہونے کے ساتھ ہی اعصابی مرض غائب ہو جاتا ہے۔ پرانا آدمی اعصابی مریض تھا کیونکہ وہ مستقل الجھن میں تھا۔ وہ کرنا کچھ چاہتا تھا اور کرتا کچھ تھا۔ اسے اپنے خلاف چلنے کے بارے میں سکھایا جاتا تھا۔ اس نے اپنے اوپر ضبط کیا ہوا تھا۔ اس کی اپنی اصل شخصیت دب گئی اور اس کے اوپر ایک جعلی کردار مسلط ہو گیا۔

ان مصنوعی لوگوں کی بہت مدح ہو چکی ہے اب وقت آ گیا ہے کہ ان جعلی لوگوں کو بے نقاب کیا جائے۔ ہم ان مہاتماؤں اور اولیاء کی تعریفوں کے پُل باندھ چکے' اب ہمیں ذرا ان کے اعصابی مرض کو دیکھنا ہے۔ وہ تمام نفسیاتی مریض تھے۔ ایک صحت مند انسان ایک مکمل انسان ہوتا ہے۔ اس کا اندرون اور بیرون ایک ہوتا ہے۔ ظاہر و باطن میں تضاد نہیں ہوگا۔ اگر وہ محبت کرتا ہے تو ڈوب کر محبت کرتا ہے' اگر ناراض ہے تو پورے جذبے سے۔ اس کے غصے میں بھی اتنی ہی صداقت ہے جتنی اسکی محبت میں۔ پرانا آدمی اندر ہی اندر غصے میں کھولتا ہے اور ہونٹوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے۔ وہ جذبے اور توانائی کے بغیر رہتا ہے۔ اس کے دیئے میں شعلہ نہیں۔ اس کی زندگی میں صرف جعلی چیزوں کی مشق ہے اور نتیجتاً وہ مصائب کا شکار ہوتا ہے۔

نیا آدمی دنیاوی ہوگا اور دنیاوی سے میری مراد مادہ پرست نہیں۔ نیا آدمی حقیقت پسند ہوگا' وہ اس زمین سے محبت کرے گا۔ کیونکہ ہم نے اس زمین سے محبت نہیں کی اور ہمارے فرسودہ مذاہب زمین سے ہمیں نفرت سکھاتے رہے تو ہم نے اسے تباہ کر دیا۔ یہ ایک خوبصورت سیارہ ہے' یہ سیارہ محبت کرنے کے قابل ہے۔ اس سیارے سے لطف اندوز ہونا چاہیئے۔ یہ ایک تحفہ ہے۔ اس جسم میں اتنے اسرار ہیں کہ ایک بدھا اس جسم ہی کی وجہ سے ممکن ہے۔ یہ جسم ایک بڑے امکان کا مسکن ہے۔ جسم سے پیار ضروری ہے۔ اس زمین سے پیار ضروری ہے۔

نیا آدمی فطرت میں اپنا مذہب پائے گا' نہ کہ مردہ پتھروں کے مقبروں میں۔ بلکہ ہوا میں جھومتے ہوئے زندہ درختوں میں' سمندر کی اُٹھتی ہوئی موجوں میں اور پہاڑوں میں اسے خدا ملے گا۔ اس کا مکالمہ اپنے وجود کے ساتھ ہوگا۔ وہ مجرد خیالات کی دنیا سے نکل کر حقائق کی دنیا میں آئے گا۔ اس کی وابستگی فطرت کے ساتھ ہوگی اور اس وابستگی کے نتیجہ میں وہ مافوق الفطرت کو جان پائے گا۔ خدا اس زمین میں چھپا ہوا ہے۔ اس جسم میں ہے۔ یہ جسم جو کہ بدھا ہے' یہ زمین جو کہ جنت ہے۔

نیا آدمی فطرت کے صحیفے پڑھے گا۔ یہی اس کی بائیبل اور وید ہوگی۔ یہاں پتھروں میں وہ وعظ سنے گا۔ وہ زندگی کے اسرار کے معمہ کو حل کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ وہ زندگی کے اسرار سے محبت کرے گا ان اسراروں میں داخل ہو جائے گا۔ وہ فلسفی نہیں بلکہ شاعر ہوگا۔ وہ ایک فنکار ہوگا۔ اس کی سائنس کا مزاج بھی مختلف ہوگا۔ اس کی تاؤ(Tao) والی سائنس ہوگی۔ یعنی فطرت کو تسخیر کرنے کی کوشش نہیں ہوگی کیونکہ یہ بڑی احمقانہ کوشش ہے۔ آپ فطرت کو کیسے تسخیر کر سکتے ہیں؟ آپ تو خود اس کا حصہ ہیں۔ اس کی سائنس یہ ہوگی کہ فطرت کو سمجھا جائے نہ کہ اسے تسخیر کیا جائے۔ وہ فطرت کی بے حرمتی نہیں کرے گا' وہ اس سے محبت کرے گا اور اُسے قائل کرے گا کہ وہ اپنا آپ اس پر ظاہر کر دے۔

نیا آدمی پُر جوش نہیں ہوگا' سیاسی نہیں ہوگا۔ سیاست کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ سیاست کا وجود صرف اس لیے رہا ہے کہ انسانیت اعصابی مریض تھی۔ اگر اعصابی مرض غائب ہو جائے تو ساتھ ہی سیاست بھی ختم ہو جائے گی۔

پُر جوش ہونے کا مطلب ہے کہ آپ کے پاس کسی چیز کی کمی ہے اور آپ اپنے آپ کو تسلّی دے رہے ہیں کہ آپ اسے مستقبل میں حاصل کر لیں گے۔ تمنا ایک ڈھارس ہے کہ اگر آج دکھ ہے تو کل سکھ بھی ہوگا۔ کل کو نظر میں رکھتے ہوئے آپ آج اور اس کے دکھ کو جھیل جاتے ہیں آج ہمیشہ جہنم ہے اور کل جنت۔ آپ جنت پر نظریں گاڑے رکھتے ہیں۔
لیکن امید کبھی بر نہیں آتی کیونکہ کل تو کبھی نہیں آتی۔ شدید تمنا کا مطلب ہے کہ آپ اپنے آج کو روحانی خوشی کے تجربے میں بدلنے سے قاصر ہیں۔ اور آپ ناتواں

ہیں۔ صرف کمزور اور ناتواں لوگ ہی پُر جوش ہوتے ہیں اور شدید تمنا کرتے ہیں۔ یہی لوگ دولت اور طاقت کا حصول چاہتے ہیں۔ صرف توانا اور باصلاحیت لوگ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہاں اگر دولت اُن کے راستے میں آ جائے تو وہ دولت کے ساتھ بھی وقت گزارتے ہیں لیکن اس کی تلاش میں اس کے پیچھے پیچھے نہیں پھرتے۔ اور نہ ہی وہ اس سے خوفزدہ ہیں۔

پرانا آدمی یا تو پیسے کے پیچھے تھا یا اس سے خوفزدہ' یا طاقت کے پیچھے تھا یا طاقت سے خوفزدہ۔ دونوں ورتوں میں مرکز پیسہ اور طاقت ہی رہے۔ پرانے آدمی کی حالت قابل رحم ہے۔ وہ پُر جوش تھا کیونکہ یہاں رہنے کے قابل نہیں تھا' محبت کے قابل نہیں تھا۔
نیا آدمی یہاں رہنے کے قابل ہوگا' محبت کرنے کے قابل ہوگا۔ اس کی آج جب اتنی اچھی ہوگی تو اسے کل کی فکر کیوں ستائے۔ اس کا تعلّق زیادہ حاصل کرنے سے نہیں ہوگا۔ اس کا تعلق زیادہ سے زیادہ ہونے سے ہوگا۔ ان دونوں میں فرق ہمیں ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ زیادہ چیزوں کی مالک ہونا دراصل خود بے پناہ ہونے کا متبادل نہیں ہے۔ آپ کے پاس زیادہ روپیہ ہے تو آپ سمجھتے ہیں کہ آپ خود بہت زیادہ ہیں۔

مگر درحقیقت آپ وہی بھکاری ہی رہتے ہیں۔ مرتے وقت سکندر کے ہاتھ بھی ایک بھکاری کی طرح خالی تھے۔

زیادہ ہونا ایک بالکل مختلف جہت ہے۔ زیادہ ہونے کا مطلب ہے کہ اپنی حقیقت کا شعور ہو' اپنے آپ سے وابستگی ہو اور آپکی اس کائنات سے ہم آہنگی ہو۔ حیات کے ساتھ آپ کی جتنی زیادہ جڑت ہے آپ اتنے ہی زیادہ ہیں۔ اگر آپ کی یہ ہم آہنگی مکمل ہے تو پھر آپ خدا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم بدھا اور مہاویر کو خدا کہتے ہیں کیونکہ حیات کے ساتھ ان کی ہم آہنگی مکمل ہے' کوئی تضاد نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو کُل میں فنا کر دیا ہے جیسے ایک شبنم کا قطرہ سمندر میں فنا ہو کر سمندر ہو جاتا ہے۔

نئے آدمی میں مصنوعی پن اور جھوٹا دکھاوا نہیں ہوگا۔ وہ سچا ہوگا کیونکہ آزادی صرف سچ ہی میں ہے۔ تمام جھوٹ غلامی پیدا کرتے ہیں۔ ایک جھوٹ بول لیں اور آپ کو اس کے دفاع میں ہزار جھوٹ بولنے پڑیں گے۔ اور ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا

ہے۔ایک جھوٹ جلد یا بدیر آپ کی پوری زندگی کا گھیراؤ کر لیتا ہے۔ یہ کینسر کی مانند ہوتا ہے۔

سچے بنیں اور آپ کو کچھ بھی چھپانے کی ضرورت نہیں۔ایک جھوٹ بول لیں اور آپ خوفزدہ ہو جائیں گے۔ آپ مستقل اپنے آپ سے، اوروں سے اور خدا سے نظریں چُراتے پھریں گے۔ آپ مستقل مصنوعی دکھاوے کے پیچھے پیچھے پھریں گے۔ منافقت آپ کا طرزِ زندگی بن جائے گی۔ منافقت جہنم پیدا کرتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ صرف اصل اور خالص ہونا ہی واحد حقیقی خوشی ہے۔

نئے آدمی میں دوئی نہیں ہوگی۔ نیا آدمی مصنوعی پن سے نفرت کرے گا۔ یہی نئے آدمی کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ وہ غیر لچک داری اور قطعیت کے خلاف ہوگا کیونکہ زندگی ایک خوبصورت بہاؤ ہے۔

زندگی کی کوئی مخصوص ساخت نہیں ہے بلکہ یہ آزادی ہے۔ یہ ایک جیل نہیں ہے۔ یہ ایک مندر ہے۔ ہماری ریاستیں وحشی ہیں، ہماری افواج غیر انسانی ہیں، ہمارے چرچ سنگدل ہیں کہ یہ سب انسان کو ایک شئے میں تبدیل کر دیتے ہیں، کیونکہ یہ انسان کی آزادی کی قدر نہیں کرتے۔ نیا آدمی اپنی آزادی کی قدر کرے گا اور ساتھ ہی دوسروں کی آزادی کی بھی۔

پرانا آدمی مستقل دوسروں کے کام میں مداخلت کر رہا ہے، ان کے معاملات سلجھاتا ہے، تنقید کرتا ہے، بُرا بھلا کہتا ہے، انعام دیتا ہے، سزا دیتا ہے۔ پرانے آدمی کا تعلق دوسروں سے ہے ''تم یہ کیا کر رہے ہو؟ کیوں کر رہے ہو؟''

نئے شعور کا رُخ اپنی ہی زندگی کی طرف ہوگا۔ جب تک کوئی شخص دوسروں کو نقصان نہیں پہنچا رہا اسے نہیں روکنا چاہیئے۔ جب تک کوئی دوسروں کیلئے خطرناک نہیں ہے اسے کسی بات سے منع نہیں کیا جانا چاہیئے۔ جب تک کوئی دوسروں کی آزادی کو متاثر نہیں کر رہا اس کی آزادی کا بھی احترام کرنا چاہیئے۔

پرانی دنیا انفرادیت کے بغیر تھی۔ یہ انفرادیت سے نفرت کرتی تھی۔ یہ بھیڑوں اور ہجوم سے محبت کرتی تھی کہ تمام لوگ ایک لگے بندھے ضابطے پر عمل کرتے رہیں۔ نیا

آدمی ہر طرح کے امکانات کی اجازت دے گا۔ وہ انسان ہوگا اور انسانوں کی عزت کرے گا۔اس کا احترام تقریباً مذہبی نوعیت کا ہوگا۔

نئے آدمی کو سماج، اپنائیت، تعلق اور مشترکہ مقاصد کی نئی شکلیں دریافت کرنا ہوں گی۔ پرانا سماج ایک دم ختم نہیں ہونے والا، یہ کافی عرصہ گھسٹتا رہے گا۔ یہ نئے معاشرے پر ہر طرح کی لڑائیاں مسلط کرے گا۔ جیسا کہ ہمیشہ ہوتا ہے۔ اس کی بہت سی اغراض ہیں یہ آسانی سے ختم نہیں ہو سکتا، یہ اسی وقت جائے گا جب اس کی مزید بقا ممکن نہیں رہے گی۔

ماضی میں لوگوں کی پہلے شادی ہوتی تھی اور پھر آہستہ آہستہ وہ ایک دوسرے کو پسند کرنا اور محبت کرنا شروع کرتے تھے۔ مستقبل میں لوگ پہلے ایک دوسرے کو پسند کریں گے، محبت کریں گے پھر وہ اکٹھے رہیں گے۔ ماضی میں پہلے اکٹھے رہا جاتا تھا۔اب فطری سی بات ہے کہ جب آپ اکٹھے رہتے ہیں تو پسندیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ایک دوسرے پر انحصار ہو جاتا ہے۔اس شادی کی بنیاد ضرورت پر تھی۔ خاوند کو بیوی کی ضرورت تھی، بیوی کو خاوند کی اور پھر بچوں کو والدین کی ضرورت تھی کہ سب اکھٹے رہیں، یہ تقریباً معاشی مظہر تھا۔اس کی جڑیں محبت میں پیوست نہیں تھیں۔

مستقبل میں تعلق داری کی نوعیت نئی ہوگی جو خالصتاً محبت پر مبنی ہوگی اور یہ تعلق اسی وقت تک رہے گا جب تک یہ محبت رہتی ہے۔اور اس کی ابدیت کیلئے کوئی مریضانہ کوشش نہیں ہوگی۔ کیونکہ زندگی میں کچھ بھی ابدی نہیں ہے۔صرف پلاسٹک کے پھول دائمی ہیں۔

حقیقی پھول صبح کو کھلتے ہیں اور شام تک مرجھا جاتے ہیں اور یہی ان کی خوبصورتی ہے جب وہ کھلتے ہیں تو خوبصورت لگتے ہیں اور اس وقت بھی خوبصورت ہوتے ہیں جب ان کی پنکھڑیاں مرجھانا شروع کرتی ہیں۔ ان کی زندگی خوبصورت ہے' ان کی پیدائش خوبصورت ہے' ان کی موت خوبصورت ہے۔

ایک پلاسٹک کا پھول کبھی پیدا نہیں ہوتا' کبھی مُرجھاتا بھی نہیں۔

ماضی میں شادی کی حیثیت ایک پلاسٹک کے پھول کی سی تھی۔ نئے شعور میں شادی کے ادارے کیلئے کوئی احترام نہیں ہوگا۔ اسے ضرورت ہوگی کہ کوئی اور قلبی تعلق تخلیق کرے' یعنی دوستی۔ اور اسے محبت اور ہر چیز کی غیر ابدیت کے مظہر کے ساتھ رہنا سیکھنا ہوگا۔

زندگی کی ناپائیداری کے ساتھ جینے کیلئے صلاحیت کی ضرورت ہے۔ آپ کو خود اپنے آپ کو بدلنا ہوگا۔ یہ زیادہ محفوظ محسوس ہوتا ہے کہ طے شدہ چیزوں کے ساتھ رہا جائے۔ پرانے آدمی نے اسی طرز پر زندگی گزاری ہے۔ پرانا آدمی مہم جُو نہیں تھا۔ اس کا مطمع نظر صرف محفوظ رہنا تھا' نیا آدمی مہم جُو ہوگا وہ محفوظ رہنا نہیں چاہے گا' اس کا مطمع نظر وجدانی خوشی ہوگا۔

اس کے پاس یقین نہیں ہوگا کیونکہ عقیدہ تحفظ کی تلاش ہے۔ وہ دریافت کرے گا۔ ممکن ہے اسے ہر سوال کا واضح جواب نہ ملے مگر وہ ہر چیلنج کو حل کرنے اور دریافت کرنے کو قبول کرے گا۔ وہاں تک جائے گا جہاں تک زندگی اسے لے جائے گی' وہ ستاروں تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔

وہ سفر کا آغاز کسی خاص تصور' کسی طے شدہ نتیجہ سے نہیں کرے گا۔ اس کا مقصود صرف معلوم کرنا ہوگا۔ کسی خاص تصور سے آغاز کا مطلب ہے کہ آغاز کیا ہی نہیں۔ کسی یقین کے ساتھ شروع کرنے کا مطلب ہے کہ آپ اپنے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ آپ تو پہلے ہی یقین رکھتے ہیں تو پھر آپ دریافت کیسے کر سکتے ہیں۔ دریافت کرنے کیلئے ضروری ہے کہ آپ لاادری (agnostic) ہوں اور یہی اگلے دور کا مذہب بننے والا ہے۔

فرد اتنا بہادر ہوگا کہ کہہ سکے "میں نہیں جانتا لیکن میں جاننا ضرور چاہتا ہوں اور میں جاننے کیلئے کسی بھی سمت جانے کو تیار ہوں' کوئی بھی مہم سر کرنے کو تیار ہوں"۔ نیا آدمی خطرات مول لینے کو تیار ہوگا۔ پرانے آدمی کا رویہ کاروباری تھا۔ وہ خطرے میں نہیں پڑتا تھا۔ خطرہ اس کیلئے عذاب تھا اور تحفظ اس کی منزل' لیکن تحفظ کے ساتھ ہی آپ مرنا شروع کر دیتے ہیں۔ صرف مستقل مہم کے دوران ہی زندگی کی نشوونما اور ترقی ہوتی ہے۔

نیا آدمی بے ساختہ اور غیر یقینی ہوگا نیا تجربہ کرنے کو تیار اور ناممکن کام کرنے کیلئے رضامند ہوگا۔ اس کا اس پر یقین ہوگا کہ ہر چیز ممکن ہے۔ وہ صرف معلوم سے ہی نہیں چمٹا رہے گا بلکہ نامعلوم اور ناقابل معلوم کی جستجو کرے گا۔ اور وہ کسی مستقبل کے لئے قربانی نہیں دے گا کیونکہ وہ مثالیت پسند idealist نہیں ہوگا' وہ کسی مجرد خیالات' نظریات اور نصب العین کیلئے قربان نہیں ہوگا۔

اس کا یقین اپنے ہی تجربے پر ہوگا نہ کہ کسی خارجی طاقت پر۔ جب تک اسے کسی چیز کا علم نہیں ہوگا وہ یقین نہیں کرے گا۔ کوئی خارجی طاقت نئے آدمی کی مدد نہیں کر سکتی۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا" کیونکہ میں کہہ رہا ہوں تو تمہیں یقین کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ہمارے آباؤ اجداد یقین رکھتے تھے تو تمہیں بھی ماننا پڑے گا' کیونکہ ایسا بائیبل میں' وید میں لکھا ہے تو تمہیں ماننا پڑے گا"۔

نیا آدمی اس طرح کی فضولیات پر یقین نہیں رکھے گا۔ اصلی بھروسہ اپنی صلاحیتوں اور امکانات پر ہوتا ہے۔ نیا آدمی اپنا احترام کرے گا۔ خارجی طاقت پر یقین کا مطلب ہے کہ آپ اپنا احترام نہیں کرتے۔

نئے آدمی کا فطرت کے عناصر سے رشتہ مضبوط ہوگا۔ سمندر سے' سورج سے' برف سے' پھولوں سے' جانوروں سے' پرندوں سے' زندگی سے' نشوونما سے' موت سے۔

میرے نزدیک یہی وہ سب سے اہم مظہر ہے جو آج پیدا ہو رہا ہے۔ ایک نیا انسان وجود میں آ رہا ہے افق پر پہلی کرنیں پہلے ہی موجود ہیں۔ نئے آدمی کے استقبال کو

تیار ہو جائیں۔ اس مہمان کے میزبان بننے کو تیار ہو جائیں جو آپکے دروازے پر کسی بھی وقت دستک دے سکتا ہے۔

یاد رکھیں کہ اب مسیحاؤں کا دور ختم ہو چکا۔ اب عیسیٰ اور بدھا کے دوبارہ آنے کا انتظار فضول ہے۔ کوئی بھی لوٹ کر نہیں آتا کم از کم بدھا اور عیسیٰ تو نہیں۔ دوبارہ وہ لوگ آتے ہیں جنہوں نے زندگی سے کچھ نہیں سیکھا ہوتا۔ بدھا نے زندگی سے سبق سیکھ لیا۔ وہ اب نہیں آئے گا۔ عیسیٰ نے زندگی سے نتائج اخذ کر لیے وہ بھی نہیں آنے والا۔ اپنی نجات کیلئے نئی آگہی، نئے شعور کا انتظار کرو۔ یہ ہے وہ چیز جس پر پرانے ذہن کا یقین تھا، یعنی کسی نجات دہندہ کا انتظار۔

ایک نیا شعور آپ کو نجات دلانے والا ہے۔ بدھا، کرشن، عیسیٰ جب یہاں تھے تو آپ کو نجات نہ دلوا سکے۔ کوئی ایک شخص یہ کام نہیں کر سکتا۔ صرف ایک نیا شعور ہی انسان کو اس کی غلامی سے نجات دلوا سکتا ہے۔ اور نیا شعور صرف آپ ہی کے ذریعے آسکتا ہے خود آپ کو رحم (womb) بننا پڑے گا، اسے قبول کرنا پڑے گا اور اس کیلئے اپنے آپ کو تیار کرنا پڑے گا۔ ایک بہت ہی شاندار چیز کیلئے تیار ہو جائیں تاکہ جب انعام ملے تو کہیں آپ گہری نیند نہ سوئے ہوئے ہوں اور جب نیا شعور آپ کے دروازے پر دستک دے تو آپ اسے گلے لگانے کو تیار کھڑے ہوں۔

پہلا حصہ

شعور کی کوانٹمی جست

A Quantum Leap in Consciousness

شعور کی کوانٹمی جست

A Quantum Leap in Consciousness

انسان ایک ایسے انوکھے مقام پر آ رہا ہے جہاں سے ایک کوانٹمی جست (Quantum Leap) ممکن ہو سکے گی۔ صدیوں سے انسانی شعور میں کوئی تبدیلی تو نہیں ہوئی ہے البتہ اِکا دُکا افراد میں ارتقاء ضرور ہوا ہے جیسے بدھا، عیسیٰ، کرشن، زرتشت وغیرہ۔ لیکن یہ مستثنیات ہیں کوئی اصول نہیں۔ کسی کسی انسان نے کوانٹمی جست لگائی تو ہے مگر تب جب اس نے انسانیت کی حدود کو پار کیا ہے۔ ان افراد کا کردار یہ ہے کہ انہوں نے آخر کار راستہ ہموار کر دیا ہے۔ یہ دُشوار کام آہستہ آہستہ تکمیل کی طرف بڑھتا رہا ہے۔ اس راستہ کے بہت سے راہی ایک ایسی بڑی تبدیلی کے امکان کی کوشش کرتے رہے ہیں جو کچھ افراد کیلئے نہیں بلکہ پوری انسانیت کیلئے ہو تاکہ پوری انسانیت کوانٹمی جست لگا سکے۔

ایسا وقت قریب تر آتا جا رہا ہے، خاص طور پر مغرب میں کیونکہ پہلی مرتبہ کوئی معاشرہ اس سطح پر آ گیا ہے کہ اب ایسا عملاً ممکن ہو سکے۔ اس کے برعکس مشرق میں لوگ اتنے فاقہ زدہ ہیں کہ وہ شعور کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتے۔ یہاں اتنی غربت ہے کہ آگہی کی بات ایک اضافہ اور ایک عیاشی محسوس ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ کچھ دولت مند اس موضوع پر بات کر لیں اور مل بیٹھیں لیکن عوام یہ لفظ ہی سمجھنے سے قاصر ہے۔ اس کا اُن کی ذات سے کوئی تعلق نہیں۔

اس کوانٹمی جست کیلئے جس خوشحالی کی ضرورت ہے وہ امریکہ میں اور مغرب کے بعض ممالک میں ممکن ہو چکا ہے۔ جس سے وہ معاشرہ ایک ایسے مقام پر پہنچ چکا ہے جہاں غربت کی حکمرانی نہیں ہے۔ وہاں لوگ اعلیٰ خیالات افورڈ کر سکتے ہیں۔ ان لوگوں کی نظریں اب ستاروں تک پہنچ سکتی ہیں اور آنکھیں بند کر کے اپنے باطن میں جھانک سکتے ہیں۔ لہٰذا وہاں یہ امکان موجود ہے مگر اس کے ساتھ ہی ایک مایوسی بھی موجود ہے۔

اب تک معاشرے کا ارتقاء صرف مادی لحاظ سے ہوا ہے۔ جتنی زیادہ مادی ترقی ہوئی اسی قدر روحانی کھوکھلا پن سامنے آیا۔ ایک طرف تو ظاہری امارت اور دوسری طرف باطنی مفلسی۔ یہ نہایت تکلیف دہ ہے۔ اگر آپ داخلی اور خارجی دونوں اعتبار سے مفلس ہیں تو یہ بات تکلیف نہیں پہنچاتی کیونکہ ایسے میں کوئی تضاد موجود نہیں ہوتا اور آپ مقابلہ نہیں کر سکتے۔

لیکن جب کوئی خارجی طور پر امیر ہو جائے تو پھر یہ خیال ابھرتا ہے "میں اندر سے بھی امیر کیوں نہیں بن سکتا؟" اگر معاشرہ مادی لحاظ سے یہ مقام حاصل کر سکتا ہے تو شعور یہ مقام کیوں حاصل نہیں کر سکتا؟ اسی چیز پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

ایک نیا دروازہ کھلنے کو ہے' ابھی یہ پوری طرح تو واضح نہیں ہے کہ انسان اس موقع سے فائدہ اٹھائے گا بھی کہ نہیں۔ وہ اسے ضائع بھی کر سکتا ہے لیکن یہ واحد موقع اور امکان ہے۔ آج سے پہلے اتنا بڑا امکان پہلے کبھی نہیں اُبھرا۔

آنے والے دنوں میں اس کی رفتار میں تیزی سے اضافہ ہوگا۔ بہت سے لوگ بوکھلا جائیں گے' کوئی بھی سکون سے نہیں رہ سکے گا کیونکہ روحانی خواہشیں بیدار ہو جائیں گی وہ آگ کی طرح ہوں گی جو لوگوں کو جلا ڈالیں گی۔

بہت سے لوگ بھٹک جائیں گے' صحیح راستے کی تلاش میں وہ غلط راستوں پر چل نکلیں گے اور غلط لوگوں کی پیروی کریں گے۔ مگر یہ فطری بات ہے کیونکہ جب لوگ دریافت شروع کرتے ہیں تو ہر سمت میں نکلتے ہیں۔ وہ میڈیٹیشن (meditation) میں بھی دریافتیں کریں گے اور نشے (drugs) میں بھی کیونکہ یہ پتہ نہیں ہوتا کہ دروازہ کدھر کو کُھلے۔

وہ ہر امکان کا کھوج لگائیں گے' وہ ہر طرح کے گرُو تلاش کریں گے اور انہی کے درمیان جعلی گرُو بھی ہوں گے۔ ایسا ہونا فطری بات ہے اور اس سے کوئی مفر نہیں حتیٰ کہ یہ جعلی گرُو بھی بڑے اہم ہیں کیونکہ جلد یا بدیر آپ ان سے اُکتا جائیں گے اور حقیقت کی تلاش شروع کر دیں گے۔

کوانٹمی جست کی دریافت فزکس میں جدید ترین دریافت ہے۔ اب تک ارتقاء کو ایک سست رو عمل سمجھا جاتا رہا ہے۔ اس لیے اسے انقلاب کی ضد بھی تصور کیا جاتا تھا کہ انقلاب تیز ہوتا ہے جبکہ ارتقاء سست۔

لیکن کوانٹمی جست کیلئے 'تیز' کا لفظ بھی مناسب نہیں یہ تو آن کی آن میں تبدیلی کا نام ہے۔ ایک نقطہ یا ایک سطح سے آپ غائب ہوتے ہیں اور دوسرے نقطہ یا دوسری سطح سے ظاہر ہوتے ہیں۔

یہ چیز شروع میں بہت پریشان کُن تھی لیکن پھر فزکس نے یہ ثابت کر دیا کہ ایسا ممکن ہے۔ الیکٹرون ایک پوائنٹ سے غائب ہو کر دوسرے پوائنٹ پر ظاہر ہوتے ہیں۔ یوں فاصلہ تو طے ہوتا ہے مگر فاصلہ طے ہونے میں وقت نہیں صرف ہوتا۔

طبیعات نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ مابعد الطبیعات کے حوالے سے جہاں تک انسانی آگہی کا تعلق ہے' یہ عمل تیز تر ہے۔ جب مادہ ایسی بڑی جست لگا سکتا ہے کہ اس کی پرواز تخیل سے بھی بڑھ کر ہو تو شعور میں تو اور بہت سے معجزوں کا امکان ہے۔ ایسا محسوس ہوتا کہ ساری حیات گوتم بدھا کے مقام تک پہنچنے کی کوشش کرتی چلی آ رہی ہے۔

گوتم بدھا نے آہستہ رو ارتقاء کا راستہ اپنایا کیونکہ ان دنوں یہی ایک امکان تھا۔ 2500 صدیوں کے بعد آج یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ کوانٹمی جست صرف طبیعات میں ہی نہیں بلکہ شعور کے میدان میں بھی ممکن ہے۔ جہاں تک شعور کا تعلق ہے اس میں وقت کو

اہمیت نہیں ہے کیونکہ شعور غیر مادی ہے۔

گہری نیند سے ایک دم بیدار ہوا جا سکتا ہے۔ آپ خود بخود آہستہ آہستہ نہیں جاگتے بلکہ ایک ٹائم پیس کے الارم جیسی چیز آپ کو ایک دم جگا سکتی ہے۔ کلاک کا الارم آپ کو نہیں جانتا لیکن یہ آپ کو حالت نیند سے حالت بیداری میں لانے کیلئے کافی ہے۔ ایسا ہی عمل روحانی نیند کیلئے بھی ممکن ہے۔ مسئلہ صرف کسی آلہ کی دریافت کا ہے۔ لیکن یہ معاملہ اتنا سادہ نہیں ہے کیونکہ ایک الارم تو سب کیلئے مناسب ہے لیکن ایک ایسا روحانی آلہ جو سب کے لئے ہو ممکن نہیں۔ دنیا کا ہر فرد انوکھا ہے اور ایک ہی آلہ سب کیلئے مناسب نہیں کیونکہ انسان کی تخلیق کیلئے قدرت نے کاربن پیپر استعمال نہیں کیا ہر فرد اوریجنل (Original) ہے۔ اس لیے اسے ایک اوریجنل آلہ کی ہی ضرورت ہے۔

ماضی میں میڈیٹیشن کے 112 طریقے دریافت کئے گئے ہیں۔ یہی طریقے آج بھی مناسب ہیں ان سب میں بنیادی بات گو ایک ہی ہے مگر ان طریقوں میں تھوڑا بہت فرق ہے اور وہ اس لیے کہ افراد ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان 112 طریقوں کی کنجی ایک ہی ہے یعنی مشاہدہ۔

طبیعات نے ہمیں کوانٹم جست کا لفظ دیا مگر کسی روحانی فلسفی نے روح کی ترقی کیلئے اس کے ہم پلہ لفظ نہیں دیا۔ درحقیقت میڈیٹیشن ہی ایک ایسی چیز ہے جو آپ کے اندر ایک دم سے آگ لگا سکتی ہے بلکہ اس سے ایک ردِعمل کی ابتداء ہو سکتی ہے اور اسی طرح دیگر لوگ آگ کی لپیٹ میں آ سکتے ہیں حالانکہ انہوں نے میڈیٹیشن کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں ہوتا۔ انہیں روحانی واردات کا علم بھی نہیں ہوتا۔ یہ آگ چھوت کے مرض کی طرح ہے۔ اس لیے جب دنیا میں کچھ لوگ کوانٹم جست لگاتے ہیں تو ہزاروں دوسرے اس پھیلتی ہوئی آگ کا حصہ بن جاتے ہیں اور یہی ایک طریقہ ہے کہ اس لاکھوں سال کے ارتقاء کو بچایا جائے جو ہم تک پہنچا ہے۔

ماضی سے نجات پایئے

Letting Go of the Past

اب تک انسان نے صرف تاریخ یا ماضی کی بات کی ہے ہمیں مستقبل کی زبان سیکھنی ہے۔

آپ کیلئے ضروری نہیں کہ پوری دنیا کو بدلیں بلکہ صرف اپنے آپ کو بدل لیں۔ اگر آپ ایسا کر لیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے پوری دنیا کو بدلنا شروع کر دیا کیونکہ آپ بھی اس دنیا کا حصہ ہیں۔ اگر صرف ایک انسان بھی تبدیل ہوتا ہے تو اس کی تبدیلی ہزاروں دیگر افراد کو متاثر کرے گی۔ وہ اس انقلاب کا نقیب بن جاتا ہے جو ایک نئے انسان کو جنم دے سکتا ہے۔

ہر چیز کے متعلق انسان کی سوچ پر کئی تہیں جمی ہوئیں ہیں اور وہ تصور کرتا ہے کہ یہ اس کے اپنے خیالات ہیں۔ ایک متلاشی کی حیثیت سے آپ کو اس میں فرق کرنا ہوگا کہ کون سی چیز آپ کی اپنی ہے اور کون سی آپ کو دی گئی ہے۔ جس لمحے آپ یہ جان لیتے ہیں کہ آپ کے پاس اپنا تو کچھ بھی نہیں، آپ تو محض ایک خاموش جھیل ہیں تو اس خاموش جھیل سے بدھا نمودار ہوتا ہے۔

کوئی شخص بھی آپ کو آگہی حاصل کرنے سے نہیں روک سکتا۔ آپ کے استاد اور والدین بے خبر تھے انہیں کچھ معلوم نہیں تھا۔ وہ بھی اپنے والدین، اساتذہ، پنڈت، پادری، شنکراچاریہ کا شکار ہوئے تھے اور انہوں نے اپنی ساری پریشانی اور دُکھ آپ کو ورثے میں دے دیئے۔ اب آپ کو یہ سارا بوجھ اپنے سر سے اُتارنا ہے۔ بدھا آپ کی اصل فطرت ہے، ہر اس چیز کو اپنی ذات سے علیحدہ کر دیجئے جو آپ سے نہیں پھوٹ رہی، جس کا سرچشمہ

آپکی ذات میں نہیں ہے۔

شروع شروع میں آپ اپنے آپ کو اپاہج محسوس کریں گے۔ جب آپ کا تمام علم لوٹ جائے گا' آپ کے توہمات رخصت ہو جائیں گے' آپ دھرم کو چھوڑ دیں گے' آپ سیاسی نظریات کو خیر باد کہہ دیں گے تو آپ اپنے آپ کو مفلس اور قلاش محسوس کریں گے۔ لیکن افلاس بہت اہم چیز ہے کیونکہ صرف افلاس میں ہی آپ کی فطری امارت سامنے آتی ہے اور آپ کا فطری حُسن واضح ہوتا ہے۔

ہر شخص ایک علیحدہ فرد کے طور پر پیدا ہوتا ہے لیکن جب تک وہ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ زندگی کی دوڑ میں شامل ہو سکے تو وہ محض ہجوم کا حصہ بن چکا ہوتا ہے۔ اگر آپ تنہا بیٹھیں اور اپنے دماغ کی سنیں تو آپ کو بہت سی آوازیں سنائی دیں گی۔ آپ حیران رہ جائیں گے۔ آپ ان آوازوں کو صاف پہچان لیں گے۔ کچھ آوازیں آپ کے دادا کی ہیں کچھ دادی کی' کچھ آپ کے ماں اور باپ کی' کچھ آپ کے پادری کی' کچھ آپ کے استاد کی' کچھ ہمسائے کی' کچھ دوست کی اور کچھ دشمن کی۔ ان تمام آوازوں کا آپ کے اندر ایک شور ہے اور اگر آپ اپنی آواز کو سننا چاہتے ہیں تو یہ ممکن نہیں کیونکہ اتنی آوازوں میں آپ کی آواز دب کر رہ گئی ہے۔

درحقیقت عرصہ ہوا آپ اپنی آواز بھول چکے ہیں آپ کو کبھی اتنی آزادی نہیں ملی کہ اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔ آپ کو ہمیشہ فرمانبرداری ہی سکھائی گئی آپ کو یہی سکھایا گیا کہ جو بات بڑے کہیں اس پر ہاں کہو' آپ کو سکھایا گیا کہ اپنے پادری اور استاد کی پیروی کرو۔ کسی نے آپ کو کبھی نہیں بتایا کہ اپنی آواز تلاش کرو! ''کیا تم نے اپنی آواز بھی سُنی ہے یا نہیں؟''

آپ کی آواز ہمیشہ دبی رہی اور دوسری آوازیں بہت بلند تھیں' تحکمانہ تھیں کیونکہ وہ احکامات تھے اور آپ ان کو مانتے رہے۔ آپ انہیں نہیں ماننا چاہتے تھے مگر مانتے رہے کیونکہ آپ عزت کروانا چاہتے تھے' قابلِ قبول بننا چاہتے تھے' محبت کروانا چاہتے تھے۔

آپ کے اندر صرف اپنی آواز کی کمی ہے۔ ایک فرد کی کمی ہے جو آپ خود ہیں۔ آپ کے سوا باقی سب موجود ہیں۔

اور یہ مجمع آپ کو بالکل پاگل کیے دے رہا ہے' آپ کو باہر نکال رہا ہے کیونکہ ایک آواز کہتی ہے ''یہ کرو'' دوسری آواز کہتی ہے ''ایسا ہرگز نہ کرنا' اس آواز کو نہ سُنو'' اور آپ الجھن کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اس پورے مجمع سے پیچھا چھڑانا ہے۔ سب کو یہ بتانا ہے کہ ''اب مہربانی کر کے مجھے اکیلا چھوڑ دیں''۔ وہ لوگ جو پہاڑوں پر گئے ہیں' جنھوں نے رہبانیت اختیار کی ہے' جنھوں نے جنگلوں میں بسیرے ڈالے ہیں اصل میں معاشرے سے دُور نہیں جاتے۔ وہ ایسی جگہ کی تلاش میں ہوتے ہیں جہاں وہ اپنے اندر کی اس بھیڑ کو باہر نکال سکیں۔ اور جن لوگوں نے آپ کے اندر ناجائز تجاوزات کی ہوئی ہیں وہ آسانی سے جگہ نہیں چھوڑیں گے۔

اگر آپ اس کشمکش سے نجات پانا چاہتے ہیں' اگر آپ اصلی فرد بننا چاہتے ہیں تو آپ کو ان سب کو خدا حافظ کہنا پڑے گا۔ خواہ ان کا تعلق آپ کے والدین سے ہو یا دادا سے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ ایک بات تو یقینی ہے کہ یہ آپ کی آوازیں نہیں ہیں۔ یہ اُن کی آوازیں ہیں جو اپنا دور گزار چکے ہیں اور انہیں مستقبل کی خبر نہیں تھی۔ انہوں نے فقط اپنے بچوں پر اپنے تجربات مسلط کر دیئے۔ ان کے تجربات اَن دیکھے مستقبل سے مطابقت نہیں رکھتے۔

وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو علم دے رہے ہیں' انہیں عقلمند بنا رہے ہیں تا کہ ان کی زندگی میں آسانیاں ہوں۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ بالکل اُلٹ کام کر رہے ہیں۔ دنیا کو اس اچھی نیت والے لوگوں نے' ان مخلص لوگوں نے بہت نقصان پہنچایا ہے۔ انہوں نے بچے کی بے ساختگی کو' اس کے شعور کو' اس کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی صلاحیت کو تباہ کر دیا ہے۔

اسے نئے طوفانوں کا سامنا ہے' نئی صورتحال سے نمٹنا ہے اس لیے اسے بالکل نئے شعور کی ضرورت ہے۔

لہٰذا خاموش ہو جائیں اور اپنی ذات کو دریافت کریں۔ جب تک آپ اپنی ذات کو تلاش نہیں کرتے یہ بھیڑ نہیں چھٹے گی۔ کیونکہ اس بھیڑ میں موجود تمام یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ 'میں ہی تمہاری ذات ہوں' اور آپ کے پاس ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

اس بھیڑ سے کوئی لڑائی پیدا نہ کریں۔ اُنہیں آپس میں لڑنے دیں' انہیں آپس میں لڑنے میں کافی مہارت ہے۔ اس دوران آپ اپنے آپ کو تلاش کرنے کی کوشش

کریں۔ اور جب ایک دفعہ آپ کو اپنے بارے میں پتہ چل جائے گا تو آپ انہیں اپنے گھر سے نکلنے کا حکم دے سکتے ہیں۔

جب آپ خود وہاں موجود ہوں گے یعنی مالک خود موجود ہو گا تو دوسرے تمام لوگ نکلنا شروع کر دیں گے۔ آدمی جب ماضی کے بوجھ سے نجات حاصل کرے گا' جب اوریجنل ہو جائے گا تو شیر کی طرح طاقتور ہو گا اور بچے کی طرح معصوم۔ وہ ستاروں تک پہنچ جائے گا بلکہ ستاروں سے اگلے جہانوں تک بھی اسکی رسائی ہو گی۔

زندگی میں سب سے مشکل کام ماضی سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔ کیونکہ ماضی سے دستبردار ہونے کا مطلب ہے کہ اپنی پوری شناخت' اپنے سارے حوالوں اور شخصیت کو چھوڑ دیا جائے۔ یہ اپنے آپ کو چھوڑ دینے کے مترادف ہے۔

یہ (عمل) کپڑے تبدیل کرنے کی طرح نہیں ہے بلکہ یہ ایسا ہے جیسے جلد کو چاقو سے چھیلا جا رہا ہو۔ آپ اپنے آپ کو ماضی ہی کے حوالے سے جانتے ہیں۔ ماضی سے نجات حاصل کرنا سب سے مشکل کام ہے لیکن صرف وہی حقیقی زندگی بسر کرتے ہیں جو اس بوجھ کو اتار پھینکتے ہیں۔ باقی دوسرے تو جینے کا محض دکھاوا کرتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح زندگی کے ساتھ گھسٹتے رہتے ہیں۔ وہ توانائی سے محروم ہوتے ہیں۔ انہوں نے زندگی کی کامل تصویر کو نہیں دیکھا ہوتا۔

جب کوئی اپنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ رہتا ہے تو نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔

جب آپ اپنی ذات کا بہترین اظہار کریں گے' سچ کا اظہار کریں گے تو آپ خدا کی موجودگی محسوس کرنا شروع کریں گے۔ جب آپ اپنے اندر جھانکیں گے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ ہندو ہیں' عیسائی ہیں' کمیونسٹ ہیں' ہندوستانی ہیں' جاپانی ہیں' آپ کو بہت سی باتوں کا پتہ چلے گا لیکن یہ تمام چیزیں وہ ہیں جن کو آپ کے اوپر مسلّط کر دیا گیا ہے۔ جب آپ دنیا میں آئے تو خاموش تھے' خالص تھے' معصوم تھے۔ غور و فکر کا مطلب آپ کی ذات کے اسی گہرے حصہ تک رسائی حاصل کرنا ہے۔ زین (Zen) لوگ اسے ''حقیقی چہرے'' کو جاننا کہتے ہیں۔

آپ کو اپنے باطن کا مشاہدہ کرنا ہو گا کہ آپ ماضی کے ساتھ کس قسم کا تعلق رکھے

ہوئے ہیں۔ اور یہ کہ آپ ایسا تعلق کیوں رکھے ہوئے ہیں۔ کیا یہ محض ایک عادت ہے؟ کیونکہ بچپن ہی سے آپ کو مخصوص تصورات' خیالات مسالک کے بارے میں پڑھایا اور سمجھایا جاتا رہا ہے۔ آپکو دیکھنا ہو گا کہ آپ ماضی سے کچھ غذا حاصل کرتے رہے ہیں یا اس کے برعکس یہ آپ کا خون چوستا رہا ہے؟

آپ کو اپنے اندر کی ہر اس چیز کو جو آپ نے ماضی سے لی ہے خواہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی یا سماجی کھنگالنا ہے۔ ہر اس شے کو نکال باہر کریں جو معاشرے نے آپ کو بذریعہ تعلیم یا کسی بھی ذریعہ سے دی ہے۔ آپ کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ آپ ابھی تک ان سے چمٹے ہوئے ہیں اور میرا تجربہ ہے کہ ان سے کسی کو بھی نفع نہیں مل رہا اس لیے ان کو ساتھ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

تقریباً ہر شخص کو ہی فرسودہ اور مردہ ماضی نے نگل رکھا ہے یہ آپ کو اجازت نہیں دیتا کہ آپ نئے بنیں' جوان بنیں اور حال سے ہم آہنگ ہوں' یہ آپ کو پیچھے کھینچتا ہے۔ یہ کبھی بھی آپ کے ساتھ دوستانہ نہیں رہا۔ آپ نے کبھی غور سے دیکھا ہی نہیں کہ آپ اپنے ساتھ دشمنوں کو لیے پھر رہے ہیں۔ طفیلی آپ کے اندر چمٹے ہوئے ہیں اور آپ صرف اپنی عادت سے مجبور ہو کر ان کے ساتھ ہیں۔ جہاں تک بھی آپ ذہن دوڑائیں یہ آپ کو موجود ملیں گے۔ جہاں تک آپ یاد کر سکتے ہیں آپ کو اپنے اندر ایک عیسائی' یا ہندو یا مسلمان ملے گا۔

سو آپ کو ٹھیک طریقہ سے دیکھنا ہے کہ روایات اور سابقہ طرزِ زندگی نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ ایک مرتبہ واضح ہونے کے بعد ہر بات آپ کے لیے آسان ہو جائے گی۔ اگر آپ یہ محسوس کریں کہ آپ طفیلیوں کو محض عادتاً ساتھ لیے پھرتے ہیں' آپ ان دشمنوں کو پال رہے ہیں جو آپ کی زندگی کو' آپ کی جوانی کو' آپ کے نئے پن کو تباہ کر رہے ہیں تو یقیناً آپ ان سے نہ چمٹتے' انہیں چھوڑ دیتے۔

جس لمحے آپ جان لیں کہ آپ اپنے اندر زہر لیے ہوئے ہیں' کچھ تباہ کن اُٹھائے ہوئے ہیں' تو اس وقت ماضی سے نجات حاصل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور ماضی سے رشتہ توڑنے کے بعد آپ دیکھیں گے کہ آپ میں نشوونما پانے کا کتنا سامان موجود ہے۔

اچانک آپ تازگی اور جوانی محسوس کریں گے۔ طفیلیوں کے بغیر اور غیر ضروری بوجھ کے بغیر' جو کاٹھ کباڑ کے سوا کچھ نہ تھا' آپ ہلکا پھلکا محسوس کریں گے۔ لیکن آپ انہیں اُٹھائے ہوئے تھے کیونکہ آپ کے والدین' آباؤ اجداد اور ہر شخص انہیں اُٹھائے ہوئے تھا۔

معاملہ صرف اتنا ہے کہ دیکھا جائے کہ ماضی آپ کے ساتھ کیا کرتا رہا ہے۔ کیا یہ دوست ہے یا دشمن؟ اور یہ کام صرف بصیرت ہی کر سکتی ہے۔ اپنے ماضی سے مکمل طور پر نجات حاصل کرنا ایک بنیادی نوعیت کا کام ہے۔

پھر آپ ہلکا پھلکا محسوس کریں گے۔ آپ نئی تازگی محسوس کریں گے اور ایک نیا خون آپ کی رگوں میں گردش کرے گا۔ پھر آپ کی روح کو نئی جلا ملے گی۔ اب کیونکہ آپ کا اپنے ماضی سے تعلق نہیں ہے تو اس سے وابستہ یادیں بھی نہیں ہیں۔ اگر آپ انہیں یاد کرنا چاہیں تو کر لیں لیکن اب وہ آپ کے اعصاب پر سوار نہیں ہو سکتیں۔

اب آپ کا کوئی ماضی نہیں ہے۔ صرف حال ہے اور آپ کے سامنے پھیلا ہوا مستقبل ہے۔ یقیناً آپ مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتے' جو آپ کرنا چاہتے ہیں حال میں کر سکتے ہیں۔ اس طرح یہ عمل جاری رہتا ہے کیونکہ مستقبل حال بن جاتا ہے۔ آپ کی بڑھوتری' آپ کا کردار' آپ کی ذہانت' آپکی تخلیقیت نشوونما پاتی رہتی ہے۔

بڑھوتری کے عمل میں بہت لذّت ہے۔ کسی ایک مقام پر اٹک جانا سب سے خوفناک احساس ہے۔

جب بھی آپ کو کسی چیز یا صورتحال کا سامنا ہو تو متذبذب نہ ہوں بلکہ فیصلہ کر لیں' بصیرت کے مطابق فیصلہ۔ زندگی بہت سادہ ہے اور انتہائی خوبصورت بھی۔ ہمیں صرف یہ جاننا ہے کہ' ہمیں کیا چھوڑنا ہے؟ کیا غیر ضروری ہے؟ کیا کرنا ضروری ہے؟ کرنا وہی ہے جسے آپ ضروری محسوس کرتے ہیں نہ کہ وہ جو بدھا کہتا ہے' عیسیٰ کہتا ہے یا کوئی بھی کچھ کہتا ہے۔

آپ جو بہتر سمجھتے ہیں وہی کریں۔ ساری ذمہ داری اپنے اوپر لیں۔ آپکا رابطہ ماضی سے منقطع ہو جائے گا اور آپ نئے انسان بن جائیں گے۔ ہر شخص میں نیا آدمی بننے کی صلاحیت ہے۔ صرف اپنی بصیرت کے مطابق عمل کی ضرورت ہے۔ یقیناً اس کیلئے بڑے حوصلے کی ضرورت ہے۔

عقیدے سے ماورا......
ذاتی تجربے پر یقین رکھنا

Beyond Belief.......Trusting Your Own Experience

میرا سچ آپ کا سچ نہیں بن سکتا۔ اگر میرا سچ آپ کا بن سکتا ہوتا تو کوئی مسئلہ نہ ہوتا۔ یہی فرق ہے ایک سائنسی سچ میں اور دھرم کے سچ میں۔ ایک سائنسی سچائی کو ادھار لیا جا سکتا ہے۔ ایک مرتبہ سائنسی سچ کا پتہ چل جائے تو وہ سب کی میراث بن جاتا ہے۔ آئن سٹائن نے نظریۂ اضافیت دریافت کیا۔ اب ہر شخص کیلئے ضروری نہیں ہے کہ اسے بار بار دریافت کرتا پھرے۔ یہ احمقانہ بات ہوگی۔ اب یہ نظریہ سب کا ہے۔ ایک مرتبہ دریافت اور ثابت ہونے کے بعد اسے سکول کا بچہ بھی سمجھ سکتا ہے۔ اب کسی نابغہ کی ضرورت نہیں۔ بلاشبہ آئن سٹائن کو برسوں محنت کرنا پڑی ہوگی تب جا کے اس نے اتنی بڑی دریافت کی۔ آپ کو کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ سمجھنے کیلئے تیار ہیں تو چند گھنٹوں میں یہ نظریہ سمجھ سکتے ہیں۔

لیکن یہ بات دھرم کے سچ پر لاگو نہیں ہوتی۔ بدھا نے دریافت کیا' عیسیٰ نے دریافت کیا' نانک نے دریافت کیا' کبیر نے دریافت کیا۔ ان کی دریافت آپ کی دریافت نہیں بن سکتی۔ آپ کو دوبارہ دریافت کرنا پڑے گا۔ لیکن یہی وہ غلطی ہے جو انسانیت کرتی رہی ہے کہ دھرم کے سچ کو سائنسی سچ سمجھتی رہی۔ یہ کبھی بھی لوگوں کی میراث نہیں بن سکتا۔ ہر شخص کو اکیلے ہی اس کی طرف آنا ہوگا۔ یہ کبھی بازار میں مہیا نہیں ہوتا۔

عقیدہ (Belief) ایک نظری (theoritical) چیز ہے جبکہ بھروسے کا تعلق وجود سے ہے۔

آپ اپنے لگے بندھے تصورات کو آسانی سے تبدیل کر سکتے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہیں جیسا کپڑے تبدیل کرنا۔ ایک ہندو سے آپ عیسائی بن سکتے ہیں' عیسائی سے مسلمان۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے کیونکہ تصورات کا تعلق ذہن سے ہے۔ اگر کوئی چیز منطقی ہے' قائل کرنے والی ہے تو آپ اسے بدل سکتے ہیں' اپنا سکتے ہیں کیونکہ اس کی جڑیں آپ کے دل تک نہیں ہیں۔

ماضی کے تصورات پلاسٹک کے پھولوں کی مانند ہیں جو دُور سے پھول محسوس ہوتے ہیں ان کی جڑیں نہیں ہیں۔ انہیں توجہ' کھاد اور پانی کی ضرورت نہیں ہے۔ اور وہ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ کبھی پیدا نہیں ہوئے اس لیے کبھی مریں گے بھی نہیں۔ انہیں تیار کیا گیا ہے جب تک آپ خود انہیں ضائع نہیں کریں گے وہ ختم نہیں ہوں گے۔

اعتماد (بھروسہ) اصلی پھول ہے۔ اس کی جڑیں ہیں اور یہ جڑیں آپ کے دل تک گہری جاتی ہیں۔ آپ کی ذات کے اندر جاتی ہیں۔ عقیدہ صرف دماغ میں ہوتا ہے اعتماد کو بدلنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ پوری تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ اگر آپ اعتماد کرتے ہیں تو بس کرتے ہیں۔ تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ اعتماد بڑھتا رہتا ہے کیونکہ اس کی جڑیں ہیں۔

اعتماد اس وقت ممکن ہے جب آپ پہلے خود اپنے آپ پر اعتماد یا بھروسہ کریں۔ سب سے پہلے خود آپ میں بنیادی تبدیلی آنی چاہیئے اگر آپ اپنے اوپر بھروسہ کرتے ہیں تو آپ حیات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ لیکن اگر آپ اپنے اوپر اعتماد نہیں کرتے تو کسی دوسرے کے اعتماد کا کوئی امکان نہیں۔

سماج اعتماد کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔ یہ آپ کو اجازت نہیں دیتا کہ آپ اپنے اوپر اعتماد کریں۔ البتہ یہ دیگر اقسام کے بھروسے سکھاتا ہے۔...... والدین پر بھروسہ' چرچ پر بھروسہ' ریاست پر بھروسہ اور یہ ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ لیکن اپنی ذات پر بھروسہ

مکمل طور پر تباہ ہو چکا ہے۔ دوسرے تمام بھروسے جعلی ہیں۔ پلاسٹک کے پھول ہیں۔

معاشرہ ایسا جان بوجھ کر کرتا ہے۔ کیونکہ جو شخص اپنے اوپر بھروسہ کرتا ہے وہ معاشرہ کے لئے خطرناک ہے۔ معاشرہ غلامی پر تکیہ کیے ہوئے ہے۔ اس نے غلامی پر بہت سرمایہ کاری کی ہوتی ہے۔

جو شخص اپنے آپ پر بھروسہ کرتا ہے وہ خود مختار شخص ہے۔ آپ اس کے متعلق پیشین گوئیاں نہیں کر سکتے کیونکہ وہ اپنی مرضی سے چلے گا۔ آزادی اس کی زندگی ہوگی۔ وہ اس وقت بھروسہ کرے گا جب وہ محسوس کرے گا' جب وہ محبت کرے گا اور پھر اُس کے بھروسہ میں شدت آ جائے گی۔ بھروسہ خالص اور مستند ہوگا اور یوں وہ تیار ہو جائے گا کہ اپنے بھروسہ کے لئے سب کچھ داؤ پر لگا دے۔ ایسا اس وقت ہی ممکن ہوتا ہے جب وہ اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے' جب اس کا یہ بھروسہ سچا ہوتا ہے' جب یہ دل کی تان چھیڑتا ہے اور جب یہ ذہانت اور محبت کو گدگداتا ہے۔ بصورت دیگر نہیں۔

یہ معاشرہ پرانے تصورات کے سہارے کھڑا ہے۔ اسکا پورا ڈھانچہ اس پر مبنی ہے کہ روبوٹ اور مشینیں تیار کیے جائیں نہ کہ جیتے جاگتے انسان۔ اسے دست نگر انسانوں کی ضرورت ہے تا کہ انہیں مستقل اپنا استحصال کروانے کی ضرورت رہے' تا کہ وہ خود اپنے لیے جابر تلاش کرتے رہیں۔ خود اپنے ہٹلر' مسولینی' سٹالن اور ماؤ تلاش کرتے رہیں۔

اس خوبصورت زمین کو ہم نے ایک بڑی جیل میں تبدیل کر دیا ہے۔ چند طاقت کے متوالوں نے ساری انسانیت کو ایک بے ہنگم ہجوم میں تبدیل کر دیا ہے۔ انسان کو جینے کی اجازت دی جاتی ہے مگر اسی وقت جب وہ ہر قسم کی لغویات سے سمجھوتہ کر لے۔

ایک بچے کو خدا پر یقین کے بارے میں بتانا ایک غیر معقول بات ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کا انکار کیا جائے بلکہ یہ کہ بچے میں ابھی اصلی تڑپ اور خواہش پیدا نہیں ہوئی۔ وہ ابھی زندگی کی بنیادی سچائی کے مسئلے سے دوچار ہی نہیں ہوا۔ ابھی اس کا ذہن اتنا پختہ نہیں ہوا کہ خدا کی حقیقت کے بارے میں سوچے۔ یہ محبت کا تعلق کسی دن قائم ہونا ہے۔ لیکن یہ ایسی صورت میں ہو سکتا ہے اگر اس پر کوئی عقیدہ مسلط نہیں کیا جاتا۔ اگر دریافت

کرنے کی خواہش پیدا ہونے سے پہلے ہی اس پر عقیدہ مسلّط کر دیا جاتا ہے تو اس کی پوری زندگی مصنوعی گزرے گی۔ وہ جعلی طریقے سے زندگی بسر کرے گا۔

ہاں! وہ خدا کے متعلق ضروریات کرے گا کیونکہ اسے خدا کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اسے تحکمانہ انداز میں بتایا گیا ہے اور ان لوگوں نے بتایا ہے جو بہت طاقتور تھے جیسے والدین، پادری، استاد۔ اسے لوگوں نے بتایا اور اس نے قبول کر لیا کیونکہ یہ اسکی بقاء کا سوال تھا۔ وہ ان لوگوں کو انکار نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ ان کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ لیکن اس کا اقرار ایک مجبور کا اقرار تھا

یہ اقرار کیسے سچا ہو سکتا ہے۔ یہ صرف سیاسی حربہ ہوتا ہے۔ آپ نے اسے ایک مذہبی شخص میں تبدیل نہیں کیا۔ دراصل آپ نے اسے ایک سیاستدان بنا دیا۔ آپ نے اس کے جوہر کو ایک مستند شیئَ بننے سے روک دیا آپ نے اسے زہر آلود کر دیا۔ آپ نے اس کے فہم کے تمام امکانات ختم کر دیئے۔ کیونکہ فہم اس وقت پیدا ہوتا ہے جب جاننے کی تڑپ پیدا ہوتی ہے۔

اب جاننے کی خواہش پیدا نہیں ہوگی کیونکہ جب سوال نے اس کی روح کا گھیراؤ کرنا ہے تو وہاں جواب پہلے ہی موجود ہے۔ اس کی بھوک سے پہلے ہی غذا اس کے اندر ٹھونسی جا چکی ہے۔ اب بغیر بھوک کے زبردستی ٹھونسی گئی خوراک ہضم نہیں ہو سکتی۔

بچوں کے ساتھ بہت صابر اور محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔ انہیں کوئی ایسی بات نہ کہیں جو اُن کے فہم و فراست کا راستہ اور ترقی روک لے۔ انہیں عیسائی، ہندو میں تبدیل نہ کریں۔ اس کیلئے بہت صبر کی ضرورت ہے۔

ایک دن یہ معجزہ ہوتا ہے کہ بچہ خود تحقیق شروع کر دیتا ہے۔ اسے ابھی سے تیار شدہ جواب نہ دیں۔ تیار شدہ جوابات کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ کسی کی مدد نہیں کرتے یہ انتہائی احمقانہ ہوتے ہیں۔ بچے کو ذہین بنائیں۔ جوابات دینے کی بجائے اسے کچھ چیلنج دیں۔ کوئی صورت حال دیں جس سے وہ نمٹ سکے تاکہ اس کی ذہانت مزید نکھر سکے اور وہ مزید گہرائی سے سوال کرے۔

لیکن اس کی اجازت نہیں دی جاتی۔ والدین بہت خوفزدہ ہیں۔ سماج بہت خوفزدہ ہے۔ اگر بچوں کو آزاد رہنے دیا جائے تو مستقبل غیر یقینی ہو جاتا ہے۔ بچے کبھی والدین کے محدود دائرے میں نہیں آئیں گے، وہ کبھی چرچ نہیں جائیں گے۔ جب ان کے پاس ان کی اپنی فراست آ جائے گی وہ آپ کے قابو میں نہیں رہیں گے۔ اور اس سماج میں سیاست کا شکنجہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جا رہا ہے تاکہ ہر شخص کو قبضہ میں لیا جا سکے۔

اس لیے پہلی چیز جو سماج کرے گا وہ یہ ہے کہ سچائی کو تباہ کر دیا جائے۔ بچے کا اپنی ذات پر بھروسے کی حوصلہ شکنی کی جائے گی۔ وہ اسے خوفزدہ کرے گا۔ ایسی صورت میں اسے قابو میں کرنا آسان ہے۔ اگر وہ پُراعتماد ہے تو اس پر قابو پانا مشکل ہے۔ اگر وہ پُراعتماد ہے تو وہ مؤثر ہونے کی کوشش کرے گا، اپنی مرضی کرنے کی کوشش کرے گا۔ وہ کسی دوسرے کی چیز نہیں اپنائے گا۔ اُس کا سفر اپنا ہوگا۔ وہ اس سفر کیلئے اوروں کی خواہشات پوری نہیں کرے گا۔ وہ نقال نہیں ہوگا۔ وہ ایک بے کیف اور مردہ شخص نہیں ہوگا۔ وہ اتنا زندہ ہوگا کہ کوئی بھی اس پر قابو نہیں پا سکے گا۔

اُس کا اعتماد ختم کرنے کا مطلب ہے کہ آپ نے اس کی صلاحیتوں کو ختم کر دیا۔ آپ نے اس کی طاقت چھین لی ہے۔ اب وہ ہمیشہ بغیر طاقت کے رہے گا اور ہمیشہ کسی کی ضرورت محسوس کرے گا جو اس پر غلبہ پالے، اس کی رہنمائی کرے اور اسے حکم دے۔ اب وہ ایک شریف شہری ہوگا، اچھا سپاہی ہوگا، ایک اچھا قوم پرست ہوگا، اچھا عیسائی ہوگا، اچھا ہندو ہوگا۔ وہ یہ سب کچھ ہوگا مگر وہ حقیقی فرد نہیں ہوگا۔ اس کی جڑیں نہیں ہوں گی۔ وہ ساری زندگی بھٹکتا رہے گا، جہنم میں رہے گا۔ جیسے درختوں کو ضرورت ہے کہ ان کی جڑیں زمین میں ہوں انسان کو ضرورت ہے کہ اس کی جڑیں حیات میں ہوں ورنہ وہ بڑی احمقانہ زندگی بسر کرے گا۔ ایسا ممکن ہے کہ وہ دنیا میں ’کامیاب‘ ہو جائے اور وہ بہت مشہور بھی ہو سکتا ہے۔ اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

میں نے ایک کہانی پڑھی تھی:

تین سرجن دوست اکٹھے بیٹھے تھے اور گپیں لگا رہے تھے ایک نے کہا ”میرے

پاس جنگ کے دنوں میں ایک آدمی آیا جس کی دونوں ٹانگیں ضائع ہو چکی تھیں۔ میں نے اس کو مصنوعی ٹانگیں لگائیں اور حیرت انگیز بات ہوئی کہ وہ شخص بہترین دوڑنے والا بن گیا اور اب اولمپک کھیل میں میڈل جیتنے والا ہے"۔ دوسرے نے کہا " یہ تو کچھ بھی نہیں میرے پاس ایک عورت لائی گئی جو 30 منزلہ عمارت سے گری تھی اس کا چہرہ بالکل مسخ ہو گیا تھا۔ میں نے پلاسٹک سرجری کی اور اسے بالکل ایک نئی عورت بنا دیا۔ پچھلے دنوں میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے اخبار میں پڑھا کہ اس عورت نے دنیا کی ملکہ حسن کا مقابلہ جیتا ہے"۔ تیسرے نے کہا کہ " یہ تو سرجری کا کمال ہے۔ میں تمہیں حیرت انگیز بات سناتا ہوں۔ میرے پاس ایک زخمی لایا گیا جس کا دماغ بالکل کُچلا ہوا تھا۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کیا کروں۔ میں کھیت میں گیا' ایک کدو لایا اور اس کے سر میں رکھ کر سلائی کر دیا اور کمال کی بات ہے وہ شخص آج ہمارے ملک کا وزیراعظم ہے"۔

آپ بچے کو تباہ کر دیں وہ صدر اور وزیراعظم بن سکتا ہے۔ ذہانت کے بغیر کامیاب ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ بلکہ ذہانت کے ساتھ کامیاب ہونے میں زیادہ مشکلات ہیں۔ کیونکہ ذہین انسان موجد ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے وقت سے آگے ہوتا ہے۔ اسے سمجھنے میں وقت لگتا ہے۔

جو افراد ذہین نہیں ہیں انہیں سمجھنا مشکل نہیں۔ ان کی بات لوگ جلد سمجھ جاتے ہیں لیکن ایک نابغہ کو سمجھنے کیلئے معاشرے کو سالوں لگ جاتے ہیں۔

بغیر ذہانت کے کامیابی بھی ممکن ہے' اور شہرت بھی لیکن ایسی صورت میں فرد کھوکھلا رہے گا۔ اور یہی ہمارا المیہ ہے۔ آپ مشہور ہو سکتے ہیں لیکن اگر آپ کھوکھلے ہیں تو دکھ میں رہتے ہیں۔ کیونکہ زندگی آپ پر کیا کیا نعمتیں نچھاور کر رہی ہے' یہ جاننے کے لیے آپ میں مناسب ذہانت موجود نہیں ہے اسی طرح آپ حیات کی خوبصورتی نہیں دیکھ سکتے کیونکہ آپ میں مناسب حساسیت موجود نہیں ہے حتیٰ کہ آپ ان معجزات کو بھی نہیں دیکھ سکتے جو آپ کے اردگرد ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نہیں دیکھ سکتے کیونکہ دیکھنے کیلئے ضروری ہے کہ آپ میں سمجھنے کی' محسوس کرنے کی' ہونے کی صلاحیت ہو۔

یہ سماج طاقت پر مبنی ہے۔ ابھی تک یہ معاشرہ غیر مہذب اور وحشی ہے۔ کچھ لوگوں مثلاً سیاست دانوں' پادریوں' پروفیسروں کا اربوں لوگوں پر غلبہ ہے۔ یہ سماج اس طور چل رہا ہے کہ کسی بچے کیلئے ذہانت حاصل کرنے کا کوئی امکان نہیں۔ یہ محض اتفاق ہے کہ کوئی بدھا زمین پر آ جائے۔

کبھی کبھار کسی طرح سے فرد معاشرے کے شکنجوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ ایسا سماج کی کسی غلطی کی وجہ سے ہوتا ہے ورنہ سماج آپ کی جڑیں اور آپ کا اپنی ذات پر بھروسہ ختم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

اگر آپ اپنے آپ سے محبت کے قابل نہیں ہیں تو آپ کسی سے بھی محبت کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ یہ ایک عالمگیر سچائی ہے۔ پہلی محبت آپ کی اپنی ذات سے ہونی چاہیئے۔ لیکن معاشرہ خود سے محبت کرنے کو بُرا کہتا ہے۔ یہ اسے خودغرضی کہتا ہے۔ اسے نرگسیت کہتا ہے۔ ہاں خود سے محبت نرگسیت بن سکتی ہے لیکن ایسا ضروری نہیں ہے۔ یہ نرگسیت ہو سکتی ہے اگر یہ اپنی ذات سے آگے نہیں بڑھتی۔ یہ خودغرضی بن سکتی ہے اگر اس کا محور اپنی ہی ذات رہے۔ ورنہ خود سے محبت دوسری تمام محبتوں کی ابتداء ہے۔

وہ شخص جو خود سے محبت کرتا ہے جلد یا بدیر محبت سے چھلکنا شروع کر دے گا۔ جس شخص کا بھروسہ اپنے اوپر ہو وہ دوسروں پر بداعتمادی نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ ان لوگوں پر بھی نہیں جو اس سے دھوکا کر رہے ہوتے ہیں یا کر چکے ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اعتماد سب سے قیمتی شے ہے۔

آپ ایک شخص کو کس شے کا دھوکا دے سکتے ہیں مثلاً آپ اس سے کچھ پیسے وغیرہ لے لیں گے۔ لیکن جس شخص کو بھروسہ کی خوبصورتی کا علم ہے وہ ان چھوٹی چیزوں سے نہیں بھٹکے گا۔ وہ پھر بھی آپ سے محبت کرے گا' اعتماد کرے گا۔ یوں ایک معجزہ رونما ہوتا ہے۔ اگر کوئی آپ پر واقعی بھروسہ کرتا ہے تو یہ ممکن نہیں کہ اسے دھوکا دیا جائے۔

ایسا آپ کی زندگی میں بھی یقیناً ہوتا رہتا ہے۔ جب آپ کسی پر بھروسہ کرتے ہیں تو اُس کیلئے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ آپ کو دھوکا دے۔ ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر بیٹھے

ہوئے آپ کسی اجنبی کو کہتے ہیں ''بھائی صاحب میرے سامان کا خیال رکھنا میں ابھی ٹکٹ لے کر آتا ہوں'' آپ نے بالکل اجنبی شخص پر اعتماد کیا اور اس نے آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی ہاں البتہ اگر آپ نے اس پر اعتماد نہ کیا ہوتا تو ممکن ہے وہ آپ کو دھوکا دے دیتا۔

بھروسے میں ایک جادو سا ہوتا ہے۔ اب کوئی آپ کو کیسے دھوکا دے سکتا ہے کیونکہ آپ نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ وہ اتنی پستی میں کیسے گر سکتا ہے۔ یقیناً وہ اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کر سکے گا۔

انسانی شعور میں بھروسہ کرنا اور بھروسہ کیے جانا کی صفت خلقی ہے۔ ہر شخص بھروسہ کیے جانے سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ یہ دوسرے شخص کی جانب سے آپ کی عزت ہے۔ اور جب آپ کسی اجنبی پر اعتماد کرتے ہیں تو یہ تو اور بڑی بات ہے۔ آپ اس شخص کو اتنی بلندی پر لے جاتے ہیں کہ وہ نیچے نہیں آنا چاہے گا۔

جو شخص اپنے آپ پر بھروسہ کرتا ہے وہ اس بات کی خوبصورتی سے آگاہ ہوتا ہے کہ جتنا آپ کا اپنی ذات پر بھروسہ ہوگا اتنی ہی زیادہ آپ کی نشوونما ہوگی۔ محبت کا آغاز اپنے آپ سے کیجئے۔ اگر آپ اپنے آپ سے محبت نہیں کرتے تو پھر کون آپ سے محبت کرے گا؟ لیکن یاد رکھیں کہ اگر آپ صرف اپنے آپ سے محبت کرتے ہیں تو یہ محبت بانجھ ہوگی۔

ایک عظیم صوفی نے کہا ہے ''اگر آپ خود اپنے نہیں بن سکتے تو کوئی دوسرا کیوں آپ کا بنے گا؟ اور مزید یہ کہ ''اگر آپ صرف اپنے لیے جیتے ہیں تو آپ کی زندگی کا کیا فائدہ؟'' یاد رکھیں خود سے محبت کیجئے کیونکہ آپ ایسے شخص سے محبت نہیں کر سکتے جو اپنے آپ سے نفرت کرتا ہے۔

اور اس زمین پر تقریباً ہر شخص خود سے نفرت کرتا ہے۔ ہر شخص اپنے آپ کو کوستا ہے۔ آپ ایسے شخص سے کیسے محبت کر سکتے ہیں جو خود پر لعن طعن کرتا ہو۔ وہ آپ کی محبت کا یقین نہیں کرے گا۔ اسے خود تو اپنے آپ سے محبت نہیں تو آپ نے یہ جرأت کیسے کی؟ وہ اس میں کسی سازش کی بُو سونگھے گا کہ آپ ضرور اسے دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ وہ شک کرے گا کہ محبت کے نام پر آپ اسے لوٹنا چاہتے ہیں۔ لہذا وہ بہت چوکنا اور خبردار رہے گا۔

اگر آپ ایسے شخص سے محبت کرتے ہیں جو خود سے نفرت کرتا ہے۔ تو آپ اس کا اپنے بارے میں قائم تصور توڑ رہے ہیں اور کوئی بھی شخص اپنے بارے میں قائم تصور کو آسانی سے نہیں چھوڑتا۔ وہ آپ سے لڑے گا۔

نام نہاد محبت کے تعلق میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ ایسا ہر خاوند اور بیوی کے درمیان اور ہر عاشق اور معشوق کے درمیان ہو رہا ہے۔ آپ دوسرے شخص کے قائم تصور کو کیسے تباہ کر سکتے ہیں جو کہ اس کی شناخت ہے۔ اس کی انا ہے۔ اسی کے ذریعے تو وہ اپنے آپ کو جانتا ہے۔ اگر آپ اس کا یہ قائم تصور چھین لیتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو کیسے پہچانے گا۔

کچھ ایسا ہی معاملہ آپ کے ساتھ ہے۔ آپ بھی خود سے نفرت کرتے ہیں۔ آپ کسی دوسرے کو اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ آپ سے محبت کرے۔ جب کوئی محبت سے بھرپور آپ کے قریب آتا ہے تو آپ ڈر جاتے ہیں سُکڑ جاتے ہیں اور فرار ہونا چاہتے ہیں۔ آپ مکمل طور پر آگاہ ہیں کہ آپ محبت کے قابل نہیں ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اوپر سے آپ خوشنما ہیں اور اندر سے بھیانک ہیں اور اگر آپ نے کسی کو محبت کرنے کی اجازت دے دی تو کچھ عرصہ بعد وہ آپ کا حقیقی چہرہ دیکھ لے گا۔

آپ کب تک کسی شخص کے ساتھ محبت کا دکھاوا کر سکتے ہیں؟ آپ بازار میں دکھاوا کر سکتے ہیں، لائنز کلب اور روٹری کلب میں مُسکرا مُسکرا کے اوروں کو دھوکا دے سکتے ہیں۔ آپ بہت اچھی اداکاری کر سکتے ہیں لیکن جن کے ساتھ آپ چوبیس گھنٹے گزارتے ہیں ان کے ساتھ مصنوعی مسکراہٹیں ایک تھکا دینے والا عمل ہوگا۔ پھر صرف ایک مسکراہٹ ہی آپ کو تھکا دینے کیلئے کافی ہے کیونکہ وہ مصنوعی ہے اور ہونٹوں کی ایک مشق کے سوا کچھ نہیں۔

آپ مستقل کیسے خنداں رہ سکتے ہیں؟ آخر کار آپ کی کڑواہٹ سامنے آ ہی جائے گی۔ ہنی مون ختم ہونے سے پہلے اصلی روپ سامنے آ جائے گا۔ دونوں ایک دوسرے کے دھوکے کو جان جائیں گے۔

لوگ قریبی تعلق سے ڈرتے ہیں۔ اور آپ جانتے ہیں کہ آپ کی کوئی حیثیت نہیں۔ اور یہی بچپن سے آپ کو بتایا جاتا رہا ہے۔ آپ کے والدین، استاد، پادری، سیاست

دان بتاتے رہے ہیں کہ آپ محض خس و خاشاک ہیں۔ آپ کو کبھی کسی نے قبول نہیں کیا۔
کبھی کسی نے آپ کو یہ احساس نہیں دیا کہ آپ سے محبت کی جاتی ہے‘ آپ کا احترام کیا جاتا
ہے‘ آپ کی ضرورت ہے یا زندگی آپ کے بغیر بے کیف ہو گی۔ آپ کو کبھی نہیں بتایا گیا کہ
آپ کے بغیر یہ کائنات اپنی شاعری کھو دے گی‘ اپنا حسن برقرار نہ رکھ سکے گی یا ایک نغمے کی
کمی ہو جائے گی اور یوں یہ خلا پورا نہیں ہو سکے گا۔

میرا اصل کام یہی ہے کہ اس بد اعتمادی کو ختم کروں جو آپ اپنی ذات پر کرتے
ہیں‘ اس لعنت ملامت کا خاتمہ کراؤں جو اب تک آپ پر کی گئی ہے۔ میں آپ کو یہ احساس
دینا چاہتا ہوں کہ حیات آپ کو چاہتی ہے‘ آپ سے محبت کرتی ہے۔ خدا نے آپ کو تخلیق کیا
ہے کیونکہ وہ آپ سے محبت کرتا ہے۔ وہ آپ سے اتنی محبت کرتا ہے کہ آپ کو تخلیق کئے بغیر
نہ رہ سکا۔

کوئی مصور تصویر اس لئے بناتا ہے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔ (ون سنٹ
وان گوف) Vincent van Gogh ساری زندگی سورج ہی کی تصویریں بناتا رہا
کیونکہ وہ اس سے پیار کرتا تھا۔ درحقیقت سورج نے اسے دیوانہ بنا دیا تھا۔ پورا ایک سال
وہ دھوپ میں کھڑا رہا اور تصویریں بناتا رہا۔ اور جس دن اس نے وہ تصویر بنالی جو اصل میں
وہ بنانا چاہتا تھا‘ اس نے خود کشی کر لی۔ وہ کہہ سکتا تھا ”ہاں! یہ وہ چیز ہے جو میں بنانا چاہتا تھا‘
میں نے وہ کام کر لیا ہے‘ جس کیلئے میں دنیا میں آیا تھا‘ اب زندہ رہنے کا کوئی جواز نہیں“۔

ایک شاعر اس لیے نغمہ لکھتا ہے کیونکہ اسے یہ پسند ہے۔ خدا نے بھی آپ کی
نقاشی کی ہے۔ آپ کو گایا ہے۔ خدا آپ سے محبت کرتا ہے۔ اگر آپ کو یہ لفظ ”خدا“ بے معنی
لگتا ہے تو اس کا نام ’حیات‘ رکھ لیجئے‘ اسے ’کُل‘ کہہ لیجئے۔ حیات آپ سے محبت کرتی ہے
بصورت دیگر آپ یہاں موجود نہ ہوتے۔

کُل آپ کے اندر دھڑک رہا ہے۔ آپ کے اندر سانس لے رہا ہے۔ اگر ایک
مرتبہ آپ نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ کُل آپ سے محبت کرتا ہے‘ آپ کا احترام کرتا
ہے تو آپ کی جڑیں آپ کی ذات کے اندر پھوٹنا شروع کر دیں گی۔ آپ اپنے اوپر بھروسہ

کریں گے۔ اور پھر مجھ سمیت اپنے دوستوں‘ بیوی بچوں پر بھروسہ کریں گے۔ پرندوں‘
جانوروں‘ درختوں‘ چاند اور ستاروں سے بھی آپ صرف اسی صورت میں محبت کر سکیں گے۔
پھر بات ایک یا دوسری چیز پر بھروسہ کی نہیں رہتی بلکہ انسان صرف بھروسہ کرتا ہے اور کسی چیز
کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہر چیز خود بخود ہوتی رہتی ہے۔

فرسودہ تصورات سچائی پیدا نہیں کرتے‘ سچ پہلے ہی موجود ہے۔ یاد رکھیں سچ
موجود ہے۔ اس کے ہونے کیلئے آپ کو اس پر یقین کرنے کی ضرورت نہیں۔ سچ آپ کے
یقین کا محتاج نہیں۔ آپ کے ماننے یا نہ ماننے سے اس کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سچ
’سچ ہے چاہے آپ اس پر یقین رکھیں یا نہ رکھیں۔

اگر آپ کسی چیز کو مانتے ہیں تو وہ آپ کو سچ نظر آنا شروع کر دیتی ہے۔ یہی
عقیدے کا مطلب ہے۔ یعنی کسی چیز کو سچ مانتے ہوئے اس پر یقین کرنا۔ آپ جانتے ہیں
کہ آپ کچھ نہیں جانتے۔ آپ جانتے ہیں کہ آپ سچائی سے بہت دور ہیں لیکن اپنی جہالت
کے سبب آپ یقین کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

سچ کی تلاش جان جوکھوں کا کام ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اپنے
دماغ سے ہر چیز کو باہر نکال دیں۔ دل کی مکمل صفائی کر دیں۔ اس کیلئے معقولیت کی ضرورت
ہے۔ ایک نئے جنم کی ضرورت ہے‘ آپ کو دوبارہ بچہ بننا پڑے گا۔

صرف چند لوگوں نے سچائی دریافت کرنے کی جرأت کی ہے اور یہ بڑا جان
جوکھوں کا کام ہے۔ کیونکہ ضروری نہیں کہ آپ کی تشفی ہو جائے اور آپ کامیاب ہوں۔
ممکن ہے کہ ہر وہ چیز ختم ہو جائے جو آپ پہلے سے جانتے ہیں اور آپ کو اپنی پوری زندگی
دوبارہ ترتیب دینی پڑے۔ یہ بڑا خطرناک کام ہے۔ شائد یہ آپ کے تمام گمان کو ختم کر
دے‘ آپ کے تمام خوابوں کو چکنا چور کر دے۔ یہ بالکل آگ سے گزرنے والی بات ہے
جو کہ آپ کو جلا سکتی ہے‘ مار سکتی ہے۔ ایسے میں کسے خبر کہ آپ کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

بیج کو کیا خبر کہ مٹی میں فنا ہونے کے بعد وہ ایک تناور درخت بنے گا؟ کیونکہ وہ خود
یہ مشاہدہ کرنے کیلئے وہاں موجود نہیں ہو گا۔ بیج کیسے جان سکتا ہے کہ ایک دن جب اس کا

وجود ختم ہو جائے گا تو سرسبز شاخیں اور پتے ہوں گے' پھول اور پھل ہوں گے؟ بیج کبھی درخت سے نہیں ملا۔ بیج کو تو ختم ہونا ہے' فنا ہونا ہے۔

صرف کچھ لوگوں میں بیج کی سی جرات ہوتی ہے۔ سچائی دریافت کرنے کیلئے بہت صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ کو خود مرنا پڑے گا۔ آپ کو یقیناً نیا جنم لینا پڑے گا۔ لیکن نئے جنم کا آپ کو کیسے یقین ہو سکتا ہے۔ اس بات کی کیا ضمانت ہے؟ افسوس اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔

فرسودہ تصورات آپ کو سچائی فراہم نہیں کر سکتے۔ یہ سچائی کا دکھاوا کرنا ہے۔ یہ پلاسٹک کے پھول ہیں۔ آپ اتنی تکلیف کیوں اُٹھائیں کہ نئے پھول اُگائیں۔ بازار جائیں اور پلاسٹک کے پھول خرید لیں۔ یہ دیرپا بھی ہوں گے بلکہ دائمی ہوں گے۔ کبھی کبھار انہیں دھو لیں اور یہ دوبارہ نئے بن جائیں گے۔ یہ آپ کو دھوکا نہیں دیں گے ہاں البتہ یہ آپ کے ہمسائے کو دھوکا دے سکتے ہیں۔ اور یہی اصل نقطہ ہے۔

میرا نہیں خیال کہ ہمسائے بھی دھوکا کھائیں گے کیونکہ آخر انہوں نے بھی تو پلاسٹک کے ہی پھول خریدے ہوئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں آپ انہیں دھوکا دے رہے ہیں۔ ہر شخص کو علم ہے کہ ہر شخص دھوکا دے رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں "زندگی ایسے ہی ہے"۔

درحقیقت کوئی بھی دھوکے میں نہیں آتا۔ آپ بناوٹ کرتے ہیں کہ آپ کے پاس حقیقی پھول ہیں۔ باقی لوگ بناوٹ کرتے ہیں کہ وہ دھوکا کھا رہے ہیں۔

فرسودہ تصورات کا سچائی سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ دن کو رات سمجھ سکتے ہیں۔ اور آپ کے یقین رکھنے سے دن رات نہیں بن سکتا۔ آپ آنکھیں بند کر لیں تو آپ کیلئے رات ہو جائے گی لیکن صرف آپ کیلئے۔ یہ آپ کا فریب نظر ہو گا۔

فرسودہ تصورات میں یہی خطرہ ہوتا ہے۔ یہ آپ کو احساس دلاتا ہے کہ آپ سچ جانتے ہیں اور یہ بات سچائی کی دریافت کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ یقین یا عدم یقین دونوں راستے کی رکاوٹیں ہیں۔ کیونکہ عدم یقین بھی یقین ہی کی منفی

شکل ہونے کے سوا کچھ نہیں۔

کیتھولک خدا کے ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ کمیونسٹ خدا کے نہ ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ اس طرح دونوں ہی یقین رکھتے ہیں۔

سچ کی تلاش صحیح معنوں میں اس وقت شروع ہوتی ہے جب آپ ہر طرح کے یقین کو چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں "میں خود سچ کا سامنا کروں گا۔ میں عیسیٰ یا بدھا پر یقین نہیں رکھوں گا۔ میں خود عیسیٰ اور بدھا بننا پسند کروں گا۔ میں اپنی روشنی خود بننا پسند کروں گا"۔ آپ عیسائی کیوں بنیں؟ یہ فضول بات ہے۔ اگر آپ بن سکتے ہیں تو خود عیسیٰ بنیں مگر عیسائی نہ بنیں۔ اگر آپ اپنا احترام کرتے ہیں تو خود بدھا بنیں بدھ مت اختیار نہ کریں۔

جب آپکو یہ پتہ چل جاتا ہے کہ جاننا ممکن ہے تو پھر آپ یقین کیوں اپنائیں۔ لیکن معاشرہ چاہے گا کہ آپ یقین اپنائیں۔ کیونکہ یقین رکھنے والے لوگ اچھے ہوتے ہیں' فرماں بردار ہوتے ہیں' قانون کا احترام کرتے ہیں' ہر طرح کی رسومات اور رکھ رکھاؤ کو مانتے ہیں' کبھی پریشانی کا باعث نہیں ہوتے' ہجوم کا حصہ بن جاتے ہیں۔ جس طرح کا بھی مجمع ہو وہ اس کے اندر گھس جاتے ہیں کیونکہ وہ حقیقی انسان نہیں بلکہ بھیڑیں ہیں۔

جارج برنارڈ شاہ کو کسی نے کہا: "آپ کا تہذیب کے متعلق کیا خیال ہے؟" اس نے جواب دیا: "یہ اچھا خیال ہے' کسی کو اسکا تجربہ کرنا چاہیئے"۔ اس کا تجربہ ابھی تک نہیں کیا گیا۔ ابھی تک ہم انسانیت اور حیوانیت کے درمیان بھٹک رہے ہیں۔ ابھی ہم رحم میں ہیں۔ انسان کو ابھی پیدا ہونا ہے اب انسان کی پیدائش ہو جانی چاہیئے۔ ہمیں انسان کے آنے کیلئے راستہ ہموار کرنا ہے۔

اس انسان کے جلد آنے میں جو چیز سب سے زیادہ مدد دے گی وہ یہ ہے کہ ہمیں یقین رکھنا چھوڑ دینا چاہیئے۔ اگر آپ ہندو' عیسائی بننا چھوڑ دیں' اگر آپ یقین رکھنا چھوڑ دیں تو آپ کی توانائی ایک نیا رُخ اختیار کر لے گی۔ یہ تحقیق کرنا شروع کر دے گی اور دریافت کرنا بہت دلکش عمل ہے۔

نشوونما سچ کی تلاش کا ایک ضمنی حاصل ہے۔ یقین رکھنے والوں کی کبھی نشوونما نہیں ہوتی۔ وہ ہمیشہ احمق ہی رہتے ہیں۔

آج انسانوں کی اوسط ذہنی عمر 12 سال ہے۔ جب پہلی مرتبہ اس بات کا انکشاف ہوا تو انسانیت کو دھچکا لگا۔ کسی نے کبھی اس کے متعلق نہیں سوچا تھا۔ یہ بات اتفاقاً معلوم ہوئی۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران جو لوگ فوج میں شامل ہونا چاہتے تھے ان کا جائزہ لیا گیا۔ ان کی ذہنی عمر معلوم کی گئی۔ ان کا I.Q. لیول جانچا گیا۔ نتیجہ میں انسان کی اوسط ذہنی عمر سامنے آئی۔

یہ سب کچھ کیا ہے؟ جسم بڑھتا رہتا ہے۔ اور ذہن کی ترقی 12 سال کی عمر میں رُک جاتی ہے۔ زمین پر ہم نے کس قسم کی انسانیت پیدا کی ہے؟ 12 سال کی عمر میں ذہن کیوں رک جاتا ہے؟ کیونکہ جب تک انسان کی عمر 12 سال ہوتی ہے اس کے تمام عقائد پختہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ وہ پہلے سے جانتا ہے کہ 'سچ' کیا ہے۔ کوئی عیسائی ہے تو کوئی کمیونسٹ' کوئی خدا پر ایمان رکھتا ہے' کوئی نہیں رکھتا۔ ایک گیتا کو مانتا ہے تو دوسرا انجیل کو۔

ہم نے تصورات اور نظریات معصوم بچوں کے ذہنوں میں انڈیل دیئے ہیں۔ وہ پہلے ہی ''باخبر'' ہیں۔ انسان نے جو ساری عمر میں جاننا ہوتا ہے اس کا 50 فیصد وہ 7 برس کی عمر تک جان لیتا ہے۔ جب تک اس کی عمر 14 سال ہوتی ہے۔ وہ تمام نتائج پر پہنچ چکا ہوتا ہے۔ اب صرف پودوں کی طرح بڑھنا ہے۔ اب وہ گوبھی کے پھول کی طرح زندہ رہے گا۔ M.A اور P.hd کر لیتا ہے۔ لیکن ذہنی طور پر وہ 12 برس ہی کا رہتا ہے۔

حقیقی انسان آخری وقت تک بڑھتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ مرتے وقت بھی اس میں بڑھوتری ہو رہی ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ آخری لمحات میں بھی وہ تلاش حق کر رہا ہوگا' سیکھ رہا ہوگا وہ ابھی بھی موت میں کچھ دریافت کر رہا ہوگا۔ موت میں اس کیلئے کشش ہوگی۔ موت پُراسرار ہے۔ اگر زندگی میں وہ اَن دیکھے راستوں پر چلنے کو تیار رہتا تھا تو موت میں وہ وجدانی مسرت محسوس کرے گا۔ اب وہ اندھیروں میں داخل ہوگا۔ یہ اسکی زندگی کی سب سے بڑی

پُراسرار مہم ہوگی۔ وہ سیکھ رہا ہوگا۔

ایک حقیقی انسان کا کوئی یقین نہیں ہوتا بلکہ وہ سیکھتا رہتا ہے۔ وہ کبھی عالم نہیں بنتا۔ وہ ہمیشہ کشادہ رہتا ہے' سچائی جاننے کیلئے کُھلا۔

جو یقین رکھتا ہے وہ کہتا ہے ''سچ کو ایسا ہونا چاہیئے کیونکہ یہ میرا عقیدہ ہے'' ایک عیسائی کا تصور کریں اگر اس کا خدا عیسیٰ کی طرح نہ ہو بلکہ کرشن جیسا ہو' صلیب پر ہونے کی بجائے وہ بانسری بجا رہا ہو اور اس کے گرد لڑکیاں رقص کر رہی ہوں تو عیسائی آنکھیں بند کر لے گا۔ وہ کہے گا ''یہ میرا خدا نہیں ہے'' رقص کرتی ہوئیں لڑکیاں! یہ انتہائی خوفناک تصور ہے' اور یہ بانسری؟ دنیا افلاس سے مر رہی ہے اور یہ بانسری بجا رہا ہے''۔

اور یہی کچھ اس ہندو کے ساتھ ہوگا جو کرشن کے انتظار میں ہے اگر عیسیٰ ظاہر ہو جائے تو یہ اس کے خدا کا تصور نہیں ہے' وہ کہے گا ''کتنا اُداس اور غمگین چہرہ ہے''۔ عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ کبھی نہیں مُسکرایا۔ میرا نہیں خیال کہ وہ درست ہیں اور نہ ہی انہوں نے عیسیٰ کا صحیح تصور پیش کیا ہے۔

فرسودہ تصورات رکھنے والوں کا حتیٰ کہ اپنے تجربہ پر بھی یقین نہیں ہوتا۔ اگر سچ ظاہر بھی ہو جائے تو وہ اس کا انکار کر دیں گے۔ وہ خود سچ سے زیادہ اہم ہیں۔ سچ کو ان کے مطابق ڈھلنا چاہیئے۔

جو شخص واقعی سچ کا متلاشی ہے اسے اس قابل ہونا چاہیئے کہ سچ کے متعلق تمام تصورات کو اکھاڑ پھینکے۔ صرف اسی وقت آپ سچ معلوم کر سکتے ہیں۔ سچ کو جان لینے کا مطلب ہے کہ آپ سچ کو نہیں جانتے۔

اگر کوئی پرانا خیال بہت منطقی ہے تو یہ آپ کے اندر یقین پیدا نہیں کرے گا اس لیے کہ لوگ افسانے گھڑتے رہتے ہیں۔ انسان بنیادی طور پر بزدل ہے۔ وہ تحقیق نہیں کرنا چاہتا۔ نہ ہی وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ ''میں نہیں جانتا''۔

اس کرۂ زمین پر 300 دھرم ہیں۔ ایک سچ اور 300 دھرم؟ ایک خدا اور 300

دھرم؟ میں فرقوں کی بات نہیں کر رہا اگر انہیں شامل کیا جائے تو وہ ہزاروں میں ہیں۔ایک دھرم دوسرے دھرم سے متضاد ہے۔

اصل میں لوگوں کی ایک بڑی بنیادی ضرورت یہ ہے کہ وہ جاہل محسوس نہ ہوں۔ اس ضرورت کو کیسے پورا کیا جاسکتا ہے؟ کچھ پرانے تصورات پر نظر ڈالیں جتنے لغو آپ کا تصورات ہونگے اتنا ہی زیادہ آپ باعلم نظر آئیں گے کیونکہ کوئی بھی اس کے متعلق نہیں جانتا۔

پرانے تصورات سچائی کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔حتیٰ کہ جب آپ کو سچ بتا دیا جائے تب بھی آپ اس پر یقین نہ کریں بلکہ دریافت کریں۔تحقیق کریں' تجربہ کریں۔ عیسیٰ اور بدھا پر یقین نہ کریں۔ میں آپ کو بہت اہم بات بتا رہا ہوں کہ تجربے سے گزریں۔ تجربہ کریں اور جب آپ تجربہ کر چکیں تو کیا پھر آپ کو پرانے تصورات کی ضرورت رہے گی؟ ہرگز نہیں۔آپ کا کوئی شک باقی نہیں رہے گا۔تو پھر پرانے تصورات پالنے کی کیا ضرورت؟ پرانے خیالات اصل میں شک کو دبانے کا ذریعہ ہیں۔

سچ تک پہنچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ ہر طرح کے خیالات سے پیچھا چھڑایا جائے۔اوشو کا بھی یقین نہ کریں۔جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ آپ کا تجربہ نہیں بن سکتا۔ سچائی کا تجربہ ہی آپ کو غلامی سے اور دکھ سے نجات دلوا سکتا ہے نہ کہ پرانے تصورات۔سچ کا تجربہ میڈیٹیشن کے ذریعہ سے کیا جاسکتا ہے۔اور یہ میڈیٹیشن دماغ کو تمام نظریات' تصورات' خیالات' سے مکمل طور پر خالی کر دینے کا عمل ہے۔صرف خالی ذہن میں ہی سچ نمودار ہوسکتا ہے۔جب آئینے سے گرد صاف ہو جائے گی تو سچائی خود بخود دکھائی دے گی۔

بدھا کے پیغام

The Message of Buddhas

میڈیٹیشن ایک سرجری کا عمل ہے جو آپ میں سے ہر اس چیز کو کاٹ کر نکال دیتی ہے جو آپ کی نہیں ہے اور صرف اس چیز کو بچا لیتی ہے جو واقعی آپ کی ہے۔ یہ ہر شے کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے اور آپ کو تنہا اور برہنا ہواؤں میں چھوڑ دیتی ہے۔ یہ آپ کو ایسا کر دیتی ہے جیسے آپ پہلے انسان ہیں جو اس زمین پر اُترا ہے' جو ابھی کچھ نہیں جانتا' جسے ہر چیز دریافت کرنا ہے' جسے ابھی طویل سفر کرنا ہے۔

زندگی ایک تلاش ہونی چاہیئے نہ کہ ایک خواہش۔زندگی ایک شدید جذبہ نہیں ہونا چاہیئے کہ یہ بن جائیں وہ بن جائیں' ملک کا صدر بن جائیں' بلکہ یہ جاننے کی جستجو ہونی چاہیئے کہ ''میں کون ہوں؟''

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جو لوگ اپنے بارے میں نہیں جانتے وہی کچھ بننے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔وہ اپنی ذات سے بے خبر ہوتے ہیں لیکن کچھ 'بننا' ان کی منزل ہوتا ہے۔'بننا' روح کی بیماری ہے۔

'ہونا' آپ ہیں اور اپنے ہونے کو دریافت کرنا زندگی کی شروعات ہیں۔پھر ہر لمحہ ایک نئی دریافت ہے۔ ہر لمحہ ایک نئی خوشی لے کر آتا ہے۔ایک نیا اسرار اپنے دروازے کھولتا ہے۔آپ میں ایک محبت جنم لینا شروع کر دیتی ہے۔خوبصورتی اور اچھائی کے متعلق ایک نئی حساسیت پیدا ہوتی ہے۔

آپ اس قدر حساس بن جاتے ہیں کہ گھاس کی چھوٹی پتیاں بھی آپ کو بہت اہم نظر آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ آپ کی حساسیت آپ پر واضح کرتی ہے کہ گھاس کی یہ پتیاں بھی اتنی ہی اہم ہیں جتنا کوئی بڑا ستارہ۔ اس گھاس کے بغیر حیات ویسی نہ ہوتی جیسی کہ اب ہے اور یہ کہ یہ گھاس بہت انوکھی ہے' اس کا کوئی بدل نہیں' اس کی اپنی انفرادیت ہے۔

یہ حساسیت آپ کیلئے دوستی کے نئے باب کھولے گی۔ درختوں سے دوستی' پرندوں سے دوستی' جانوروں سے دوستی' پہاڑوں' دریاؤں اور سمندروں سے دوستی۔ جتنا آپ حساس ہوتے جاتے ہیں زندگی کا پھیلاؤ اسی قدر وسیع ہوتا جاتا ہے۔ اب یہ چھوٹا تالاب نہیں بلکہ سمندر بن جاتا ہے۔ یہ آپ تک اور آپ کے بیوی بچوں تک محدود نہیں رہتا۔ یہ لامحدود ہے اور پوری حیات آپ کا خاندان بن جاتی ہے۔ اور اب تک پوری حیات آپ کا خاندان نہیں ہے آپ کو زندگی کے بارے میں پتہ نہیں چلتا کیونکہ کوئی شخص بھی جزیرہ نہیں ہے۔ ہم تمام آپس میں باہم مربوط ہیں۔

میڈیٹیشن آپ کو حساس بنائے گی' آپ کو اس دنیا سے جڑنے کا احساس دے گی---- یہ ہماری دنیا ہے' یہ ستارے ہمارے اپنے ہیں اور ہم یہاں اجنبی نہیں ہیں۔ ہم اس کا حصہ ہیں' ہم اس کا مرکز ہیں۔

بدھا کے اقوال کو دھماپد (Dhammapada) کہا جاتا ہے۔ اس نام کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ 'دھما' کے کئی معنی ہیں 'حتمی قانون' 'عقل اول'...... جو کائنات کی ساخت اور ترقی میں جاری و ساری ہے اور ساری کائنات کو اکٹھا رکھے ہوئے ہے۔ یہ غیر مرئی ہے۔ اسے چھوا نہیں جا سکتا' اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کائنات کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔ اتنی بڑی اور لامتناہی کائنات کا نظام اتنے تواتر اور ہم آہنگی سے چل رہا ہے کہ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یقیناً کوئی نہ کوئی طاقت ہے جو ہر چیز کو جوڑے ہوئے ہے۔ ہم کٹے ہوئے جزیرے نہیں ہیں۔ گھاس کی یہ پتی ایک بڑے سے بڑے ستارے کے ساتھ منسلک ہے۔ ایک چھوٹی سی گھاس کی پتی کو ضائع کر دیں تو آپ نے اس حیات کی بہت ہی اہم شے کو ضائع کر دیا۔

اس حیات میں مراتب اور درجہ بندی نہیں ہے۔ کچھ بھی چھوٹا یا بڑا نہیں ہے۔ ایک بڑے ستارے اور گھاس کی پتی کی ایک ہی حیثیت ہے۔ اس طرح 'دھما' کا دوسرا مطلب' انصاف و برابری' کا ہے۔ حیات میں کوئی درجات نہیں ہیں۔

تیسرا مطلب ہے نیکی اور راستی۔ زندگی بہت پاکیزہ ہے۔ اگر آپ کوئی ایسی چیز پاتے ہیں جسے آپ پاکیزہ نہیں کہہ سکتے تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ یہاں جو کچھ ہوتا ہے ہمیشہ ٹھیک ہی ہوتا ہے' کبھی غلط نہیں ہوتا۔ اگر آپ کو کچھ غلط دکھائی دیتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ صحیح کے بارے میں آپ نے ایک نقطہ نظر قائم کیا ہوا ہے۔ مگر جب آپ تعصب کی عینک اُتار کر دیکھیں گے تو آپ کو سب کچھ ٹھیک لگے گا۔ زندگی ٹھیک ہے' موت ٹھیک ہے' خوبصورتی ٹھیک ہے' بدصورتی ٹھیک ہے ......

لیکن ہم کم فہم ہیں۔ ہمیں کُل کا ادراک نہیں۔ ہم ہمیشہ چھوٹا سا حصہ دیکھتے ہیں۔ ہم اس شخص کی طرح ہیں جو دروازے کے پیچھے کھڑا ہے اور چابی سوراخ (Key hole) سے باہر گلی میں دیکھ رہا ہے۔ اسے چیزیں نظر آتی ہیں' کوئی چلتا ہوا شخص یا ایک گزرتی ہوئی کار۔ ایک لمحہ پہلے یہاں کار نہیں تھی' اب یہاں ہے۔ اگلے لمحے یہ ہمیشہ کیلئے جا چکی ہوگی۔ اسی طرح ہم زندگی کو دیکھ رہے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ کوئی چیز مستقبل میں ہوگی پھر وہ حال میں آجاتی ہے۔ اور پھر وہ ماضی کا حصہ بن جاتی ہے۔

اصل میں وقت انسانی ایجاد ہے۔ وقت ہمیشہ 'اب' ہے۔ حیات کا نہ کوئی ماضی ہے' نہ مستقبل' وقت ہمیشہ حال ہے۔

لیکن ہم چابی سوراخ کے پیچھے بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔ ایک شخص وہاں موجود نہیں ہے پھر وہ اچانک نمودار ہوتا ہے اور اچانک غائب ہو جاتا ہے۔ اب آپ وقت تخلیق کرتے ہیں۔ جب وہ شخص وہاں نمودار نہیں ہوا تھا تو وہ موجود تھا لیکن آپ کیلئے ابھی وہ مستقبل میں تھا۔ پھر وہ آیا' اب وہ آپ کیلئے حال میں ہے حالانکہ صورتِ حال وہی ہے۔ کچھ دیر کے بعد وہ ماضی بن جاتا ہے۔ اب آپ اپنے چھوٹے چابی سوراخ کے ذریعے اسے نہیں دیکھ سکتے۔ نہ ماضی ہے نہ مستقبل۔ سب کچھ حال ہے۔ ہمارا دیکھنے کا انداز بڑا محدود ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم یہ سوال کرتے رہتے ہیں کہ دنیا میں یہ کیوں ہے' وہ کیوں ہے.....؟ اگر ہم کُل دیکھیں گے تو یہ تمام سوالات ختم ہو جاتے ہیں اور کُل کو دیکھنے کیلئے ضروری ہے کہ آپ کمرے سے باہر آئیں اور چابی سوراخ سے دیکھنا بند کر دیں۔

دماغ اصل میں چابی سوراخ ہے۔ اتنی بڑی کائنات کے سامنے اس کی کیا حیثیت ہے' ہم کیا سمجھ سکتے ہیں؟ زیادہ سے زیادہ' ہمیں سچائیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے مل سکتے ہیں اور ہم انہی کو سچ مان لیتے ہیں۔

اگر آپ مکمل تصویر دیکھیں تو ہر چیز اپنی اصل جگہ پر نظر آئے گی۔ غلط کا وجود نہیں ہے' "سب کچھ ٹھیک ہے" کا یہی مطلب ہے۔ صرف خدا کا وجود ہے۔ شیطان انسان کا پیدا کردہ ہے۔

'دھما' کا چوتھا مطلب ہے 'خدا'۔ مگر بدھا نے کبھی خدا کا لفظ استعمال نہیں کیا کیونکہ خدا کے ساتھ ایک ہستی کا تصور منسلک کر دیا گیا ہے۔ لیکن جب کبھی وہ خدا کے متعلق بات کرنا چاہتا ہے تو 'دھما' کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ بدھا کا دماغ ایک سائنسدان کی طرح سوچتا ہے۔ اسی لیے اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ وہ دہریہ ہے حالانکہ وہ دنیا کے چند بڑے موحدوں میں سے ایک ہے۔ وہ کبھی لفظِ 'خدا' استعمال نہیں کرتا لیکن اس کے نزدیک 'دھما' اور خدا کا عین ایک ہی مطلب ہے۔

'عقلِ اوّل' کوئی شے نہیں ہے کہ جس کا آپ مشاہدہ کر سکیں۔ یہ آپ کا باطن ہے۔ آپ کی ذات ہے' آپ کی موضوعیت ہے۔ بدھا یقیناً سورن کیر کیگارڈ (Soren Kierkegaurd) سے اتفاق کرتا کہ سچائی داخلی / موضوعی شئے ہے۔ حقیقت اور سچائی کے مابین یہی فرق ہے۔ حقیقت (Fact) معروضی ہوتی ہے۔ سائنس زیادہ سے زیادہ کھوج لگاتی ہے مگر سائنس کبھی سچائی تک نہیں پہنچ پاتی کیونکہ اس کی منزل حقائق تک محدود ہے۔ سچائی سائنسدان کے اندر ہوتی ہے مگر وہ اس طرف کبھی نہیں دیکھتا وہ دیگر اشیاء کے مشاہدے میں مگن رہتا ہے اور اپنے آپ سے بے خبر ہوتا ہے۔

ایک بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ سچ ایک نظریہ یا مفروضہ نہیں ہے یہ ایک تجربہ ہے۔ اس لیے میرا سچ آپ کا سچ نہیں ہو سکتا۔ میرا سچ صرف مجھ تک محدود ہے' ہم اسے بانٹ نہیں سکتے۔ ہم اس میں اشتراک نہیں کر سکتے' ہم اسے بیان نہیں کر سکتے صرف محسوس کر سکتے ہیں۔

ہاں البتہ میں آپ کو یہ ضرور بتا سکتا ہوں کہ میں اس سچ تک کیسے پہنچا۔ "کیسے" کی وضاحت کی جا سکتی ہے مگر "کیوں" کی نہیں۔ راستہ دکھایا جا سکتا ہے مگر منزل نہیں۔ ہر کسی کو اپنے طریقہ سے پہنچنا پڑے گا۔

دوسرا لفظ "پد" (Pada) ہے۔ پد کے بھی کئی معنی ہیں۔ ایک بنیادی معنی "راستہ" کے ہیں۔ مذہب کے دو پہلو ہیں۔ ایک "کیا" اور دوسرا "کیسے"۔ 'کیا' کے متعلق بات کرنا بالکل ناممکن ہے لیکن 'کیسے' کے متعلق بات کی جا سکتی ہے۔ میں آپ کو راستہ دکھا سکتا ہوں' میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ میں نے اس راستے پر کیسے سفر کیا۔ میں آپ کو اس کے جغرافیہ کے متعلق بتا سکتا ہوں۔ میں آپ کو ایک چوٹی کے نشیب و فراز سمجھا سکتا ہوں لیکن یہ نہیں بتا سکتا کہ میں نے چوٹی پر پہنچ کر کیا محسوس کیا۔ ایک کوہ پیما آپ کو بتا سکتا ہے کہ وہ کیسے ہمالیہ کی چوٹی تک پہنچا لیکن وہ یہ نہیں بتا سکتا کہ چوٹی سر کرنے کے بعد اس نے کیا محسوس کیا۔ وہ آزادی جو اس نے وہاں محسوس کی' وہ حُسن' وہ پھیلا ہوا آسمان' وہ بلندی' وہ رنگین بدلیاں' وہ سورج' وہ صاف ہوا' وہ برف جس پر آج تک کوئی نہیں چلا........... ان سب کو بیان کرنا ناممکن ہے۔ یہ سب جاننے کیلئے ضروری ہے کہ آپ خود وہاں پہنچیں۔

'پد' کا مطلب قدم اور بنیاد کے بھی ہیں۔ جہاں آپ ہیں وہاں سے آپ کو آگے کی جانب قدم اُٹھانا ہے۔ آپ کی نمود ہونی ہے لوگ تالاب کے ٹھہرے ہوئے پانی بن چکے ہیں۔ انہیں دریا بننا ہے کیونکہ صرف دریا ہی سمندر تک پہنچ سکتا ہے۔

'بنیاد' زندگی کی بنیادی سچائی ہے۔ کسی مطلق سچائی سے تعلق جوڑے بغیر زندگی کی کوئی بنیاد نہیں ہے' کوئی حقیقت نہیں ہے' کوئی اہمیت نہیں ہے' کوئی عظمت نہیں ہے۔ اگر آپ کی جڑت 'کُل' کے ساتھ نہیں ہے تو آپ کی ذرہ برابر بھی وقعت نہیں۔ آپ ہوا کے دوش پر خس و خاشاک کی مانند ہوں گے۔ سچائی کی تلاش آپ کو بنیاد فراہم کرتی ہے۔ آپ کا

رابطۂ کُل سے کراتی ہے۔ ان دھماپدوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے، عقلی طور پر نہیں بلکہ وجودی طور پر۔ اسفنج کی طرح اسے اپنے اندر جذب کر لیں، پرکھنے کی بجائے اسے اپنے اندر اترنے دیں۔ صحیح اور غلط کے فریب میں مت آئیں ورنہ آپ بدھا کو کھو بیٹھیں گے۔

ہم وہی کچھ ہیں جو ہم سوچتے ہیں۔
ہم جو کچھ ہیں اپنے خیالات ہی کی بدولت ہیں
یہ دنیا ہماری سوچ ہی کا نتیجہ ہے
ناخالص ذہن کے ساتھ کچھ کریں یا بولیں تو
مسائل آپ کے پیچھے اس طرح آئیں گے
جس طرح بیل کی حرکت کے بعد چھکڑے کا پہیہ حرکت کرتا ہے

ہم وہی کچھ ہیں جو ہم سوچتے ہیں
ہم جو کچھ ہیں اپنے خیالات ہی کی بدولت ہیں
خالص ذہن کے ساتھ آپ کچھ کریں یا بولیں تو
خوشی آپ کے پیچھے آپ کے سائے کی طرح آئے گی

دیکھو اُس نے مجھے کیسے گالیاں دیں اور مجھے مارا بھی
اُس نے کیسے مجھے دھوکا دیا اور مجھے لُوٹا بھی
اس طرزِ فکر کے ساتھ آپ صرف نفرت میں جئیں گے
اس طرح کے خیالات ترک کر دیں اور محبت میں جئیں

اس دنیا میں
نفرت کے ذریعے نفرت کبھی ختم نہیں ہوئی
صرف محبت ہی نفرت کو ختم کرتی ہے
ازل سے یہی قانون ہے

ایک روز آپ کو بھی مرنا ہے
یہ جانتے ہوئے بھی آپ کیسے لڑ جھگڑ سکتے ہیں

ہوا ایک کمزور درخت کو کتنی آسانی گرا دیتی ہے
اگر حیات میں (جسمانی) لذت تلاش کی
اور کھانے پینے اور سونے میں ہی مگن رہے
تو آپ کو بھی اکھاڑ کر پھینک دیا جائے گا

ہوا ایک پہاڑ کو نہیں گرا سکتی
ترغیبات ایک ایسے انسان کو نہیں چھُو سکتی
جو جاگ رہا ہو، جو مضبوط اور عاجز ہو
جو اپنے اوپر قدرت رکھتا ہو
اور قانونِ فطرت سمجھتا ہو۔

بدھا کے اقوالِ حکمت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس وقت انہیں پرکھنے کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ واقعی ان کو سمجھ لیں تو آپ ان کی سچائی کے قائل ہو جائیں گے۔ لوگوں کو قائل کرنے کا سچائی کا ایک اپنا طریقہ کار ہے۔ ثبوت پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سچ دلائل نہیں دیتا، یہ نغمہ ہے منطق نہیں۔

ہم وہی کچھ ہیں جو ہم سوچتے ہیں

ہم جو کچھ ہیں اپنے خیالات کی بدولت ہیں
یہ دنیا ہماری سوچ کا نتیجہ ہے

مشرقی عارفوں کا یقین ہے کہ یہ دنیا سراب ہے۔ وہ دنیا کو غیر حقیقی، مایا اور خواب کہتے ہیں۔ مگر جب وہ لفظ سنسار کا استعمال کرتے ہیں تو ان کی مراد یہ معروضی، یہ مادی دنیا نہیں ہوتی جس کے کھوج میں سائنس مصروف ہے۔ وہ ان درختوں، پہاڑوں اور دریاؤں کی دنیا کی بات نہیں کرتے۔ ان کی مراد اس دنیا سے ہے جسے آپ پیدا کرتے ہیں، جس کا تانا بانا آپ اپنے دماغ میں بُنتے ہیں۔ سنسار کا تعلق خارجی دنیا سے نہیں ہے۔

تین چیزوں کو یاد رکھنا چاہیئے۔ ایک خارجی یعنی معروضی دنیا ہے۔ بدھا اس کے متعلق بات نہیں کرے گا۔ وہ آئن سٹائن نہیں ہے۔ دوسری دنیا دماغ کی ہے۔ جس کی تحقیق میں ماہرین نفسیات اور تحلیل نفسی کے ماہرین سرگرداں ہیں۔ بدھا اس کے متعلق تھوڑی بہت بات کرتا ہے کہ یہ موہوم و پُر فریب ہے اور داخلی اور خارجی دنیا کے مابین کی چیز ہے۔

پہلی دنیا خارجی ہے۔ اس کی تحقیق اور کھوج سائنس کے ذمہ ہے۔ دوسری دنیا دماغ کی ہے، جس کا کھوج ماہرین نفسیات لگاتے ہیں۔ تیسری دنیا آپ کی داخلیت ہے، آپ کا باطن ہے، آپ کی موضوعیت ہے، آپ کے اندر کی ذات ہے۔ بدھا کا اشارہ آپ کی ذات کے انتہائی باطن کی طرف ہے۔ مگر آپ ذہن کے ساتھ بہت زیادہ الجھے ہوئے ہیں۔ جب تک آپ ذہن کے چنگل سے آزاد نہ ہو جائیں اس وقت تک آپ اپنی تیسری حقیقی، ذاتی دنیا سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ اس لیے وہ کہتا ہے ہم وہی کچھ ہیں جو ہم سوچتے ہیں۔ ہم جو کچھ ہیں اپنے خیالات کی بدولت ہیں۔

ایک لمحہ کے لیے ذرا تصور کریں کہ آپ کی تمام سوچیں ختم ہوگئی ہیں...... تو آپ کون ہیں؟ آپ کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا...... آپ یہی کہہ سکتے کہ ''میں ایک کیتھولک ہوں''۔ ''میں ہندو ہوں''۔ ''میں مسلمان ہوں''۔ تمام خیالات ختم ہونے کے بعد آپ اپنا نام تک نہیں بتا سکتے۔ تمام زبانیں بھی غائب ہوگئی ہیں۔ آپ نہیں بتا سکتے کہ کس ملک اور نسل سے آپ کا تعلق ہے۔ جب سوچ ہی ختم ہوگئی تو باقی آپ کے اندر کیا رہا؟ صرف کھوکھلا پن۔

اس لیے بدھا ایک عجیب لفظ استعمال کرتا ہے۔ کسی نے پہلے ایسا نہیں کیا۔ عارفوں نے اپنے باطن کے لئے ہمیشہ لفظ ''ذات'' کا استعمال کیا۔ بدھا نے ''عدم ذات'' کا لفظ استعمال کیا۔ اور میں اس سے پورا اتفاق کرتا ہوں ''ذات'' کے لفظ سے انا کی بُو آتی ہے۔ بدھا ذات، آتما، جیسے الفاظ استعمال نہیں کرتا۔ وہ بالکل متضاد الفاظ استعمال کرتا ہے۔ 'عدم ذات'، 'اَن آتما' وہ کہتا ہے کہ جب ذہن کا وجود ختم ہو جاتا ہے تو کوئی ذات باقی نہیں رہتی، آپ کائناتی بن جاتے ہیں، آپ انا کی حدود سے باہر نکل آتے ہیں، آپ بالکل سچے، بغیر کھوٹ کے بن جاتے ہیں۔

اگر آپ واقعی جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کون ہیں تو حقیقت میں آپ کو سیکھنا پڑے گا کہ ذہن سے کیسے نجات حاصل کی جائے اور سوچنا کیسے چھوڑا جائے۔ میڈیٹیشن اسی سے متعلق ہے۔ میڈیٹیشن کا مطلب ہے کہ ذہن کی حدود سے باہر جانا اور ذہنی خالی پن کی دنیا میں داخل ہونا اور یہی وہ جگہ ہے جہاں آپ کو مطلق سچائی کی خبر ملے گی۔ میڈیٹیشن ذہن سے ذہنی خالی پن کی جانب سفر ہے۔

جب آپ نا خالص ذہن کے ساتھ کچھ کریں یا بولیں گے تو مسائل آپ کے پیچھے اس طرح آئیں گے جس طرح بیل کی حرکت کے بعد پہیہ خود بخود حرکت کرتا ہے۔

دُکھ اور تکلیف ضمنی حاصل ہیں۔ یہ ذہن کا پرتو ہیں۔ تکلیف ایک ڈراؤنا خواب ہے۔ آپ صرف اس لیے حالت تکلیف میں ہوتے ہیں کہ آپ سو رہے ہوتے ہیں۔ جاگنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ جب تک آپ جاگ نہیں جاتے ڈراؤنا خواب ختم نہیں ہو گا۔ اس کی شکلیں تبدیل ہوتی رہیں گی مگر یہ جاری رہے گا۔ تکلیف ذہن کا عکس ہے۔ ذہن کا مطلب ہے نیند، بے شعوری، بے خبری۔ ذہن کا مطلب ہے کہ آپ اپنے آپ سے بے خبر ہوں مگر پھر بھی آپ کو زعم ہو کہ آپ اپنے آپ سے باخبر ہیں۔ ذہن کا مطلب ہے کہ

آپ نہیں جانتے کہ آپ کہاں جا رہے ہیں مگر پھر بھی آپ یہ ظاہر کریں کہ آپ کو منزل کا علم ہے، کہ آپ زندگی کے متعلق سب کچھ جانتے ہیں۔

اس ذہن کے ساتھ دکھ اور تکلیف کا ہونا ایسے ہی یقینی ہے جس طرح بیل کی حرکت کے بعد چھکڑے کے پہیے کی حرکت یقینی ہے۔

ہم وہی کچھ ہیں جو ہم سوچتے ہیں
ہم جو کچھ ہیں اپنے خیالات ہی کی بدولت ہیں
یہ دنیا ہماری سوچ کا نتیجہ ہے
خالص ذہن کے ساتھ آپ کچھ کریں یا بولیں تو
خوشی آپ کے پیچھے آپ کے سائے کی طرح آئے گی۔

یاد رکھیں ''خالص ذہن'' سے بدھا کی مراد ذہنی خالی پن (No Mind) ہے۔ بدھا جیسے شخص کی زبان کو سمجھنا بہت دُشوار ہے بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔ بدھا جیسا انسان اپنے طریقے سے زبان استعمال کرتا ہے۔ وہ اپنی زبان خود بناتا ہے۔ وہ عام زبان کو عام مفہوم کے لئے استعمال نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اسے تو بہت ارفع خیالات بیان کرنا ہوتے ہیں۔

عام الفاظ بدھا کے تجربات کو کُلی طور پر بیان کرنے سے قاصر ہیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ استعمال تو آخر اسی زبان کو کرنا ہے۔ کسی نئی زبان کا استعمال ناقابل فہم ہوگا۔

جابر (Jabber) ایک عارف تھا۔ اس نے ایک بالکل نئی زبان ایجاد کی جسے کوئی شخص نہیں سمجھتا تھا۔ وہ پاگل محسوس ہوتا تھا۔ ایسا ہونا یقینی بات ہے اگر آپ چینی زبان سُنیں تو وہ آپ کیلئے بالکل مہمل ہوگی اسی طرح ایک چینی کیلئے انگریزی زبان مہمل ہوگی۔

یہ تو وہ زبانیں ہیں جنہیں کروڑوں انسان سمجھتے ہیں۔ ایک بدھا کے ساتھ کیا ہوگا؟ اگر وہ بالکل نئی زبان کا استعمال کرے تو سوائے خود اس کے کوئی دوسرا اس کی بات نہیں سمجھے گا۔

اس لیے تمام بڑے لوگوں کو درمیانہ راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ وہ آپ کی زبان استعمال کریں گے مگر زبان کو اپنا رنگ دیں گے۔ بوتل آپ کی ہوگی مگر شراب ان کی۔ آپ کو یہ گمان ہوگا کہ بوتل آپ کی ہے تو شراب بھی آپ ہی کی ہے۔ اس لیے آپ کبھی کبھار پی بھی لیا کریں گے۔

اسی لیے بدھا کی ترجمانی کرنا بہت دُشوار کام ہے۔ ''ذہنی خالی پن'' کے لیے بدھا 'خالص ذہن' کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ ''ذہنی خالی پن'' کہتا تو کوئی بھی اس کی بات نہ سمجھتا۔ مگر آہستہ آہستہ وہ آپ کو قائل کرلے گا کہ ''خالص ذہن'' کا مطلب ہے ''ذہنی خالی پن''۔

جب آپ سوتروں کی گہرائی میں جائیں گے تو آپ ان کے حقیقی مفہوم سے آشنا ہوں گے۔ ''ناخالص ذہن'' کا مطلب ہے ذہن اور ''خالص ذہن'' سے ذہنی خالی پن مراد ہے۔ اور خوشی آپ کو اسی وقت میسر ہوگی جب آپ کے پاس خالص ذہن یا ذہنی خالی پن ہوگا۔

دُکھ اور تکلیف کی طرح خوشی بھی ضمنی حاصل ہے۔ جس طرح تکلیف نیند کا ضمنی حاصل ہے اسی طرح فرحت و مسرت جاگنے کا ضمنی حاصل ہیں۔ لہٰذا آپ فرحت و مسرت کو براہ راست تلاش نہیں کرسکتے۔ جو لوگ براہِ راست مسرت کی تلاش کرتے ہیں ناکامی ان کا مقدر ہے۔ آگہی ملنے کے بعد مسرت خودبخود سائے کی طرح آپ کے پیچھے آجائے گی۔

دیکھو اس نے مجھے کیسے گالیاں دیں اور مجھے مارا بھی
اس نے کیسے مجھے دھوکا دیا اور لُوٹا بھی
اس طرزِ سوچ کے ساتھ آپ صرف نفرت میں جئیں گے
اس طرح کے خیالات ترک کردیں اور محبت میں جئیں

ایک بات بہت اہم ہے۔ نفرت کا وجود ماضی یا مستقبل میں ہوتا ہے جبکہ محبت کیلئے ماضی یا مستقبل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ محبت کا وجود حال میں ہوتا ہے۔ نفرت کا ماضی میں کوئی نہ کوئی حوالہ ہوتا ہے۔ کل کسی شخص نے آپ کو بُرا بھلا کہا تھا اور آپ انہیں زخم کی

طرح اپنے ساتھ اُٹھائے پھر رہے ہیں یا آپ خوفزدہ ہیں کہ کل آپ کو کوئی شخص نقصان پہنچائے گا اور آپ اس سے نمٹنے کیلئے آج سے ہی تیاری کر رہے ہیں۔

نفرت کا تعلق ماضی یا مستقبل سے ہے۔ آپ حال میں نفرت نہیں کر سکتے۔ ماضی یا مستقبل کے حوالے کے بغیر آپ کسی سے زمانہ حال میں نفرت کر کے دیکھیں...... آپ ایسا نہیں کر سکیں گے۔ نفرت اسی وقت پنپ سکتی ہے جب آپ ماضی کو یاد رکھیں۔ اگر آپکے پاس ماضی یا مستقبل کا کوئی حوالہ نہیں ہے کہ اس شخص نے میرے ساتھ یہ زیادتی کی تھی یا کرے گا' اور وہ شخص محض آپ کے سامنے ہے تو آپ نفرت کیسے کر سکتے ہیں؟ آپ صرف محبت کر سکتے ہیں۔

محبت کو کسی حوالے کی ضرورت نہیں۔ یہی محبت کی خوبصورتی اور اس کی آزادی ہے۔ نفرت غلامی ہے۔ نفرت وہ حصار ہے جو خود آپ نے اپنے گرد بنایا ہوتا ہے۔ نفرت سے نفرت ہی جنم لیتی ہے۔ اگر آپ کسی سے نفرت کرتے ہیں تو آپ اس شخص کے دل میں اپنے لیے نفرت کا بیج بو رہے ہیں۔ اور ساری دنیا نفرت میں' تباہی میں' تشدد میں' حسد میں' رقابت میں رہ رہی ہے۔ انسان ایک دوسرے کو مار رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس خوبصورت دھرتی کو' جس کا جنت بننے کا امکان تھا' جہنم بنا دیا ہے۔

بدھا اور میں جس محبت کی بات کر رہے ہیں یہ وہ محبت نہیں ہے جسے آپ ماضی سے جانتے ہیں۔ آپ کی محبت نفرت ہی کا دوسرا رُخ ہے۔ اس لیے آپ کی محبت کا حوالہ ہے۔ کل ایک شخص حسین تھا' وہ اتنا اچھا تھا کہ آپ میں محبت کے جذبات پیدا ہو گئے۔ یا ایک شخص آپ کو دیکھ کر اس طرح مسکرایا کہ کل آپ میں محبت جاگنے کا امکان ہے۔

بدھا نے اس قسم کی محبت کی بات نہیں کی۔ یہ محبت دراصل چھپی ہوئی نفرت ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی محبت کسی بھی لمحہ نفرت میں بدل سکتی ہے۔ محبت کی شادیاں ناکام ہونے کی یہی وجہ ہے۔ ایک شخص کو تھوڑا سا کُریدیں تو آپ کو محبت کی جگہ نفرت نظر آئے گی۔ حتیٰ کہ نام نہاد عاشق اور معشوق بھی لڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور لوگ سمجھتے

ہیں کہ یہ محبت ہے اور محبت میں ایسا ہوتا ہے۔

جب لڑائی ہوتی ہے تو لوگ خیال کرتے ہیں کہ چلو کچھ نہ کچھ ہو رہا ہے۔ جب کچھ بھی نہ ہو رہا ہو' لڑائی بھی نہ ہو رہی ہو تو لوگ خالی پن محسوس کرتے ہیں۔ خالی پن سے تو بہتر ہے کہ لڑائی ہو۔ کروڑوں لوگوں کی یہ سوچ ہے۔ لڑائی آپ کو مصروف رکھتی ہے اور لڑائی آپ کو اہم بنا دیتی ہے۔ زندگی کو کوئی نہ کوئی مقصد' خواہ کسی قدر بھدا ہو' مل جاتا ہے۔

سچی محبت کا کوئی حوالہ نہیں ہوتا۔ یہ ماضی یا مستقبل کے متعلق نہیں سوچتی' حقیقی محبت خود بخود پھوٹنے والے چشمے کی مانند ہوتی ہے۔

صبح کو پرندوں کی چہچہاہٹ' کوئل کی آواز...... بغیر کسی سبب کے ہوتی ہے۔ دل خوشی سے اس قدر لبریز ہوتا ہے کہ خود بخود ایک نغمہ پیدا ہو جاتا ہے۔ میں اسی طرح کی محبت کی بات کرتا ہوں۔ اگر آپ میں ایسی محبت کرنے کی صلاحیت ہے تو آپ اس زمین کو بہشت بنانا شروع کر دیں گے۔

محبت' محبت کو جنم دیتی ہے جیسے نفرت' نفرت کو جنم دیتی ہے
اس دنیا میں
نفرت کے ذریعے نفرت کبھی ختم نہیں ہوتی
صرف محبت ہی نفرت کو ختم کرتی ہے
ازل سے یہی قانون ہے

تاریکی سے تاریکی کو زائل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کام صرف روشنی ہی کر سکتی ہے۔ محبت آپ کی ذات کی روشنی ہے اور نفرت آپ کی ذات کی تاریکی۔ اگر آپ کے اندرون تاریکی ہے تو آپ اپنے اردگرد نفرت پھیلاتے ہیں۔ اگر آپ کے اندر روشنی ہے تو آپ اپنے اردگرد کو محبت سے منور کر رہے ہیں۔

اخلاقیات کے اساتذہ' رہنما' ناصح اور مذہبی عارفوں کے طریقہ کار میں بہت فرق ہے۔ ناصح چیختے رہتے ہیں کہ تاریکی سے لڑو' نفرت سے لڑو' غصے سے لڑو' جنس سے لڑو'

اس سے لڑو اُس سے لڑو۔ ان کی طرزِ سوچ یہ ہے کہ منفی سے لڑو جبکہ حقیقی استاد آپ کو مثبت قانون کی تعلیم دے گا۔ Acs dhammo sanan to no یعنی تاریکی سے مت لڑو۔

اپنے اندر روشنی لے کر آؤ......

روشنی کو اندر کیسے لایا جا سکتا ہے؟ خاموش ہو جائیں، ذہن سے تمام خیالات نکال دیں، چوکنے اور ہوشیار ہو جائیں، جاگ جائیں۔ اسی طرح روشنی کو اندر لایا جا سکتا ہے۔ جس لمحے آپ ہوشیار اور بیدار ہو جائیں گے تاریکی غائب ہو جائے گی۔ آگہی کے ساتھ کسی سے نفرت کا تجربہ کریں...... آپ ایسا نہیں کر سکیں گے۔

یہ الفاظ نہیں ہیں جنہیں سمجھنا ہے بلکہ تجربات ہیں جن سے گزرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں کہتا ہوں کہ محض عقلی طور پر سمجھنے کی ضرورت نہیں بلکہ وجودی سطح پر بھی تجربہ کریں۔

شعوری طور پر آپ کسی سے نفرت کی کوشش کریں تو آپ نفرت نہیں کر سکیں گے۔ شعور ختم ہونے کی صورت میں ہی آپ نفرت کر سکیں گے۔ شعور اور نفرت ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ اندھیرا اور اُجالا اکھٹے نہیں رہ سکتے کیونکہ اندھیرا اجالے کی عدم موجودگی کے سوا کچھ نہیں۔ حقیقی اساتذہ آپ کو خدا تک پہنچنے کا راستہ دکھائیں گے۔ وہ آپ کو دنیا چھوڑنے کی تلقین کبھی نہیں کریں گے۔ ترکِ دنیا ایک منفی سوچ ہے۔ وہ آپ کو فرار کا راستہ نہیں دکھاتے وہ آپ کو سچائی کے حصول کے بارے میں بتائیں گے، جھوٹ سے لڑنے کا نہیں کہیں گے۔ جھوٹ تو ان گنت ہیں۔ ان کا خاتمہ ممکن نہیں جبکہ سچائی صرف ایک ہے۔ اس لیے سچائی کو فوری حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ایک روز آپ کو بھی مرنا ہے
یہ جانتے ہوئے بھی آپ کیسے لڑ جھگڑ سکتے ہیں

زندگی کتنی مختصر ہے۔ کتنی لمحاتی اور عارضی ہے اور آپ اسے لڑنے میں ضائع کر رہے ہیں؟ اپنی پوری توانائی کو میڈیٹیشن کیلئے استعمال کریں۔ توانائی ایک ہے خواہ آپ

اسے لڑنے میں ضائع کر دیں یا اس کے ذریعے روشنی بن جائیں۔

ہوا ایک کمزور درخت کو کتنی آسانی گرا دیتی ہے
اگر حیات میں (جسمانی) لذت تلاش کی
اور کھانے پینے اور سونے میں ہی مگن رہے
تو آپ کو بھی اکھاڑ کر پھینک دیا جائے گا

بدھا کہتا ہے: یاد رکھو اگر تم نے حواس پر بھروسہ کیا تو تم بہت بودے ہو جاؤ گے کیونکہ حواس آپ کو قوت نہیں بخشتے۔ یہ آپ کو کوئی مستقل بنیاد فراہم نہیں کرتے۔ ان میں ہر وقت تغیر آتا رہتا ہے۔ لہٰذا ہر شئے ہر لمحے بدلتی رہتی ہے۔ ایک لمحے ایک عورت حسین محسوس ہوتی ہے تو دوسرے لمحے کوئی اور عورت۔ اگر آپ حواس کے بھروسے فیصلہ کریں گے تو آپ مستقل انتشار کا شکار رہیں گے۔ آپ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پاتے کیونکہ حواس کے فیصلے بدلتے رہتے ہیں۔ ایک لمحے آپ ایک چیز کے بغیر نہیں جی سکتے اور دوسرے لمحے آپ کا دل اس سے اُکتا جاتا ہے۔ کیا آپ انہی حواس پر بھروسہ کیے ہوئے ہیں؟

بدھا کہتا ہے: حواس پر بھروسہ مت کرو، آگہی پر بھروسہ کرو۔ آگہی کہیں حواس کے پیچھے چھپی ہوتی ہے۔ دیکھنا آنکھ کا کام نہیں ہے۔ آنکھ کا ماہر یہی کہے گا کہ آنکھ دیکھتی ہے۔ مگر یہ درست نہیں ہے آنکھ صرف ایک کھڑکی ہے۔ جس کے ذریعے کوئی اور دیکھتا ہے۔ آنکھ ایک کھڑکی ہے اور کھڑکی دیکھ نہیں سکتی۔ جب آپ کھڑکی میں کھڑے ہوتے ہیں تو آپ باہر کی طرف دیکھ سکتے ہیں۔ کوئی راہگیر خیال کر سکتا ہے کہ یہ کھڑکی اُسے دیکھ رہی ہے۔

آنکھ محض ایک کھڑکی ہے ایک روزن ہے۔ آنکھ کے پیچھے کون ہے؟

کان سننے کا کام نہیں کرتا۔ پس پردہ کون ہے؟ تلاش جاری رکھیں اور کبھی نہ کبھی آپ کو کوئی بنیاد مل جائے گی۔ بصورتِ دیگر آپ کی زندگی ہوا کے سامنے خس و خاشاک کی سی ہوگی۔

ہوا ایک پہاڑ کو نہیں گرا سکتی

ترغیبات ایک ایسے انسان کو نہیں چُھو سکتیں
جو اپنے اوپر قدرت رکھتا ہو
اور قانونِ فطرت سمجھتا ہو۔

میڈیٹیشن آپ کو آگہی دے گی۔ آپ کو مضبوط اور منکسر المزاج بنائے گی۔ یہ آپ کو پہلی مرتبہ آپ کے ہونے کا تجربہ دے گی۔ آپ محض جسم یا دماغ نہیں ہیں۔ آپ مشاہدہ کرتے ہوئے شعور ہیں۔ جب اس مشاہدہ کرتے ہوئے شعور کو چُھوا جاتا ہے تو آپ اس سانپ کی طرح اچانک جاگ جاتے ہیں جو کنڈلی مارے سو رہا تھا۔ پہلی مرتبہ آپ کو جاگنے کا احساس ہوتا ہے۔ پہلی مرتبہ آپ اپنی ذات کی تصدیق کرتے ہیں۔

یقیناً یہ چیز آپ کو توانا بناتی ہے۔ اب آپ اس کمزور درخت کی طرح نازک نہیں ہیں جسے ہوا کا تیز جھونکا گرا سکتا ہے۔ اب آپ مضبوط چٹان بن جاتے ہیں۔ اب آپ کی ایک مضبوط بنیاد ہے۔ آپ کی جڑیں گہری ہیں۔ مگر پھر بھی آپ میں عاجزی ہوتی ہے آپ میں تکبر پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب آپ کو معلوم ہے کہ اسی قسم کی مشاہدہ کرتی ہوئی روح ہر انسان بلکہ ہر جانور اور پودوں اور پتھروں میں موجود ہے۔

جانوروں، انسانوں، پودوں، پہاڑوں سب کے انداز جدا جدا ہیں۔ مگر حقیقت میں سب میں وہی ایک مشاہدہ کرتا ہوا شعور اور وہی ایک خدا ہے۔ یہ چیز آپ میں انکساری پیدا کرتی ہے۔ آپ آگاہ ہو جاتے ہیں کہ ساری حیات ایک ہی قسم کے مادے یعنی شعور سے بنی ہے۔ اور اگر آپ جاگ رہے ہیں اور مضبوط ہیں اور عاجز ہیں تو آپ اپنے اوپر قدرت رکھتے ہیں۔

دوسرا حصہ

نئے انسان کی خوبیاں

The Qualities of Homo Novus

نئے انسان کی خوبیاں

The Qualities of Homo Novus

زندگی کو دو طرح سے بسر کیا جا سکتا ہے: ایک حسابی طریقہ سے اور دوسرا شاعرانہ طریقہ سے۔ حسابی پہلو سائنس، کاروبار، سیاست کو جنم دیتا ہے۔ اور دوسرا غیر حسابی پہلو جو شاعری اور موسیقی پیدا کرتا ہے۔ ان دونوں پہلوؤں کا علیحدہ وجود ہے۔ یہ دونوں ابھی کسی ایک مقام پر نہیں ملے۔ اس لیے انسان کی حالت بہت خستہ ہے۔ وہ بے توازنی کا شکار ہے۔ ضروری ہے کہ ان دونوں کو ملایا جائے۔

سائنسی زبان میں کہا جاتا ہے کہ انسان کے دماغ کے دو حصے ہیں۔ بایاں حصہ حساب کتاب کرتا ہے، ریاضیاتی ہے، نثر ہے جبکہ بایاں حصہ شاعری ہے، محبت ہے، گیت ہے۔ ایک حصہ منطق ہے اور دوسرا محبت۔ ایک حصہ استدلال ہے اور دوسرا نغمہ۔ ابھی تک ان دونوں حصوں کا ملاپ نہیں ہوا۔ اسی لیے انسان کی شخصیت شکستہ ہے۔

میری کوشش ہے کہ ان دو علیحدہ حصوں کو ملاؤں۔ جہاں تک معروضی دنیا کا تعلق ہے انسان کو ممکن حد تک سائنسی ہونا چاہیئے اور جہاں تک اس کی انسانی تعلقات کی دنیا کا تعلق ہے اس میں جس حد تک ممکن ہو موسیقیت ہونی چاہیئے۔

آپ سے باہر دو دنیائیں ہیں۔ ایک دنیا اشیاء کی ہے یعنی مکان، فرنیچر، دولت وغیرہ۔ دوسری دنیا افراد کی ہے---- بیوی، بچے والدین، دوست وغیرہ۔ اشیاء کے ساتھ سائنٹیفک ہونا چاہیئے لیکن افراد کے ساتھ کبھی سائنسی نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر آپ افراد کے ساتھ بھی سائنٹیفک ہوتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ نے انہیں اشیاء میں بدل دیا ہے اور یہ بہت بڑا جرم ہے۔ اگر آپ اپنی بیوی کے ساتھ ایک شے کا سا سلوک کرتے ہیں، اُسے محض جنسی کھلونے کی حیثیت دیتے ہیں، تو پھر آپ کا طرزِ عمل انتہائی خوفناک ہے۔ اگر آپ اپنے شوہر کو محض مالی امداد کا ذریعہ سمجھتی ہیں تو یہ غیر اخلاقی بات ہوگی۔ یہ تعلق غیر اخلاقی

ہو گا یہ طوائفیت کے سوا کچھ بھی نہیں۔

انسانوں کو بطور ایک ذریعہ استعمال نہ کرو۔ وہ بذات خود مقصد ہیں۔ آپ کا تعلق محبت اور احترام پر مبنی ہونا چاہیئے۔ کبھی ان پر غلبہ حاصل نہ کرو اور نہ ہی خود مغلوب ہوں۔ ان کا دستِ نگر نہ بنو اور نہ ہی اپنے گرد دستِ نگر لوگ اکٹھے نہ کریں۔ کسی بھی لحاظ سے دست نگری پیدا نہ کریں۔ خود مختار (آزاد) رہیں اور دوسروں کو بھی خود مختار رہنے دیں۔

یہ شاعری ہے۔ اور اگر اشیاء کے ساتھ آپ کا تعلق سائنٹیفک ہے تو آپ کی زندگی بہت بھرپور ہو گی۔ اگر آپ میں ممکنہ حد تک موسیقیت ہے تو آپ کی زندگی میں خوبصورتی ہو گی۔ ان دونوں چیزوں کا تعلق ذہن سے ہے البتہ ایک تیسرا پہلو بھی ہے جو کہ غیر مرئی ہے، جو ذہن سے ماورا ہے۔ سائنسدان اور فنکار، ان دونوں کا تعلق ذہن سے ہے۔ اس تیسرے پہلو کا تعلق عارف (mystic) سے ہے اور اسے میڈیٹیشن کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ایک کامل انسان چیزوں کے سلسلہ میں سائنٹیفک ہوتا ہے۔ انسانوں کے ساتھ اس کا رشتہ شاعری اور جمالیات پر مبنی ہے اور اپنے متعلق وہ دھیانی (meditative) ہوتا ہے۔ انسان کو حقیقی مسرت اس وقت ملتی ہے جب ان تینوں کا میل ہوتا ہے۔

خدا کا پتہ بھی اسی وقت چلتا ہے جب ان تینوں کا مرکب بن جاتا ہے۔ ورنہ آپ کا خدا پر ایمان تو ہوتا ہے مگر آپ اسے جانتے نہیں اور عقیدہ آپ کی جہالت چھپا دیتا ہے۔ جاننا بہت بڑی چیز ہے۔ یہ آپ کو بدل کے رکھ دیتا ہے۔ صرف علم ہی سمجھ پیدا کرتا ہے۔ علم کا مطلب محض معلومات نہیں۔ علم کا مطلب ہے کہ آپ کی تمام صلاحیتوں میں ہم آہنگی اور ربط ہو۔

جب ایک سائنسدان، ایک شاعر اور ایک صوفی ملتے ہیں اور ایک بن جاتے ہیں، جب خدا کے تینوں پہلو آپ میں ظاہر ہو جاتے ہیں تو آپ خدا بن جاتے ہیں۔ پھر آپ سورج، چاند، ہواؤں کے سامنے ''انا الحق''، کہ میں ہی سچ ہوں، کا نعرہ بلند کر سکتے ہیں۔

یہ مرکب حاصل ہونے کے بعد آپ کھِل جاتے ہیں۔ آپ وہ دائمی سنہری کنول کا پھول بن جاتے ہیں جو کبھی نہیں مرجھاتا۔ یہی وہ قانون ہے جس کی تعلیم تمام بدھوں نے

آزادی

Freedom

ہمارے اندر آزادی کے پھول کی خوشبو صندل اور یاسمین کی خوشبو سے زیادہ فرحت بخش ہے۔ حقیقی پاکباز انسان آزادی سے رہتا ہے۔ وہ کسی احکامات کی پیروی نہیں کرتا، وہ کسی صحیفے کی پیروی نہیں کرتا۔ وہ کسی اور شخص کے نقشِ قدم پر نہیں چلتا بلکہ اپنے اندر کی روشنی سے مدد لیتا ہے۔ وہ اپنے من کی بات مانتا ہے۔ وہ باغی ہے۔

انسانی شعور کی فطرت آزادی ہے۔ جب میں مطلق آزادی کی بات کرتا ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ ہر لحہ کوئی بھی فیصلہ کرنے کو آزاد ہیں۔ کوئی چیز آپ کے ناموافق نہیں ہے۔ اب سے پہلے ممکن ہے آپ ولی ہوں۔ اب تک آپ نے ساری زندگی تجرد میں گزاری ہو لیکن اس لحہ آپ اپنی حالت بدل سکتے ہیں۔ آپ تجرد کا لبادہ اتار سکنے پر قادر ہیں اور کسی مرد یا عورت سے عشق میں گرفتار ہو سکتے ہیں کیونکہ ماضی میں آپ کا تجرد کی زندگی گزارنا آپ کیلئے غلامی کی زنجیر نہیں بن سکتا۔ آپ اب بھی آزاد ہیں۔ اگر آپ اس لحہ دوبارہ مجرد بننا چاہتے ہیں تو آپ بن سکتے ہیں۔ لیکن یاد رکھیں ایسا ماضی کی وجہ سے نہیں ہونا چاہئیے۔ یہ آپ کا نیا فیصلہ ہے۔ آپ کو بار بار اپنے فیصلے کرنے ہیں اور بار بار انہیں تبدیل کرنا ہے۔ اور کسی بھی لحہ آپ انہیں ختم کر سکتے ہیں۔

وجودی (Existentialists) ٹھیک ہیں۔ وہ کہتے ہیں ''ہستی (existence) روح سے پہلے آتی ہے''۔ یہ بہت معنی خیز جملہ ہے۔ ایک آدمی پیدا ہوتا ہے۔ وہ مکمل آزاد ہے۔ اس کی روح نہیں ہے صرف وجود ہے۔ پھر وہ اپنی روح (essence) کا انتخاب

کرے گا کہ وہ کیا بننا چاہتا ہے۔ یہ اس کا اپنا انتخاب ہوگا۔ وہ ایک ولی بن سکتا ہے۔ ایک گناہ گار بن سکتا ہے' ایک مجرم بن سکتا ہے' ایک قاتل بن سکتا ہے یا وہ شہید ہو سکتا ہے۔ جب وہ دنیا میں آتا ہے تو کورا کاغذ ہوتا ہے' صاف ستھرا وجود ہوتا ہے۔ زندگی کی تصویر میں وہ کون کون سے رنگ بھرے گا' کس طرح کی تصویر بنائے گا' اس کا انحصار خود اس پر ہے۔ جب وہ دنیا میں آتا ہے تو اس کا کوئی کردار نہیں ہوتا۔ وہ صرف توانائی ساتھ لاتا ہے۔ یہ توانائی ہمیشہ خالص ہوتی ہے البتہ آپ اسے کرپٹ کر سکتے ہیں۔ آپ ایک ولی بنتے ہیں لیکن یہ آپ کا اپنا فیصلہ ہے اور اگر آپ زندگی کے آخری لمحے تک اسے برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو ہر صبح' درحقیقت ہر لمحے' ہر منٹ آپ کو بار بار فیصلہ کرنا ہوگا اور اس کے حق میں رائے دینی ہوگی۔ کسی بھی لمحے آپ فیصلہ کرنا بند کر دیں۔ کسی بھی لمحے آپ کہہ سکتے ہیں۔ ''بس بہت ہو گیا اب میں تبدیل ہونا چاہتا ہوں'' کوئی شخص اسکا راستہ نہیں روکے گا۔ آپ اپنے سارے ماضی کا ایک لمحہ میں انکار کر سکتے ہیں کیونکہ وہ ماضی آپ کا فیصلہ تھا کسی اور کا نہیں۔ یہ کوئی مقدر نہیں جو باہر سے آپ پر مسلط کر دیا جائے۔ یہ آپ کا اپنا فیصلہ ہے جسے آپ کبھی بھی تبدیل کر سکتے ہیں۔

آپ ایک گناہگار بن سکتے ہیں لیکن کل آپ دوبارہ تبدیل ہو سکتے ہیں۔ آپ بطور ایک کیتھولک پادری دوبارہ حلف اٹھا سکتے ہیں یا آپ چاہیں تو مجرد بن جائیں۔

کسی دوسرے پر ذمہ داری مت ڈالیے۔ کوئی بھی آپ کے بارے میں فیصلہ نہیں کر سکتا نہ آپ کے والد نہ والدہ۔ یہ آپ ہیں جسے فیصلہ کرنا ہے۔ کوئی شخص دوسرے کو مجبور نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آزادی ہماری ذات کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔

اب تک آپ سگریٹ پیتے رہے ہیں۔ تیس سال سے آپ بہت زیادہ سگریٹ استعمال کر رہے ہیں۔ آپ میرے پاس آتے ہیں اور پوچھتے ہیں ''میں کیا کروں؟ کیسے چھوڑ دوں؟'' آپ غلط سوال پوچھ رہے ہیں۔ درحقیقت آپ سگریٹ چھوڑنا نہیں چاہتے۔ اپنے دماغ کا مشاہدہ کیجئے۔ آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ سگریٹ چھوڑنے میں سنجیدہ نہیں۔ لیکن آپ دوسرے لوگوں پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ آپ سگریٹ چھوڑنا چاہتے ہیں دوسرا یہ کہ اس تصور سے آپ اپنے بارے میں اچھا تاثر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ پھر آپ کہتے رہتے ہیں ''میں کیا کروں؟ میں تو چھوڑنا چاہتا ہوں لیکن یہ عادت اتنی پختہ ہو چکی ہے کہ نہیں چھوٹتی''۔ یہ نری حماقت ہے۔ آپ اپنے سوا کسی دوسرے کو دھوکا نہیں دے رہے۔ اگر آپ سگریٹ چھوڑنا چاہتے ہیں تو کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف ایک فیصلہ کہ آپ چھوڑنا چاہتے ہیں کافی ہے۔ آپکے ہاتھ سے آدھی جلی سگریٹ خود بخود گر جائے گی۔ لیکن آپ آزاد ہیں۔ کل دوبارہ آپ سگریٹ پینا شروع کر سکتے ہیں لیکن یہ کہہ کر شروع نہ کریں کہ ایسا آپ کی سابقہ عادت کی وجہ سے ہوا ہے ''میں نے اپنی پوری کوشش کی اور میں نے تو چھوڑ بھی دی تھی۔ 24 گھنٹے تک میں نے بالکل نہیں پی' لیکن 30 سالہ پرانی عادت نے غلبہ پالیا۔ میں نے دوبارہ شروع کر دی۔ خواہش بہت شدید تھی''۔

کسی دوسرے کو بے وقوف مت بنائیں۔ اس طرح کی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ اپنا فیصلہ دوبارہ کر رہے ہیں اگر آپ دوبارہ فیصلہ کر رہے ہیں تو پھر ٹھیک ہے۔ یاد رکھیں یہ آپ کا اپنا فیصلہ ہے کسی اور کا نہیں اور آپ آزاد ہیں۔

ملا نصیرالدین شرابی تھا ایک مرتبہ اس نے فیصلہ کیا کہ کبھی شراب نہیں پیے گا۔ ایک دن اپنی قوتِ ارادی کا امتحان لینے کیلئے وہ شراب خانے کے سامنے سے گزرا اور کہا ''میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ کبھی نہیں پیوں گا' کوئی طاقت مجھے نہیں بھٹکا سکتی'' ابھی چند قدم ہی چلا تھا اس نے اپنے آپ کو تھپکی دی اور کہا ''نصیرالدین تم بہت عظیم ہو آؤ تمہاری کچھ خاطر مدارت کروں' چلو شراب خانے چلیں''۔

اپنے آپ سے مذاق مت کریں۔ آپ کو آزادی ہے۔ لیکن آزادی بڑی خطرناک چیز ہے کیونکہ پھر آپ کو چھپنے کی کوئی جگہ نہیں ملتی۔ آپ دوسروں پر ذمہ داری نہیں ڈال سکتے۔ صرف آپ ذمہ دار ہیں۔ چاہے آپ شراب چھوڑنے کا فیصلہ کریں یا دوبارہ پینے کا' اپنی آزادی کو ہمیشہ ذہن میں رکھیں۔ اگر آپ دوبارہ پینا شروع کرتے ہیں تو یہ آپ کا تازہ فیصلہ ہے اس کا پچھلی عادت سے کوئی تعلق نہیں۔

میں آپ کو آپ کی آزادی سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں اگر آپ نام نہاد ولیوں پیروں کے پاس جاتے ہیں تو وہ آپ کو آپ کی میکانکیت کے بارے میں آگاہ کریں گے۔ اور وہ آپ میں ایک نیا میکانکی عمل شروع کریں گے۔ وہ کہیں گے ''تم تیس سال تک

سگریٹ پیتے رہے ہو؟ اب عہد کرو کہ آئندہ کبھی سگریٹ نہیں پیو گے'' پرانی عادت موجود ہے اب وہ کہہ رہے ہیں کہ پرانی عادت سے چھٹکارا پانے کیلئے ایک بڑی عادت اپنا لو۔ اس طرح سگریٹ نہ پینا عادت بن جاتی ہے۔ لیکن آزادی کہاں ہے؟ آپ سگریٹ پئیں یا نہ پئیں اس سے فرق نہیں پڑتا۔ یہ محض عادت کی غلامی ہے۔

میرا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ کو آپ کی آزادی سے باخبر کروں۔ اپنی زندگی کو آزادی سے پھوٹنے دیں۔ یہ آپ پر ہے کہ جو بھی فیصلہ کریں۔ میں کون ہوتا ہوں کہ سگریٹ پینے یا چھوڑنے کے بارے میں کچھ بتاؤں؟ آپ خود اپنے مالک ہیں۔ کبھی وہ کام نہ کریں جو آپ کی آزادی کے خلاف جائے۔ آزادی سے کام کرنا نیکی ہے اور غلامی میں کام کرنا گناہ ہے۔

آزادی کی تین اقسام ہیں۔ پہلی قسم ہے ''(کسی) سے آزادی'' یہ منفی آزادی ہے۔ باپ سے آزادی، ماں سے آزادی، چرچ سے آزادی، معاشرے سے آزادی، یہ شروع میں اچھی ہوتی ہے لیکن یہ آپ کی منزل نہیں بن سکتی۔ اپنے والدین سے آزاد ہونے کے بعد آپ کیا کریں گے؟ ایک مرتبہ معاشرے سے آزاد ہونے کے بعد آپ پریشان ہو جائیں گے۔ آپ اپنی اہمیت کھو دیں گے کیونکہ آپ کی ساری زندگی کا مقصد ''نہیں'' کہنے میں ہے۔ اب آپ کسے ''نہیں'' کہیں گے؟

ایک نوجوان میرے پاس آیا۔ وہ کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ وہ برہمن کی اعلیٰ نسل سے تھا جبکہ لڑکی پارسی تھی۔ والدین اس شادی کے شدید مخالف تھے۔ انہوں نے بتا دیا تھا کہ اگر اس نے یہ شادی کی تو وہ اسے عاق کر دیں گے۔ جتنا والدین کا رویہ سخت ہوتا گیا اتنا ہی اس کا شادی کا ارادہ مضبوط ہوتا گیا۔ وہ میرے پاس راہنمائی کیلئے آیا۔

میں نے کہا ''صرف تین دن تک ایک چیز پر غور کرو کہ آیا تمہیں واقعی اس لڑکی میں دلچسپی ہے یا تمہیں صرف اپنے والدین کو ''نہیں'' کہنے میں دلچسپی ہے''۔

اس نے کہا ''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں، میں اس لڑکی سے پیار کرتا ہوں''۔

میں نے کہا اگر واقعی ایسا ہے تو شادی کر لو۔ لیکن مجھے تمہاری آنکھوں میں محبت نظر نہیں آ رہی۔ مجھے تمہارے گرد سیاہ اور منفی ہالا نظر آ رہا ہے۔ یہ بتا رہا ہے کہ تم اپنے والدین کے خلاف جانے کا تہیہ کئے ہوئے ہو۔ لڑکی تو صرف بہانہ ہے۔

لیکن اس نے میری ایک نہ سُنی۔ اگر وہ اپنے والدین کی نہیں سن رہا تو مجھے کیوں خاطر میں لاتا۔ اس نے شادی کر لی۔ چھ ماہ کے بعد وہ روتے ہوئے میرے پاس آیا۔ وہ میرے پاؤں میں گر کر بولا ''آپ ٹھیک کہتے تھے، مجھے اس لڑکی سے محبت نہیں تھی، آپ کی تشخیص درست تھی اب جب کہ میں نے اس سے شادی کر لی ہے اور اپنے والدین کو چھوڑ دیا ہے تو تمام محبت غائب ہو گئی ہے۔ یہ ہے ''سے آزادی''

دوسری قسم ''کے لیے آزادی'' کی ہے۔ یہ مثبت آزادی ہے۔ آپ کی دلچسپی کسی چیز کے انکار میں نہیں ہے بلکہ آپ کچھ تخلیق کرنا چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ شاعر بننا چاہتے ہیں اس لیے آپ کو اپنے والدین کو ''نہیں'' کہنا پڑے گا آپ پیدائشی شاعر ہیں لیکن آپ کے والدین آپ کو پلمبر بنانا چاہتے ہیں۔ پلمبر، شاعر کی نسبت زیادہ پیسے کماتا ہے، زیادہ معزز ہے۔ لوگ آپ کو پاگل سمجھیں گے آپ کا معیارِ زندگی کیا ہوگا؟ آپ اپنے بیوی بچوں کو کیسے پالیں گے؟ شاعری تو پیٹ نہیں بھر سکتی۔

لیکن اگر آپ شاعری کیلئے بنے ہیں تو ہر طرح کے خطرہ کیلئے تیار رہیں۔ یہ بلند درجہ کی آزادی ہے۔ حتیٰ کہ اگر آپ کو غربت کی زندگی بھی گزارنا پڑی تو آپ مطمئن ہوں گے، خوش ہوں گے۔ اگر آپ کو شاعری برقرار رکھنے کیلئے لکڑیاں بھی کاٹنا پڑیں تو آپ بے فکر ہوں گے کیونکہ آپ نے وہ پالیا ہے جو آپ چاہتے تھے۔ یہ مثبت آزادی ہے۔

ایک تیسری اعلیٰ درجے کی آزادی ہے۔ مشرق میں اسے ''موکشا'' کہتے ہیں یعنی مطلق آزادی جو ان دونوں مثبت اور منفی آزادی سے ماورا ہے۔ پہلے ''نہیں'' کہنا سیکھیں۔ پھر ''ہاں'' کہنا سیکھیں اور پھر دونوں ہی کو بھول جائیں۔ یہ تیسری آزادی کسی سے آزادی نہیں ہے نہ ہی کسی چیز کیلئے آزادی ہے بلکہ یہ محض آزادی ہے۔ فرد صرف آزاد ہوتا ہے نہ کسی کے حق میں نہ خلاف۔

''سے آزادی'' کا عمل سیاسی ہے اسی لیے تمام سیاسی انقلابات کامیاب ہوتے ہی ناکام ہو گئے۔ جب تک وہ کامیاب نہیں ہو جاتے وہ حرکت میں رہتے ہیں لیکن جیسے ہی وہ کامیاب ہوتے ہیں ناکام ہونا شروع ہو جاتے ہیں کیونکہ پھر ان کے پاس کرنے کو کچھ

نہیں رہتا۔ یہی فرانسیسی انقلاب میں ہوا اور یہی روسی انقلاب میں۔ جب زار ہٹ گیا تو پریشان ہیں کہ کیا کیا جائے؟ آپ کی تو ساری زندگی زار کے خلاف وقف تھی۔ جب زار جا چکا تو آپ کا تمام ہنر بیکار۔ آپ اپنے آپ کو بہت کھوکھلا اور خالی پائیں گے۔

"کیلئے آزادی" فنکارانہ ہے۔ تخلیقی ہے، سائنسی ہے اور مطلق آزادی" دھرم کی ہے جب "ہاں" "ناں" کو ختم کر دے تو پھر دونوں ہی کی ضرورت نہیں رہتی، یہ خوشی کی اور آزادی کی مُنتہا ہے۔

میں آپ کو ایک دلچسپ قدیم کہانی سناتا ہوں۔ کسی جگہ ایک عقلمند بادشاہ تھا۔ اس کے وزیر اعظم نے دغا کیا اور ملکی راز پڑوسی ملک کے حوالے کر دیئے۔ وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ اس کے جرم کی سزا صرف موت تھی۔ لیکن بادشاہ نے اس سے ہمیشہ پیار کیا تھا۔ اسے سزائے موت سنا دی گئی۔ بادشاہ نے اسے ایک موقع دیا۔ اگلے دن تمام درباری بلائے گئے، ایک طرف اسے مارنے کیلئے بندوق تھی اور دوسری طرف ایک سیاہ دروازہ۔ بادشاہ نے کہا "تمہیں اختیار ہے یا تو موت قبول کر لو یا اس دروازے میں داخل ہو جاؤ"۔ اس نے پوچھا "اس دروازے کے پیچھے کیا ہے؟" بادشاہ نے کہا "یہ بتانے کی مجھے اجازت نہیں۔ یہ کسی کو بھی نہیں پتہ کیونکہ آج تک کوئی اس میں داخل نہیں ہوا۔ میرے والد اور دادا کے دور میں بھی یہ موقع دیا گیا لیکن کسی نے اس کا انتخاب نہیں کیا"۔ انتخاب تم نے کرنا ہے۔

وزیر اعظم نے بہت سوچا اور آخر کار بندوق کا انتخاب کیا۔ اس نے کہا "مجھے مار دو مگر میں سیاہ دروازے کا انتخاب نہیں کروں گا۔ اسے مار دیا گیا۔ ملکہ کو بہت تجسس ہوا۔ اس نے دروازے کے متعلق دریافت کیا تو بادشاہ نے مُسکرا کر کہا "مجھے معلوم ہے کہ دروازے کے پیچھے کچھ بھی نہیں ہے۔ صرف آزادی ہے لیکن کسی نے کبھی اس کا انتخاب نہیں کیا۔

لوگ نامعلوم کے انتخاب سے پہلے موت کا انتخاب کر لیتے ہیں۔ نامعلوم اُنہیں موت سے بھی زیادہ بھیانک دکھائی دیتا ہے۔ وہ نامعلوم دروازہ آزادی کا ہے۔ آزادی کا مطلب ہے نامعلوم سمت کی جانب بڑھنا۔ غیر یقینی صورت حال کا انتخاب کرنا۔ کبھی کبھار کوئی بدھا یا مسیح اس دروازے کا انتخاب کر لیتا ہے باقی تمام بندوق کا انتخاب کرتے ہیں۔

تخلیقیت

Creativity

آپ خواہ کوئی بھی کام کر رہے ہیں اگر خوش دلی سے کر رہے ہیں، محبت سے کر رہے ہیں اور آپ کے کام کرنے کا مقصد محض مالی نفع حاصل کرنا نہیں ہے تو اسے تخلیقی کام کہا جائے گا۔ اگر اس کام کے نتیجے میں آپ کے اندر نشوونما ہوتی ہے تو یہ کام تخلیقی ہے، روحانی ہے۔

جتنا زیادہ آپ تخلیقی ہوتے جاتے ہیں اتنا ہی زیادہ آپ روحانی ہوتے جاتے ہیں۔ دنیا کے تمام مذاہب کا کہنا ہے کہ خدا خالق ہے۔ مجھے نہیں معلوم آیا کہ خدا خالق ہے یا نہیں۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ جتنا آپ تخلیقی ہوتے جاتے ہیں اسی قدر آپ میں خدائی صفات آتی جاتی ہیں۔ جب آپ کی تخلیقیت نقطۂ عروج پر پہنچ جاتی ہے تو آپ خدا کا حصہ بن جاتے ہیں۔

تخلیقیت کا دائرہ محض فنون لطیفہ تک محدود نہیں۔ ہر کام تخلیقی ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ آپ غیر تخلیقی انداز سے تصویر بنائیں یا شاعری کریں یا تخلیقی انداز سے فرش صاف کریں۔ آپ تخلیقی انداز سے کھانا پکا سکتے ہیں۔ دراصل تخلیقیت ایک رویے کا نام ہے۔ یہ آپ کا چیزوں کو دیکھنے کا انداز ہے۔ تخلیقیت وہ صلاحیت ہے جسے آپ کوئی بھی کام کرتے ہوئے استعمال میں لاتے ہیں۔

پہلی بات جو ہمیں یاد رکھنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ تخلیقیت کو کسی مخصوص شئے کے ساتھ

محدود نہ کریں۔ ایک تخلیقی شخص کے ہر کام میں تخلیقیت کی جھلک نمایاں ہوگی خواہ وہ پیدل چلے یا خاموش بیٹھے اور کچھ نہ کرے۔ حتیٰ کہ کچھ نہ کرنا بھی تخلیقی عمل ہوگا۔ بدھا بدھی درخت کے نیچے بیٹھ کر کچھ نہیں کرتا تھا لیکن کیا دنیا کے پاس اس سے بڑا تخلیق کار ہے؟ جب آپ یہ بات سمجھ جائیں گے کہ فرد تخلیقی یا غیر تخلیقی ہوتا ہے تو آپ کا اپنی تخلیقیت تلاش کرنے کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

ہر شخص مصور نہیں بن سکتا اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ اگر ہر شخص مصور ہوتا تو یہ دنیا انتہائی بدصورت ہوتی۔ اسی طرح ہر شخص کو رقاص بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ ہر شخص تخلیقی ضرور ہو سکتا ہے۔

تمام بچے تخلیقی قوت کے حامل ہوتے ہیں۔ اگر آپ تخلیقی بننا چاہتے ہیں تو دوبارہ بچے بن جائیں۔ تخلیقیت کیلئے آزادی کی ضرورت ہے۔ ذہن سے آزادی، علم سے آزادی، تعصبات سے آزادی۔

تخلیقی شخص وہ ہوتا ہے جو نیا تجربہ کرسکتا ہے، جو بنے بنائے راستہ پر نہیں چلتا۔

تمام بچے خواہ کہیں پیدا ہوں تخلیقی ہوتے ہیں، لیکن ہم ان کی تخلیقیت کو بڑھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ہم ان کی تخلیقیت کو برباد کر دیتے ہیں۔ ہم انہیں "صراطِ مستقیم" دکھانا شروع کر دیتے ہیں۔

یاد رکھیں! ایک تخلیقی فرد غلط چیزوں کا تجربہ کرتا رہتا ہے۔ اگر آپ ہمیشہ ہر کام کو ٹھیک انداز سے کرنے کے عادی ہیں تو آپ کبھی بھی تخلیقی نہیں ہو سکتے کیونکہ "صحیح طریقہ" کا مطلب وہ راستہ ہے جو دوسروں نے دریافت کیا۔ اس راستہ پر چل کر آپ کچھ نہ کچھ بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ آپ کاریگر بن جائیں گے۔ اچھے مکینک بن جائیں گے مگر تخلیقی ہرگز نہیں۔

ایک پیدا کار (Producer) اور تخلیق کار میں یہی فرق ہے۔ پیدا کار کام کرنے کے ٹھیک طریقہ سے آگاہ ہے۔ وہ کم محنت سے اچھے نتائج حاصل کرسکتا ہے۔ ایک تخلیق کار کو ٹھیک طریقہ سے کام کرنے کا نہیں پتہ ہوتا۔ اس لیے وہ مختلف سمتوں میں رستہ

تلاش کرتا رہتا ہے۔ اکثر اوقات وہ غلط سمت میں بھی چل پڑتا ہے۔ مگر وہ جہاں کہیں بھی جاتا ہے، کچھ سیکھ کر آتا ہے۔ آخر کار وہ ایسا کام کر گزرتا ہے جو اب سے پہلے کسی نے نہیں کیا ہوتا۔ اگر وہ پہلے سے مسلّمہ "درست سمت" کی طرف چل پڑتا تو ایسا ہرگز نہ کر پاتا۔ میں آپ کو ایک چھوٹی سی کہانی سناتا ہوں۔

استاد نے طالب علموں سے کہا کہ "مقدس خاندان" کی تصویر بنائیں۔ سب بچوں نے روایتی تصویریں بنائیں جیسے مقدس خاندان کھرلی میں، یا مقدس خاندان خچر پر سواری کرتے ہوئے وغیرہ۔

استاد نے صرف ایک بچے کو بلایا اور کہا کہ وہ اپنی تصویر کی وضاحت کرے جس میں ایک جہاز میں چار سر نظر آرہے تھے۔ استاد نے پوچھا کہ تین سر تو جوزف، مریم اور عیسیٰ کے ہیں، یہ چوتھا سر کس کا ہے؟ بچے نے کہا یہ پائلٹ ہے، اس بچے نے کچھ دریافت کیا ہے یہی تخلیقیت ہے۔

لیکن صرف بچے ہی ایسا کر سکتے ہیں، آپ ایسا کرنے سے ڈریں گے۔ آپ کو بے وقوف نظر آنے کا ڈر ہوگا۔ ایک تخلیق کار میں اتنا حوصلہ ہونا چاہیئے کہ بے وقوف نظر آئے۔ اسے اپنے مہذب پن کو داؤ پر لگا دینا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ شاعر، ادیب، موسیقار، مصور، رقاص زیادہ مہذب افراد نہیں ہیں۔ جب وہ 'مہذب' بن جاتے ہیں، جب انہیں نوبل پرائز مل جاتا ہے تو ان کی تخلیقیت ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

کیا آپ نے کسی معزز فرد کو کوئی تخلیقی کام کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ معزز آدمی بزدل اور خوفزدہ ہوتا ہے کہ کہیں اس سے کچھ غلط نہ سرزد ہو جائے۔ اس لیے جب فنکار معزز بن جاتا ہے تو وہ بانجھ ہو جاتا ہے۔

صرف وہ لوگ تخلیقی ہوتے ہیں جو اپنے وقار، عزت، انا کو بار بار خطرے میں ڈالنے کو تیار ہیں اور وہ کام کرنے کو تیار ہیں جسے کوئی اور کرنا پسند نہیں کرتا۔ تخلیق کاروں کو ہمیشہ ہی دیوانہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ ان کی ہر بات زمانے سے نرالی ہوتی ہے۔

بچہ تخلیق کار بننے کے پورے امکانات کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ ہم انہیں کام ٹھیک سے کرنے کا طریقہ سکھانا شروع کر دیتے ہیں۔ جب انہیں ٹھیک طریقہ کا پتہ چل جاتا ہے' وہ روبوٹ بن جاتے ہیں۔ پھر وہ صحیح کام بار بار کرتے رہتے ہیں۔ جتنا زیادہ وہ درست کام کرتے ہیں اتنا ہی زیادہ وہ مستعد ہوتے جاتے ہیں' اتنا ہی زیادہ معزز ہوتے جاتے ہیں۔

7 اور 14 برس کی عمر کے درمیان بچے میں کہیں ایک بڑی تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ ماہرین نفسیات یہ دریافت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ایسا کیوں ہوتا ہے اور کیا ہوتا ہے؟ دماغ کے دو حصے ہیں' دایاں اور بایاں۔ بایاں حصہ غیر تخلیقی ہوتا ہے۔ اس کی تکنیکی صلاحیت بہت زیادہ ہوتی ہے لیکن یہ تخلیقی صلاحیت سے بالکل عاری ہوتا ہے۔ یہ وہی کام کر سکتا ہے جو ایک مرتبہ سیکھ لے۔ بایاں حصہ عقل کا ہے' منطق کا ہے' ریاضی کا ہے' نثر کا ہے' ہوشیاری کا ہے' نظم وضبط کا ہے۔

دایاں حصہ اس کے بالکل الٹ ہے۔ یہ انتشار کا حصہ ہے نہ کہ نظم وضبط کا' شاعری کا ہے نہ کہ نثر کا' محبت کا ہے نہ کہ منطق کا۔ اس کی جمالیاتی حس بہت تیز ہے مگر یہ مستعد ہرگز نہیں۔ تخلیق کار مستعد نہیں ہوتا۔ اس کا کام تو تجربے کرتے رہنا ہے۔

تخلیق کار کا کوئی ایک ٹھکانہ نہیں ہو سکتا۔ وہ سیلانی ہوتا ہے۔ اپنے کندھوں پر خیمہ اٹھائے پھرتا ہے۔ اگر رات کہیں قیام کرتا ہے تو صبح ہوتے ہی کہیں اور چل پڑے گا۔ اس کیلئے کسی ایک جگہ مستقل قیام کا مطلب موت ہے۔ وہ ہر وقت خطرے مول لینے کو تیار رہتا ہے' خطروں سے کھیلنا اس کا مشغلہ ہے۔

یہ دماغ کا دایاں حصہ ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو یہ حصہ کام کر رہا ہوتا ہے۔ ابھی بائیں حصے نے کام شروع نہیں کیا ہوتا۔ پھر ہم بچے کو تعلیم دینا شروع کرتے ہیں۔ سینکڑوں برس کے تجربہ کے بعد ہم نے یہ گر سیکھ لیا ہے کہ توانائی دائیں حصہ سے بائیں حصہ میں کیسے منتقل کرنا ہے۔ کنڈر گارٹن سے یونیورسٹی کی سطح تک یہی ہماری نام نہاد تعلیم ہے۔ ساری کوشش اس بات کی ہوتی ہے کہ دائیں حصہ کو کیسے مفلوج کیا جائے اور بائیں حصہ کو کیسے فعال بنایا جائے۔ 7 اور 14 برس کی عمر کے درمیان آخر کار ہم جیت جاتے ہیں

مگر بچہ ہار جاتا ہے' وہ تباہ ہو جاتا ہے۔

اب بچہ مہذب شہری بن جاتا ہے وہ نظم وضبط' زبان' منطق سیکھتا ہے۔ وہ سکول میں مقابلہ بازی شروع کر دیتا ہے۔ انا پرست بن جاتا ہے اور معاشرے میں جو اعصابی تناؤ کی چیزیں ہیں سیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ طاقت اور دولت میں زیادہ دلچسپی لینا شروع کر دیتا ہے۔ یہ سوچنا شروع کر دیتا ہے کہ کیسے زیادہ تعلیم یافتہ ہوا جائے تا کہ وہ زیادہ طاقتور بنے' کیسے زیادہ دولت مند بنے' کیسے ایک بڑا مکان حاصل کرے۔

اس طرح آپ کے دماغ کا دایاں حصہ کم سے کم کام کرتا ہے یا صرف اس وقت کام کرتا ہے جب یہ گہری نیند میں خواب دیکھ رہا ہو یا جب آپ نشے کی حالت میں ہوں۔

مغرب میں نشے کی مانگ اسی لیے زیادہ ہے کہ لازمی تعلیم کی بدولت مغرب دائیں حصے کو مفلوج کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

مغرب میں ضرورت سے زیادہ تعلیم ہو گئی ہے جب تک سکولوں' کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دماغ کے دائیں حصے کے کام کو بحال نہیں کیا جاتا' نشے سے چھٹکارا حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اسے صرف قانون کی مدد سے نہیں روکا جا سکتا۔ اس کا ایک ہی حل ہے کہ داخلی توازن کو درست کیا جائے۔

نشے کی طرف رغبت اس لیے ہوتی ہے کہ یہ آپ کی توانائی کو فوراً بائیں حصے سے دائیں حصہ میں منتقل کر دیتا ہے۔ نشہ آور اشیاء صدیوں سے یہی کام کرتی آ رہی ہیں۔

نشہ کرنے والا مجرم نہیں ہے۔ مجرم تو سیاست دان اور تعلیم و تربیت فراہم کرنے والے حضرات ہیں۔ انہوں نے انسانی ذہن کو یکطرفہ بنا دیا ہے۔ شاعری' حسن' محبت انسانوں کی زندگیوں سے غائب ہو گئیں ہیں۔ دولت' طاقت اور غلبہ خدا بن گئے ہیں۔ انسانیت محبت' شاعری اور مسرت کے بغیر کتنا عرصہ جی سکے گی؟

جسے ایک مرتبہ نشے کا چسکہ پڑ جائے اس کیلئے اسے چھوڑنا کافی مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر شاعری' حسن' محبت کو اظہار کے مواقع ملیں تو اسے چھوڑنا آسان ہو جاتا ہے۔ میڈیٹیشن بھی یہی کام کرتی ہے۔ یہ آپ کے ذہن کو بائیں حصے سے دائیں حصے میں منتقل

کر دیتی ہے اور آپ کی تخلیقی صلاحیتوں کو اظہار کا موقع مل جاتا ہے۔

بچوں کو سکھایا جانا چاہیئے کہ دماغ کے دونوں حصے ان کے ہیں اور انہیں کیسے اور کب استعمال کرنا چاہیئے۔ بعض حالات مثلاً روزمرہ کی کاروباری زندگی میں صرف بائیں حصے کو استعمال کرنا چاہیئے۔ اسی طرح بعض اوقات آپ کو صرف دائیں حصے کی ضرورت پڑتی ہے۔

یاد رکھیں کہ دایاں حصہ مقصد ہے اور بایاں حصہ صرف ذریعہ۔ دایاں حصہ حاکم ہے اور بایاں حصہ اس کے لیے کام کرتا ہے۔ آپ پیسہ اس لیے کماتے ہیں کہ آپ زندگی سے لطف اندوز ہوسکیں۔ کام اس لیے کرتے ہیں تاکہ آپ کھیل سکیں۔ کھیل ہمیشہ آپ کی منزل رہتا ہے۔ سکون کیلئے کام کیا جاتا ہے۔ آرام نہ کہ کام آپ کا مقصد ہے۔

ماضی سے ہی کام کی اخلاقیات کی تلوار ہمارے سر پر لٹک رہی ہے۔ اس سے جان چھڑانا ہوگی۔ تعلیمی دنیا میں انقلاب کی ضرورت ہے۔ بچوں پر پرانے انداز کی چیزیں مسلط نہیں کرنا چاہئیں۔ آپ کی تعلیم کیا ہے؟ کیا آپ نے کبھی اس پر غور کیا ہے؟ یہ صرف یادداشت کی تربیت ہوتی ہے۔ اس کے ذریعے آپ تعلیم یافتہ نہیں بن سکتے۔ بلکہ آپ زیادہ سے زیادہ بے وقوف ضرور بن جاتے ہیں۔ جب بچہ سکول میں قدم رکھتا ہے تو ذہین ہوتا ہے مگر شاید ہی ایسا ہوتا ہے کہ یونیورسٹی سے نکلتے وقت بھی وہ ذہین ہی ہو۔ آپ کو بھاری قیمت ادا کرنا پڑتی ہے یعنی آپ کو اپنی ذہانت قربان کرنا پڑتی ہے۔ آپ اپنی خوشی اور اپنی زندگی ضائع کر دیتے ہیں کیونکہ آپ دماغ کا دایاں حصہ برباد کر چکے ہوتے ہیں۔

آپ نے کیا سیکھا ہے؟ محض معلومات؟ آپ کا ذہن معلومات سے بھرا ہوتا ہے۔ امتحان آپ کی یادداشت کا لیا جاتا ہے۔ اس شخص کو بہت ذہین سمجھا جاتا ہے جو اس قابل ہو کہ ہر اس شئے کی قے کر دے جو اس کے اندر ٹھنسی ہوتی ہے۔ پہلے اسے مجبور کیا جاتا ہے کہ غیر ضروری چیزوں کو نگلتا جائے اور پھر امتحان میں انہی چیزوں کی قے کر دے۔ اگر آپ اچھے طریقے سے قے کر سکتے ہیں تو آپ ذہین ہیں، اگر آپ بالکل اسی شے کی قے کر دیں جو آپ نے نگلی تھی تو آپ بہت ذہین ہیں۔ آپ کو گولڈ میڈل دیا جائے گا۔

اس چیز کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ آپ بالکل وہی شے اُسی صورت میں قے کر سکتے ہیں جب وہ ہضم نہ ہوئی ہو۔ آپ چیز کو معدے میں بغیر ہضم کیئے رکھیں تو آپ ذہین ہیں۔ بڑے احمق کو بڑا ذہین سمجھا جاتا ہے۔ یہ بہت افسوس ناک صورت حال ہے۔

ذہین افراد ناکام رہتے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ البرٹ آئن سٹائن میٹرک کا امتحان پاس نہ کر سکا تھا؟ وہ تخلیقی ذہانت کا مالک تھا۔ وہ باقی سب لوگوں کی طرح بیوقوفانہ طریقہ سے اظہار نہیں کر سکتا تھا۔

تمہارے سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں میں گولڈ میڈل حاصل کرنے والے طالبعلم کسی کام کے نہیں۔ ان کی شان ان کے تمغوں کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے۔ ان کے پاس ان کی ڈگریوں کے بوجھ کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ وہ ہر شے کو دے کر ڈگری حاصل کر لیتے ہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ اصل میں ہم انھیں تباہ کر دیتے ہیں۔ انھوں نے بڑے گھاٹے کا سودا کیا ہوتا ہے۔

اس طرح کی تعلیم کو مکمل طور پر تبدیل کر دینا چاہئے۔ سکول کے کمروں میں تفریح داخل کرنے کی ضرورت ہے۔ یونیورسٹیوں میں انتشار، رقص، شاعری، گیت، تخلیقیت اور ذہانت کی ضرورت ہے۔

ایک شخص جب نئے طریق سے اظہار کرتا ہے تو اس کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہئے۔ جواب صحیح یا غلط نہیں ہونا چاہیے۔ جواب احمقانہ ہوتا ہے یا عقلمندانہ۔ صحیح اور غلط کی یہ درجہ بندی ہی فضول ہے۔ جواب یا تو احمقانہ ہوتا ہے اور دہرایا جارہا ہوتا ہے یا تخلیقی، ردعمل ظاہر کرنے والا اور عقلمندانہ ہوتا ہے۔ اگر کسی جواب کو دہرایا جارہا ہے تو اس کی حوصلہ شکنی کی جانی چاہیئے کیونکہ وہ نیا جواب نہیں ہے۔ اگر عقلمندانہ جواب مکمل طور پر درست نہیں بھی ہے اور وہ پرانے تصورات کے مطابق نہیں ہے پھر بھی اسے اس کے نئے پن کی وجہ سے سراہا جانا چاہیئے۔

ہر اس شے کا انکار کر دیں جو والدین نے، سماج نے اور آپ کے اساتذہ نے آپ کو دی ہے۔ ہر اس چیز سے نجات حاصل کر لیں جسے آپ نے پولیس مین سے، سیاست دان سے اور پادری سے حاصل کیا ہے۔ پھر آپ کے اندر وہ جوش، وہ ولولہ دوبارہ پیدا ہوگا

جس کا تجربہ آپ کو بچپن میں ہوا تھا۔ یہ ابھی بھی آپ کے انتظار میں ہے۔ یہ دبا ہوا ہے۔ آپ دوبارہ اس کا تجربہ کر سکتے ہیں۔

جب اس تخلیقی توانائی کی کنڈلی آپ کے اندر کھلتی ہے تو آپ مذہبی ہو جاتے ہیں۔ میرے نزدیک مذہبی شخص وہ ہوتا ہے جو تخلیقی ہو۔ خدا ہر شخص کو تخلیقی پیدا کرتا ہے مگر شاذ ہی کوئی اپنی تخلیقیت برقرار رکھ سکتا ہے۔

آپ کو اس جال سے باہر نکلنا ہے اور آپ نکل سکتے ہیں۔ یقیناً اس کے لئے بڑی ہمت کی ضرورت پڑے گی کیونکہ جب آپ سماج کی دی ہوئی چیزوں کا انکار کریں گے تو آپ اس کی نظروں میں گر جائیں گے۔ آپ کو معزز نہیں سمجھا جائے گا۔ آپ گنوار بننا شروع کر دیں گے۔ آپ عجوبہ معلوم ہوں گے۔ لوگ سوچیں گے کہ ''اس بیچارے کے ساتھ کچھ غلط ہوا ہے''۔ اس کیلئے بہت حوصلے کی ضرورت ہے کہ ایک ایسی زندگی کا آغاز کیا جائے جہاں لوگ آپ کو گنوار سمجھنا شروع کر دیں۔

اگر آپ تخلیقی بننا چاہتے ہیں تو آپ کو سب کچھ داؤ پر لگانا پڑے گا، اور تخلیقی بننا اس قابل ہے کہ سب کچھ داؤ پر لگا دیا جائے۔ تھوڑا سا تخلیقی بننا اس ساری دنیا اور اس کی بادشاہت سے زیادہ اہم ہے۔ وہ خوشی جو کوئی نئی چیز بنا کر، ایک گیت گا کر یا ایک چھوٹی سی تصویر بنا کر ہوتی ہے اس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ جب آپ کچھ نیا تخلیق کرتے ہیں تو آپ خالق کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں، آپ خالق کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔

جب آپ واقعی تخلیق کرتے ہیں تو دراصل خدا آپ کے ذریعہ سے تخلیق کرتا ہے۔ اسی لیے تخلیق گہری لذت کا باعث بنتی ہے اور جب آپ کسی چیز کی تکرار کر رہے ہوتے ہیں تو آپ اکیلے ہوتے ہیں۔ خدا وہاں موجود نہیں ہوتا۔ مگر تخلیقی عمل کے دوران خدا آپ کے دل میں داخل ہو جاتا ہے۔ آپ بانسری کی مانند ہو جاتے ہیں اور خدا آپ کو بجانا شروع کر دیتا ہے۔ نتیجہ میں ایک عظیم نغمہ جنم لیتا ہے۔

ہر شخص کے اندر وہ نغمہ موجود ہے اور جب تک اس نغمہ کو نہیں گایا جاتا آپ تکمیل محسوس نہیں کریں گے۔

زندہ دلی

Playfulness

زندگی کو کھیل تماشہ ہی سمجھیں تو دونوں دنیائیں آپ کی ہیں۔ یعنی آپ کیک کھا بھی سکتے ہیں اور ساتھ بھی لے جا سکتے ہیں۔ یہی اصل حسن ہے۔ یہ دنیا اور وہ دنیا، آواز اور خاموشی، محبت اور تدبر، لوگوں کے ساتھ تعلق ہونا اور تنہا ہونا، ان سب چیزوں کو ایک ساتھ ہی چلانا ہے۔ صرف اسی صورت میں آپ اپنی ذات کی گہرائی اور اپنی ذات کا قد جان سکتے ہیں۔

ہر بچے کو سکھایا جاتا ہے کہ وہ سنجیدہ، متین اور افسردہ بنے۔ ہر بچے کو سکھایا جاتا ہے کہ چھلانگ نہ لگائے، نہ بھاگے دوڑے، نہ چیخے، نہ ہی زیادہ خوش ہو، نہ اونچی آواز سے ہنسے۔ ہر بچے کو سکھایا جاتا ہے کہ ''خاموشی سے بیٹھو'' جیسے توانائی کا اظہار کرنا کوئی غلط کام ہے۔ جب بھی بچہ خوش ہوتا ہے تو خاندان اور ارد گرد کے لوگ اسے سمجھانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور جب بچہ ناخوش ہوتا ہے تو سب اس سے ہمدردی کرتے ہیں۔

جب بچہ بیمار پڑتا ہے تو سب اس کا خیال رکھتے ہیں۔ جب وہ صحتمند ہوتا ہے تو ہر کوئی اسے روکتا ہے کہ ''یہ نہ کرو، وہ نہ کرو''۔ جب بچہ بستر پر بیمار پڑا ہوتا ہے تو باپ پاس آتا ہے، ماں آتی ہے، رشتہ دار آتے ہیں، تمام اس کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ آہستہ آہستہ وہ یہ

سیکھنا شروع کر دیتا ہے کہ توانائی' خوشی اور مسرت کے اظہار میں کچھ غلط ہے۔ ناچنے' گانے' دوڑنے بھاگنے' خوشی میں چلانے کے ساتھ کوئی گڑ بڑ ہے۔ یہاں سے وہ بات کی تہہ تک پہنچتا ہے کہ اداس ہونے اور بیمار پڑنے میں کوئی اچھائی ہے۔ جب کبھی وہ اداس ہوتا ہے تو اس سے ہمدردی کی جاتی ہے' سراہا جاتا ہے۔ جب کبھی وہ صحتمند ہوتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ ہر شخص اس کے خلاف ہے۔ یہ چیز بچے کے اندر احساس گناہ پیدا کرتی ہے اور یہ احساس گناہ ساری زندگی اس کا پیچھا کرتا ہے۔

اگر آپ کسی ولی کے پاس جائیں اور اسے زور سے ہنستا ہوا دیکھیں تو آپ کو دھچکا لگے گا۔ ایک ولی اور اتنی بلند آواز سے ہنس رہا ہے؟ ایک ولی کو تو افسردہ ہونا چاہیئے۔ ولی کے متعلق آپ کا ایک مخصوص تصور ہوتا ہے شراب خانے میں ہنسنے میں کوئی مضائقہ نہیں' کسی تفریح مقام پر ہنسنے میں کوئی حرج نہیں مگر چرچ میں ہنسنا! اس کی اجازت نہیں ہے۔ گرجا گھر جاتے ہوئے آپ کو سنجیدہ ہونا چاہیئے بلکہ مردے جیسا بغیر کسی کیفیت کے ہونا چاہیئے۔

اس تربیت کا ایک بدی کا چکر ہے۔ آپ کے والدین نے آپ کی تربیت کی۔ آپ کے والدین کی ان کے والدین نے تربیت کی...... ماضی میں کہیں نہ کہیں' کچھ نہ کچھ ضرور غلط ہوا۔ یہ بات تاریخ کے سینے میں دفن ہے۔

شائد ایسا ہوا ہو کہ جو خوش ہوتا ہے اسے کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ خوشی تو ایک کھیل ہے۔ صرف اداس لوگوں کو کام کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کام کرتے ہیں تو اداس ہو جاتے ہیں' جب آپ فرض منصبی پر ہوتے ہیں تو آپ سنجیدہ ہو جاتے ہیں۔ البتہ چھٹی کے دن مختلف کیفیت ہوتی ہے۔ آپ ہنس سکتے ہیں' آپ لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

ماضی میں زندگی مشکل تھی۔ انسان فطرت کے ساتھ مسلسل جدوجہد میں تھا۔ صرف زندہ رہنا واحد مقصد تھا۔ اور ہر شخص کو سخت محنت کرنی پڑتی تھی۔ اگر آپ خوش ہیں تو

آپ ناچیں گے' کام نہیں کریں گے۔ اگر آپ خوش ہیں تو آپ گیت گانا پسند کریں گے' بانسری بجائیں گے۔ اگر آپ خوش ہیں تو ذمہ داری اور دفتر کی کسے پرواہ؟ اگر آپ خوش ہیں تو آپ آرام کرنا اور لطف اندوز ہونا چاہیں گے۔

یہ بڑی خطرناک بات تھی۔ یہی وجہ ہے کہ خوشی کی مذمت کی گئی۔ یہی آپ کو سکھایا جاتا رہا۔ یہ چیز آپ کے خون میں رچ بس گئی ہے کہ کام زندگی کی منزل ہے۔ اور ایک اچھا انسان ہمیشہ کام کرتا ہے' ایک بُرا آدمی ہر وقت فارغ رہتا ہے......

انسانی دماغ کو کام کرنے کی تربیت دی گئی ہے۔ اسی لیے کام کی تعریف کی جاتی ہے اور شوخی کی مذمت۔ ایک جواری زندہ دل ہوتا ہے اور ایک بزنس مین سنجیدہ بزنس مین کی عزت کی جاتی ہے اور جواری کی مذمت' اسے انسانیت سے گرا ہوا سمجھا جاتا ہے۔

حقیقی مذہبیت ایک بالکل مختلف شئے ہے۔ ایک جواری کا اس میں داخل ہونے کا امکان ہے۔ لیکن ایک بزنس مین کو روک دیا جائیگا۔ ایک شرابی مذہبیت میں داخل ہو سکتا ہے...... میں یہ نہیں کہہ رہا کہ آپ شرابی بن جائیں' میں زندہ دلی کی اہمیت پر زور دے رہا ہوں۔ یعنی لطف اندوز ہونے کی صلاحیت ہونی چاہیئے نہ کہ نتائج پر غور کر کے پریشان ہو کر بیٹھ رہنا۔

یسوع مسیح نے اپنے لیے مشکلات پیدا کیں۔ وہ ایک مذہبی انسان تھے۔ صحتمند' جوان' زندگی سے بھرپور' زندگی اس کا خدا تھی۔ انجیل میں ہمیں ایسے بہت سے مناظر ملتے ہیں جن میں عیسیٰ کو کھانے کی میز پر کھاتے پیتے دکھایا گیا ہے۔ یہودی یہ کیسے یقین کر سکتے تھے کہ وہ مذہبی تھا؟ اسے تو فاقہ کرنا چاہیئے تھا اور وہ ضیافتیں اڑا رہا تھا۔ وہ جہاں کہیں بھی گیا اس نے خوشیاں بکھیریں۔ وہ کس طرح کا مذہبی آدمی تھا؟

اُس کے اپنے رشتہ دار سوچتے تھے کہ وہ تھوڑا سا پاگل ہے اور سماج اسے پُرخور اور شرابی سمجھتا تھا۔ وہ ایک گناہگار تو ہو سکتا تھا مگر ولی اور پیغمبر نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسے شہر سے باہر پھانسی دی گئی۔ یہودیوں کا یہ قانون تھا۔ پھانسی دینے کے دو طریقے رائج تھے۔ قصبے میں یا قصبے کے باہر۔ جب کوئی ایسا شخص جرم کرتا جو اسی معاشرے کا ہوتو اُسے قصبے کے اندر پھانسی دی جاتی تھی۔ لیکن اگر کوئی اجنبی جرم کرتا تو اُسے علامتاً قصبہ سے باہر پھانسی دی جاتی۔

عیسیٰ کو شہر سے باہر پھانسی دی گئی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس حقیقت کو مزید تقویت دینے کیلئے اور خطرناک مجرموں کو اس کے ساتھ پھانسی دی گئی۔ ان دونوں مجرموں کے درمیان اُسے پھانسی دی گئی۔ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات نقش کی گئی کہ وہ خطرناک مجرم ہے، ہرگز احترام کے قابل نہیں، دھتکارا ہوا ہے۔ آخر اس کا گناہ کیا تھا؟ اس کا گناہ خوش ہونا تھا۔ اس کے سوا اس کا کوئی جرم نہیں تھا۔

عیسائی حضرات حقیقت بدلنے کی کوششیں کرتے رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں عیسیٰ کبھی نہیں ہنسا۔ کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ ایک آدمی جو ہر وقت کھاتا اور پیتا دکھائی دیتا ہے مگر ہنستا نہیں؟ یہ ناممکن ہے لیکن عیسائیوں کو تو ایک معزز عیسیٰ کی تخلیق کرنا تھی۔ ایک ایسا عیسیٰ جو مجرم نہیں تھا۔ انہوں نے اس کے چہرے پر رنگ و روغن کر دیا ہے۔ آپ کو عیسیٰ کی کوئی تصویر یا مجسمہ ایسا نہیں ملے گا جو کسی عیسائی نے بنایا ہو اور وہ صحیح عکاسی کرتا ہو۔

اصل عیسیٰ تو عیسائیت کے صحرا میں گم ہو گیا ہے۔ وہ فضولیات جو عیسائیت پیدا کر رہی ہے اس میں اصلی انجیل تو گم ہو گئی ہے اور اسے بھلایا جا چکا ہے۔ اس بھلے آدمی کا پیغام تھا کہ زندگی سے لطف اندوز ہوں کیونکہ صرف اسی طریقہ سے خدا کا احسان مند ہوا جا سکتا ہے۔ زندگی ایک ضیافت ہونی چاہیئے نہ کہ فاقہ۔

انا کا وجود صرف اسی وقت تک رہتا ہے اگر آپ اپنے آپ کو اور ہر چیز کو بہت سنجیدگی سے لیتے ہیں۔ انا کی شکست کسی چیز سے اتنی نہیں ہوتی جتنی زندہ دلی اور ہنسی۔

جب آپ زندگی کو ایک تماشہ کے طور پر لیں گے تو انا مر جائے گی۔ اس کا وجود

باقی نہیں رہے گا۔ زندگی کو بازیچہ اطفال سمجھئے۔

انا ایک مرض ہے اور اس کی بقاء کیلئے اداسی کا ماحول ہونا ضروری ہے۔ سنجیدگی آپ کے اندر اداسی پیدا کرتی ہے۔ انا کا بیج اداسی ہی کی مٹی میں نمو پاتا ہے۔ اسی لیے آپ کے اولیاء انتہائی سنجیدہ ہوتے ہیں وہ انتہائی انا پرست ہوتے ہیں۔ ممکن ہے وہ عاجز بننے کی کوشش کرتے ہوں مگر انہیں اپنی عاجزی پر بڑا ناز ہوتا ہے۔ وہ اپنی عاجزی کو بہت سنجیدہ لیتے ہیں۔

حقیقی ولی سنجیدہ نہیں ہو سکتا۔ حقیقی مذہبی آدمی جشن مناتا ہے۔ ذرا اپنے ارد گرد نظر دوڑائیں۔ ان درختوں کو دیکھیں۔ کیا یہ سنجیدہ ہیں؟ ستاروں، چاند، سورج کو دیکھیں، کیا یہ سنجیدہ ہیں؟ حیات انتہائی غیر سنجیدہ ہے۔ یہ مستقل رقص کر رہی ہے۔ یہ تو دائمی پُر مسرت تقریب ہے۔

صرف انسان ہی ہے جو سنجیدہ ہے کیونکہ صرف انسان ہی اپنے اور حیات کے درمیان دوری پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ کُل کا حصہ نہیں بننا چاہتا کیونکہ اس طرح وہ خود غائب ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی علیحدہ شناخت چاہتا ہے...... اپنا علیحدہ نام، اپنی علیحدہ شکل، اپنی علیحدہ تعریف۔ چاہے یہ بات اس کے لیے دُکھ کا باعث ہو، چاہے اسے جہنم میں رہنا پڑے۔

ایک مرتبہ برنارڈ شاء سے پوچھا گیا کہ مرنے کے بعد کہاں رہنا چاہے گا جنت میں یا جہنم میں؟ اس نے کہا ''جہاں کہیں بھی میری حیثیت نمبر ایک کی ہوگی۔ میں نمبر دو نہیں بننا چاہتا۔ اور جنت میں نمبر ایک بننے کا کوئی امکان نہیں کیونکہ کتنے ہی اولیاء پاک باز وہاں پہلے ہی پہنچ چکے ہیں۔ عیسیٰ، زرتشت مہاویر، بدھا، بے چارے برنارڈ شاء پر تو کوئی توجہ نہیں دے گا''۔ وہ جہنم میں جانے کو تیار ہے بشرطیکہ اس کی حیثیت نمبر ایک کی ہو۔

انا نمبر ایک پر رہنا چاہتی ہے۔ وہ باقی سب کو اپنے سے نیچے دیکھنا چاہتی ہے۔

اسی لیے یہ اپنے آپ کو بہت سنجیدگی سے لیتی ہے۔ یہ چیزوں کو بے نقص دیکھنا چاہتی ہے جو کہ ناممکن ہے۔ کوئی بھی شخص مکمل نہیں ہے۔ تکمیل کے بعد کوئی بھی شخص اپنا وجود ایک لمحہ کیلئے بھی برقرار نہیں رکھ سکتا۔ عدم تکمیل ہی زندگی کا راستہ ہے کیونکہ آپ کی نشوونما اسی وقت ممکن ہے اگر آپ نامکمل ہیں۔ اگر آپ مکمل ہیں تو بڑھنے کا اور ارتقاء کا کوئی امکان نہیں۔ تکمیل کا مطلب موت ہے۔ عدم تکمیل کا مطلب ہے بہاؤ، بڑھوتری، حرکت۔

انا اپنی اور دوسروں کی تکمیل کا تقاضہ کرتی ہے۔ یہ ناممکن کا حصول چاہتی ہے اور کیونکہ ایسا ہونا ناممکن ہے اس لیے یہ زندہ رہتی ہے۔ یہ معمولی چیزوں کے ساتھ خوش نہیں رہتی۔ یہ غیر معمولی چیزیں چاہتی ہے جبکہ زندگی میں صرف معمولی چیزیں ہیں۔ معمولی حسین ہے، لطیف ہے۔ کسی غیر معمولی شئے کی ضرورت نہیں۔ عام زندگی مقدس ہے۔ لیکن انا اسے گھٹیا کہہ کر ٹھکرا دیتی ہے۔ یہ غیر معمولی زندگی کا مطالبہ کرتی ہے۔ اسی لیے بہت سے اہلِ مذاہب نے اپنے راہنماؤں کے بارے میں غیر حقیقت پسندانہ افسانے گھڑ لیے تاکہ انہیں فوق البشر ہستیاں ثابت کیا جا سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کو بدھا، مہاویر، عیسیٰ، موسیٰ، زرتشت، لاؤزے سے بڑھ کر عام انسان نہیں ملے گا۔ یہ لوگ بہت سادہ ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو ویسے قبول کر لیا ہے جیسے وہ حقیقت میں ہیں۔

وہ چیزوں کی تکمیل کے پیچھے نہیں بھاگتے۔ وہ دنیا کے تمام تر نقائص کے ساتھ مطمئن ہیں اور وہ اپنے آپ کو اتنا سنجیدہ نہیں لیتے کہ انہوں نے بلندیوں کو چھونا ہے کہ انہیں ہر شخص سے آگے بڑھنا ہے۔ وہ پاگل نہیں ہیں۔ وہ خوبصورت لوگ ہیں اور انکی خوبصورتی اس بات میں مضمر ہے کہ انہوں نے معمولی کو غیر معمولی تسلیم کر لیا ہے۔

لیکن ہر شخص اپنے آپ کو اور اوروں کو بڑی سنجیدگی سے لیتا ہے۔ اسی طریقے سے انا برقرار رہتی ہے۔ تھوڑا سا شوخ بنیں پھر دیکھیں کہ انا کیسے غائب ہوتی ہے۔ زندگی کو غیر سنجیدگی سے لیں، ایک مذاق کے طور پر لیں...... ایک بڑا آفاقی مذاق۔ تھوڑا سا ہنسیں۔ ہنسی عبادت سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ عبادت آپ کی انا کو ختم نہیں کرتی۔ بلکہ اس کے برعکس یہ اسے مقدس بنا دیتی ہے۔ لیکن ہنسی یقیناً آپ کی انا کو ختم کر دیتی ہے۔ جب آپ واقعی ہنس رہے ہوتے ہیں تو کیا آپ نے کچھ مشاہدہ کیا ہے؟ اُس وقت انا ایک لمحے کیلئے غائب ہو جاتی ہے۔ آپ دوبارہ ہنستے ہوئے بچے بن جاتے ہیں۔ آپ بھول جاتے ہیں کہ آپ کوئی خاص (انسان) ہیں۔ ایک لمحہ کیلئے آپ اپنی پیوستگی چھوڑ دیتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مجھے لطائف پسند ہیں، یہ آپ کی انا کیلئے زہر کا کام کرتے ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ میں سنجیدہ موضوعات پر بات کروں کہ سیارے کیا ہیں؟ انسان کے جسم 7 ہیں یا 9؟ اور (انسان کے) کتنے چکر ہیں؟

میں ہرگز سنجیدہ نہیں ہوں۔ میں آپ کے ساتھ ہنسی میں اس لیے شریک نہیں ہوتا کیونکہ یہ لطیفہ سنانے کے آداب میں شامل ہے۔ جو شخص لطیفہ سنا رہا ہو اسے سنجیدہ رہنا چاہئیے۔ وہ آپ کے ساتھ نہیں ہنس سکتا۔ میں اکیلے میں خوب ہنستا ہوں۔ زندگی کے متعلق میرا نقطہ نظر انتہائی غیر سنجیدہ اور کھلنڈرا ہے کیونکہ میرے خیال میں انا کی شکست کا یہی ایک طریقہ ہے۔

غور کریں کہ جب آپ ہنستے ہیں تو آپ کی انا کہاں جاتی ہے؟ اچانک آپ پگھل جاتے ہیں۔ آپ ٹھوس نہیں رہتے بلکہ سیال ہو جاتے ہیں۔ آپ بوڑھے، تجربہ کار، عالم نہیں رہتے۔

سنجیدہ افراد اعصابی تناؤ اور پریشانی کا شکار رہتے ہیں۔ سنجیدہ لوگ ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ آیا وہ صحیح راستے پر ہیں یا نہیں؟...... اور راستے میں کوئی سنگِ میل بھی نہیں۔ تمام راستے خیالی ہیں۔

حیات آسمان کی طرح ہے جس پر راستے نہیں بنے ہوئے۔ پرندے اڑتے ہیں

لیکن وہ اپنے پنجوں کے نشان نہیں چھوڑتے۔ یہی حال آپ کے شعور کا ہے۔ جو بالکل صاف ہے۔ جس پر کسی پاؤں یا کسی راستے کے نشان نہیں ہیں۔

آپ بھٹک نہیں سکتے۔ بھٹکنے کیلئے آپ کو راستے کی ضرورت ہے۔ اور سچائی کی تلاش آپ کی منزل نہیں ہے۔ سچ کی تلاش کو زندگی کی شدید خواہش نہیں بنایا جاسکتا۔ سچ کا پانا اصل میں خود کو پانا ہے اور آپ اپنی دریافت صرف پُرسکون دماغ کے ساتھ کرسکتے ہیں۔ آپ کو خود آپ سے کون بھٹکا سکتا ہے؟

اگر آپ نے زندگی میں خوش دلی سے رہنا شروع کر دیا ہے تو سمجھ لیں کہ آپ نے ایک عظیم عبادت کرنا سیکھ لی' آپ نے ایک بےنشان راستہ دریافت کرلیا۔

ذہانت

Intelligence

تعصب والی آنکھ اندھی ہوتی ہے۔ وہ دل جو نتائج سے معمور ہو مردہ ہوتا ہے۔

جب بہت سے مفروضے پہلے ہی قائم کئے ہوئے ہوں تو آپ کی ذہانت کی تیزی' خوبصورتی اور شدت ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے یہ کُند ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ کُند ذہانت کو ہی عقل کہا جاتا ہے۔ آپ کے نام نہاد دانشور حقیقت میں ذہین نہیں ہیں وہ تو محض عقل پسند (intellectual) ہیں۔ عقل تو مردہ جسم کی طرح ہے۔ آپ اس کی تزین کر سکتے ہیں۔ لیکن مردہ تو مردہ ہی رہے گا۔

زندہ ہونا ایک بالکل مختلف بات ہے۔ ذہانت زندگی ہے' بے ساختگی ہے' کشادگی ہے' عدم تحفظ ہے' غیر جانب داریت ہے' یہ بغیر نتائج کی پرواہ کئے عمل کا حوصلہ ہے۔ میں اسے حوصلہ کیوں کہتا ہوں؟ اس لئے کہ جب آپ ایک نتیجہ قائم کر کے عمل کرتے ہیں تو نتیجہ آپ کو تحفظ بخشتا ہے۔ بغیر نتیجہ قائم کئے کام کرنا معصومیت میں عمل کرنا ہے۔ کوئی تحفظ نہیں ہے۔ آپ غلطی کر سکتے ہیں۔ آپ بھٹک سکتے ہیں۔

وہ شخص جو سچائی کی دریافت کیلئے جانے کو تیار ہے اسے بہت سی غلطیوں کے ارتکاب کیلئے تیار رہنا چاہیئے۔ اسے خطرات سے کھیلنے کیلئے تیار رہنا چاہیئے۔ ممکن ہے وہ بھٹک جائے مگر سچائی تک پہنچنے کا یہی طریقہ ہے۔ کئی مرتبہ بھٹکنے کے بعد وہ سیکھتا ہے کہ کیسے نہ بھٹکا جائے۔ بہت سی غلطیاں کر چکنے کے بعد اسے پتہ چلتا ہے کہ غلطی کیا ہے اور اس سے کیسے بچا جائے؟ غلطی کا پتہ چلنے کے بعد وہ سچ کے قریب تر آتا جاتا ہے۔ یہ ایک فرد کی

دریافت ہوتی ہے۔ آپ اوروں کے نتائج پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔

ایک عام انسان کی ذہنی نشوونما 14 سال کی عمر میں رک جاتی ہے کیونکہ حیاتیاتی مقصد پورا ہو چکا ہوتا ہے۔ 14 سال کی عمر میں فرد اتنا پختہ ہو چکا ہوتا ہے کہ بچے پیدا کر سکے۔ اس مقام سے آگے حیاتیات (Biology) کی کوئی دلچسپی نہیں رہتی۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں تک ایک اوسط انسان کی ذہنی عمر کا تعلق ہے وہ 14 سال کی عمر سے آگے نہیں بڑھتی۔ لوگوں کی جسمانی عمر 100,90,80,70 برس بلکہ بعض علاقوں میں تو 150 اور 180 برس تک بڑھتی رہتی ہے۔ لیکن ان کی ذہنی عمر 14 سال پر آ کر رُک جاتی ہے۔ اب تک یہی سلسلہ رہا ہے۔

اس صورتِ حال کو بدلا جا سکتا ہے اور اسے بدلا جانا چاہیئے کیونکہ بڑھنے کے لا محدود امکانات موجود ہیں۔ لیکن تبدیلی صرف اس صورت میں ممکن ہے اگر آپ کی منزل حیاتیات سے آگے کی ہے۔ اگر آپ کی زندگی محض جنس، بچے، خاندان، خوراک، مکان تک محدود ہے تو پھر اتنی ذہانت کافی ہے۔ لیکن اگر آپ کی دلچسپی البرٹ آئین سٹائن بننے میں ہے تو پھر آپ کی ذہانت جسمانی عمر سے آگے بڑھنا شروع ہو جاتی ہے۔

ایمرسن سے جب اس کی عمر کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا اور صحیح جواب دیا کہ ''تین سو ساٹھ سال'' صحافی نے دریافت کیا ''مگر آپ تو ساٹھ سال سے زیادہ کے دکھائی نہیں دیتے''۔ ایمرسن نے کہا ''ایک لحاظ سے درست ہے کہ میں 60 برس کا ہوں۔ لیکن جہاں تک میری ذہانت کا تعلق ہے تو میں نے اتنا کام کیا ہے کہ اس کیلئے یا تو 6 افراد کی ضرورت تھی یا مجھے 360 برس زندہ رہنا چاہیئے تھا۔ میری ذہانت میرے مادی جسم سے کہیں آگے ہے''۔

جو شخص میڈیٹیشن کرتا ہے اس کیلئے اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ ذہانت کی ممکنہ حدوں تک پہنچ جائے کیونکہ وہ ممکنہ عظیم کام کر رہا ہوتا ہے جس کا انسان اہل ہے۔ یعنی یہ جاننا کہ ''میں کون ہوں''؟ ذہانت کا سب سے عظیم کام اپنی ذات کے انتہائی اندرون میں داخل ہونا ہے۔ آپ گوتم بدھ کی ذہانت کا اندازہ نہیں لگا سکتے یہ گنتی اور پیمائش سے بالا ہوتی ہے۔

اگر آپ میڈیٹیشن کرتے ہیں تو آپ کی ذہانت آپ کی زندگی کی آخری سانس

تک بڑھتی جائے گی۔ صرف اتنا ہی نہیں، آخری سانس کے بعد بھی آپ کی ذہانت بڑھتی جائے گی کیونکہ آپ نہیں مریں گے صرف آپ کا جسم مرے گا۔ جسم کی موت کوئی موت نہیں ہوتی ہے۔ اور جسم کا ذہانت سے کوئی تعلق نہیں ہے، دماغ کا ذہانت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ذہانت آپ کی آگہی کی علامت ہے آپ میں جتنی زیادہ آگہی ہو گی اتنی ہی ذہانت ہو گی۔

ذہانت ذات کا کُھلا پن ہے یعنی بغیر تعصب کے دیکھنے کی صلاحیت، بغیر خلل سننے کی صلاحیت۔ چیزوں کے ساتھ پہلے سے قائم نظریات کے بغیر تعلق قائم کرنے کی صلاحیت۔

یہی وجہ ہے کہ ذہانت دانشوری سے بالکل مختلف ہے۔ دانشوری ذہانت کے بالکل اُلٹ ہے۔ دانشور اپنے ساتھ تعصّبات، معلومات، عقائد، علم کا بوجھ اٹھائے پھرتا ہے۔ وہ سُن نہیں سکتا۔ اس سے پہلے کہ آپ کچھ کہیں وہ پہلے ہی نتیجہ پر پہنچا ہوتا ہے آپ جو بھی کہیں وہ اس کے دماغ کے اتنے خیالات سے ہو کر گزرتا ہے کہ جب تک وہ اس تک پہنچتا ہے بالکل مختلف چیز بن چکا ہوتا ہے۔ اس کے اندر بہت بگاڑ آ جاتا ہے اور وہ تقریباً اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہے۔

تمام ماہرین اندھے ہوتے ہیں، ماہر کا مطلب ہے کہ آپ ہر چیز سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ آپ زیادہ سے زیادہ کم سے کم کے بارے میں جانتے ہیں۔ پھر آپ مکمل طور پر کمرے میں محصور ہو جاتے ہیں اور تازہ ہوا کیلئے کوئی کھڑکی بھی کھلی نہیں ہوتی۔

یہ ذہانت نہیں ہے۔ ذہانت تو یہ ہے کہ آپ بارش، ہوا، دھوپ اور سب کیلئے کھلے ہوں۔ ماضی کے بوجھ کو نہ اٹھائے پھرنا ذہانت ہے۔ ماضی کے ہر لمحہ کے ساتھ مر جانا ذہانت ہے بے ترتیب اور معصوم رہنا ذہانت ہے۔

لیکن کوئی بھی شخص دوسرے کی سننے کو تیار نہیں ہے۔ کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ دوسرا کیا کہہ رہا ہے؟ ایک لفظ ادا ہونے سے پہلے ہی آپ نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں۔ آپ کے نتائج اٹل ہوتے ہیں، آپ سیال نہیں ہوتے۔

منجمد ہونے کا مطلب احمق ہونا ہے، سیال رہنے کا مطلب ذہین رہنا ہے۔ ذہانت تو ہر وقت دریا کی طرح بہہ رہی ہوتی ہے۔ بے عقلی برف کی ڈلی کی طرح منجمد ہوتی ہے۔ بے عقلی ثابت قدم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ منجمد ہوتی ہے اس لیے واضح ہوتی ہے، یقینی

ہوتی ہے جبکہ ذہانت غیر مستقل ہوتی ہے' یہ بہنے والی ہوتی ہے۔ یہ حالات کے مطابق تبدیل ہوتی ہے' یہ ذمہ دار ہوتی ہے مگر ایک ہی روش پر قائم نہیں رہتی۔

صرف بے وقوف لوگ ہی مستقل مزاج ہوتے ہیں۔ جتنے زیادہ آپ ذہین ہیں اتنے ہی زیادہ آپ غیر مستقل مزاج ہوں گے کیونکہ کل کی کسے خبر؟ کل خود اپنے تجربات لائے گا۔ آپ اپنے گذشتہ کل کے ساتھ کیسے ثابت قدم رہ سکتے ہیں؟ اگر آپ مردہ ہیں تو آپ ثابت قدم رہیں گے۔ اگر آپ زندہ ہیں تو آپ کو غیر مستقل مزاج ہونا پڑے گا۔ آپ بڑے ہو چکے ہیں۔ دنیا بدل چکی ہے۔ دریا ہر لحہ نئے علاقے میں بہہ رہا ہے۔

کل دریا کا گزر ایک صحرا سے تھا اور آج یہ ایک جنگل سے گزر رہا ہے۔ کل کا تجربہ ہمیشہ کیلئے آپ کا رہنما نہیں بننا چاہیئے۔ ورنہ اس کا مطلب ہے کہ آپ کل ہی مر گئے تھے۔ آپ میں اتنی صلاحیت ہونی چاہیئے کہ وقت کے ساتھ حرکت کر سکیں۔ آپ کو ایک جاری عمل رہنا چاہیئے آپ کو کوئی شے نہیں بننا چاہیئے۔ یہی ذہانت ہے۔

جب کوئی فرد اپنی عقل کے ساتھ منسلک ہو جاتا ہے تو دانشوری جنم لیتی ہے۔ جب کوئی شخص خود مختار رہتا ہے اور اپنی عقل کے ساتھ منسلک نہیں ہوتا تو ذہانت جنم لیتی ہے۔ سب کچھ اس پر منحصر ہے کہ آیا آپ عقل کے ساتھ منسلک ہوتے ہیں یا اس سے ماورا رہتے ہیں۔ اگر آپ اس سے منسلک ہوتے ہیں تو یہ دانشوری ہے اگر آپ منسلک نہیں ہوتے تو یہ ذہانت ہے۔

ذہانت ایک بہت اہم چیز ہے۔ دانشوری ایک رکاوٹ ہے۔ دانشوری حتیٰ کہ اس سائنسی دور میں بھی رکاوٹ ہے۔ دانشوری آپ کو زیادہ سے زیادہ عالم فاضل افراد فراہم کر سکتی ہے جو لفظوں کے بادشاہ ہوتے ہیں' جو نت نئے مکتبہ فکر گھڑتے رہتے ہیں جن کا کوئی حقیقی وجود نہیں ہوتا۔

سائنسی کوشش کرتے ہوئے ذہانت کو معروضی دنیا پر نظر رکھنی پڑتی ہے جبکہ مذہبی دریافت میں موضوعی دنیا پر۔ ذہانت وہی ہے صرف سمت تبدیل ہوتی ہے۔ معروض سائنسی تحقیق کی منزل ہے جبکہ مذہب میں آپ کی ذات ہی آپ کی مہم ہے۔ حالانکہ دونوں جگہ ذہانت وہی ایک ہے۔

اگر آپ ایک دانشور بن جاتے ہیں تو پھر آپ سائنسدان نہیں بنیں گے۔ آپ صرف تاریخ یا سائنس کے فلسفے لکھیں گے۔ آپ ایک سائنسدان' ایک متلاشی' ایک موجد نہیں بن سکتے۔ آپ کے پاس محض معلومات کا ڈھیر ہوگا۔ جی ہاں! اس کا بھی فائدہ ہے۔ جہاں تک خارجی دنیا کا تعلق ہے حتیٰ کہ معلومات کا کچھ محدود فائدہ ہے۔ لیکن داخلی دنیا میں تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ ایک رکاوٹ ہے۔ داخلی تجربات پر اس کا منفی اثر پڑتا ہے۔

عقل نہ تو رکاوٹ ہے اور نہ ہی پُل۔ عقل غیر جانبدار ہے۔ اس سے منسلک ہو جائیں تو یہ رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اس سے منسلک نہ ہوں تو یہ پُل کا کام کرتی ہے اور میڈیٹیشن کے بغیر آپ کو اپنی ارفع فطرت کا علم نہیں ہوگا۔

سائنس میں توجہ کا ارتکاز ہی کافی ہے۔ زیادہ تر غور و فکر کی ضرورت پڑتی ہے۔ مذہب میں میڈیٹیشن ہی واحد راستہ ہے۔ توجہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ مددگار نہیں ہوتی' یہ ایک مثبت رکاوٹ ہوتی ہے۔ غور و فکر بھی مددگار نہیں ہوتا۔ صرف میڈیٹیشن ہی داخلی انقلاب برپا کر سکتی ہے۔

میڈیٹیشن کا مطلب ہے ذہن کی چار دیواری سے باہر نکل آنا اور ذہن کو باہر سے دیکھنا۔ یہی لفظ 'وجد' کا مطلب ہے کہ باہر کھڑے ہونا۔ ذہن سے باہر کھڑے ہونا آپ پر وجد کی کیفیت لے کر آتا ہے۔ یہ آپ کیلئے فرحت لے کر آتا ہے اور نتیجہ میں ذہانت پیدا ہوتی ہے۔ جب آپ ذہن کے ساتھ منسلک ہوتے ہیں تو آپ بہت ذہین نہیں ہو سکتے کیونکہ آپ ایک اوزار اور اس کی حد بندی کے ساتھ منسلک ہو جاتے ہیں۔ جبکہ آپ لامحدود ہیں

دماغ کو استعمال کریں مگر اس کا حصہ نہ بنیں۔ اسے ایسے استعمال کریں جیسے دوسری مشینوں کو استعمال کرتے ہیں۔ دماغ ایک بہت خوبصورت مشین ہے اگر آپ اسے استعمال کر سکتے ہیں تو یہ آپ کی خدمت کرے گا اور اگر آپ اسے استعمال نہیں کر سکتے تو یہ آپ کو استعمال کرنا شروع کر دے گا۔ اور یہ تباہ کن ہے۔ پھر یہ ہونا یقینی ہے کہ آپ کسی مسئلے' کسی آفت' کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں۔ کیونکہ مشین کی تو آنکھیں نہیں ہوتیں' اس کی کوئی بصیرت نہیں ہوتی۔ دماغ دیکھ نہیں سکتا۔ یہ تو وہ سب کچھ دہرا سکتا ہے جو اس میں

داخل کیا گیا ہے۔ یہ کمپیوٹر کی مانند ہے۔ پہلے آپ کو معلومات فراہم کرنا ہوتی ہیں۔

یہ ہے آپ کی نام نہاد تعلیم۔ آپ معلومات دیتے رہتے ہیں' پھر آپ کے حافظہ میں کافی چیزیں جمع ہو جاتی ہیں۔ جب کبھی آپ کو کوئی چیز یاد کرنے کی ضرورت محسوس ہو یہ آپ کو مہیا کر سکتا ہے۔ لیکن آپ کو اس کا آقا رہنا چاہیئے تا کہ آپ اسے استعمال کر سکیں بصورت دیگر یہ آپ کو ہدایات دینا شروع کر دیتا ہے۔

کار کو آپ کی رہنمائی نہیں کرنی چاہیئے آپ کو اس کا ڈرائیور رہنا چاہیئے۔ سمت کا تعین آپ نے کرنا ہے۔ منزل کا تعین آپ کو کرنا ہے۔ رفتار کا فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔ گاڑی کو کب چلانا اور کب بند کرنا یہ بات آپ کے ہاتھ میں ہے۔ جب آپ اس کا کنٹرول کھو بیٹھتے ہیں اور کار خود اپنی مرضی سے چلنا شروع کر دے تو آپ کی تباہی یقینی ہے۔

میں معلومات کے کُلی طور پر ہرگز خلاف نہیں ہوں۔ معلومات اچھی چیز ہے بشرطیکہ اسے حافظے میں محفوظ رکھا جائے اور بوقتِ ضرورت یہ آپ کو مل جائے۔ البتہ یہ اس وقت خطرناک ہے جب آپ کو اس کی ضرورت نہ ہو مگر یہ مستقل آپ کو ٹھوکے لگاتی رہے۔ جب یہ آپ کو مجبور کرے کہ آپ کچھ کریں جب آپ مجبور ہو جائیں تو یہ بات خطرناک ہے۔ ورنہ اپنی ذات میں تو یہ خوبصورت چیز ہے۔ یہ ایک خوبصورت ذریعہ ہے' مقصد نہیں۔

لیکن اگر معلومات آپ کے ذہن کو گرفت میں لے لیتی ہیں اور مزید طاقتور ہوتی جاتی ہیں یہاں تک کہ آپ انہیں جھٹک نہیں سکتے اور آپ اپنے دماغ کو سکون کی حالت میں نہیں لا سکتے تو پھر دماغ تھک جاتا ہے۔ اُسے اکتاہٹ ہوتی ہے۔ اس طرح کی حالت میں آپ کس طرح ذہین ہو سکتے ہیں؟ آپ کی توانائیاں منتشر ہو جاتی ہیں۔ ذہانت کو توانائی کے سیلاب کی ضرورت ہے۔ ذہانت کیلئے صحت مندی کی ضرورت ہے' سلاست کی ضرورت ہے۔

میڈیٹیشن کرنے والا شخص کسی بھی دوسرے شخص کی نسبت زیادہ ذہین ہو گا۔ وہ اپنے دماغ کو معروضی اور موضوعی دونوں انداز میں استعمال کرنے کے قابل ہو گا۔ اس کیلئے بیرونی دنیا اور اندرونی دنیا دونوں ہی اجنبی نہیں ہوں گی وہ زیادہ لچک دار ہو گا۔ وہ آقا ہو گا' وہ گاڑی کو آسانی سے آگے اور پیچھے لے جا سکتا ہے۔

جب فورڈ نے اپنی پہلی کار بنائی تو اس میں ریورس گیر نہیں تھے۔ واپس گھر آنا ایک بڑا مسئلہ تھا۔ محض گھر واپس آنے کیلئے آپ کو لمبا چکر کاٹنا پڑتا تھا۔ چاہے آپ اپنے گیراج سے چند قدم آگے آ گئے ہیں آپ واپس گیراج میں نہیں آ سکتے تھے کیونکہ ریورس گیر نہیں تھا۔ اس کا اضافہ بعد میں کیا گیا۔

میڈیٹیشن آپ کو ریورس گیر فراہم کرتی ہے۔ عموماً آپ کے پاس یہ نہیں ہوتا اور آپ کو بار بار دنیا کا چکر لگانا پڑتا ہے اور پھر بھی آپ اپنے گھر نہیں جا سکتے۔ آپ واپس نہیں آ سکتے۔ آپ اندر نہیں آ سکتے۔ آپ صرف باہر جانا جانتے ہیں۔ ایک میڈیٹیشن کرنے والا شخص زیادہ لچکدار ہوتا ہے' وہ زیادہ بھرپور ہوتا ہے۔

میں ان لوگوں کے حق میں نہیں ہوں جو ماضی میں دھرم کے نام پر اپنے باطن سے پیوست ہو گئے۔ یہ دوسری انتہا ہے۔ کچھ لوگ دروں بین ہو گئے۔ کچھ لوگ باطن پسند ہو گئے۔ دونوں ہی مردہ ہیں۔ زندگی تو صرف اس کی ہے جو لچکدار ہو' جو آسانی بیرونی دنیا سے اندرونی دنیا اور اندرونی دنیا سے بیرونی دنیا میں داخل ہو جائے۔ جیسے آپ باہر سے گھر داخل ہوتے ہیں اور گھر سے باہر جاتے ہیں۔ جب اندر سردی ہوتی ہے تو آپ باہر دھوپ میں آ جاتے ہیں۔ جب باہر گرمی زیادہ بڑھ جاتی ہے تو آپ اندر سائے میں آ جاتے ہیں اور ایسا کرنے میں آپ کو کوئی مشکل نہیں ہوتی۔

میڈیٹیشن کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ خارجی دنیا کے خلاف ہو جائیں۔ ماضی میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ دھرم کی ناکامی کی یہی وجہ ہے۔ یہ کسی بھی طریقہ سے کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ زندگی تو اس کا خاصہ ہے جو جامد نہ ہو' جو بڑھنے والا ہو۔ جب کبھی آپ کسی سے وابستہ ہو جاتے ہیں تو آپ ایک شے میں بدل جاتے ہیں۔

آپ کے راہب باطن پسند تھے۔ خارجی دنیا سے انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ یہی وجہ ہے کہ مشرق میں ہم سائنس میں ترقی نہ کر سکے حالانکہ اس کی ابتداء یہیں ہوئی۔ ریاضی نے ہندوستان میں ترقی کی۔ ٹیکنالوجی کی طرف پہلا قدم چین میں اٹھایا گیا لیکن یہ یہیں رک گیا کیونکہ مشرق کے عظیم ترین لوگ اندرون سے پیوستہ ہو گئے۔ انہوں نے معروضی دنیا میں دلچسپی لینی چھوڑ دی۔ انہوں نے خارجی دنیا اپنے اوپر بند کر لی۔

اب مغرب اس کے بالکل الٹ کر رہا ہے۔ یہ مکمل طور پر خارج بین بن گیا ہے۔

یہ نہیں جانتا کہ اندر کیسے داخل ہوا جائے۔ یہ یقین نہیں کرتا کہ کوئی ''اندرون'' بھی ہے۔ یہ کسی روح پر یقین نہیں رکھتا۔ یہ انسان کے رویہ پر یقین رکھتا ہے نہ کہ اس کے اندرونی وجود پر۔ یہ صرف رویہ کا مطالعہ کرتا ہے۔ یہ سب میکانکی ہے۔ انسان ایک روبوٹ بن چکا ہے۔ اسے ایک نرم و نازک خوبصورت مشین سمجھا جاتا ہے جو لاکھوں سالوں کے ارتقاء کے نتیجہ میں وجود میں آئی ہے۔

ہٹلر بہت سے انسانوں کو آسانی سے مار سکتا تھا۔ صرف اس وجہ سے کہ اگر انسان ایک مشین ہے تو اُسے مارنے میں کیا نقصان ہے؟ اگر آپ اپنی گھڑی کو توڑ دیں تو آپ قصوروار محسوس نہیں کرتے چاہے گھڑی کتنی ہی شاندار کیوں نہ ہو۔ اگر آپ نے اسے توڑنے کا فیصلہ کیا' تو کوئی اس پر اعتراض نہیں کر سکتا۔ سٹالن ضمیر کی خلش کے بغیر لاکھوں لوگوں کو آسانی سے مار سکتا تھا۔ صرف اس لیے کہ مارکسزم کا یقین ہے کہ روح کا وجود نہیں ہے' انسان مادے کے سوا کچھ نہیں ہے اور آگہی مادے کا صرف ضمنی حاصل ہے۔

مغرب میں سائنس ترقی کر چکی ہے۔ لیکن مذہب غائب ہو گیا ہے۔ مشرق میں مذہب نے ترقی کی مگر سائنس ختم ہو گئی۔ دونوں طرح سے انسان مفلس اور آدھا رہتا ہے۔

میری کوشش ہے کہ مکمل انسان تخلیق کیا جائے جس میں سائنسدان اور مذہبی آدمی بننے کی صلاحیت ہو گی۔ میں چاہتا ہوں کہ انسان دولسانی بنے۔ اسے سائنس اتنی ہی گہرائی سے جاننی چاہیئے جتنا اسے میڈیٹیشن سے آگاہ ہونا چاہیئے۔ اسے معروضی دنیا (سائنس) کی زبان جاننی چاہیئے اور ساتھ ہی اسے موضوعی دنیا (مذہب) کی زبان سے بھی آگاہ ہونا چاہیئے۔

صرف وہ شخص جو خارجیت اور داخلیت کو ملا سکے' جو مشرق اور مغرب کو ملا سکے' جو مادہ اور روح کا ملاپ کرا سکے مکمل انسان ہو سکتا ہے۔ دنیا مکمل انسان کے انتظار میں ہے۔ اگر مکمل انسان جلد نہیں آتا تو پھر انسانیت کا کوئی مستقبل نہیں ہے اور مکمل انسان صرف عمیق ذہانت کی بدولت آ سکتا ہے۔

پختگی

Maturity

جب لوگ 'پختگی' کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے ان کا مطلب ہوتا ہے 'زیادہ علم' جب میں پختگی کا لفظ استعمال کرتا ہوں تو میرا مطلب ہوتا ہے 'سیکھنے کی استعداد' جاننا نہیں بلکہ سیکھنا...... یہ دونوں بالکل مختلف' یکسر متضاد چیزیں ہیں۔ علم ایک مردہ شے ہے جبکہ سیکھنے کی صلاحیت ایک زندہ عمل ہے۔ آپ سیکھنے کے قابل ہیں تو آپ کشادہ ہوتے ہیں' آپ حاصل کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ سیکھنا تاثر پذیری ہے۔ علم آپ کو کم حاصل کرنے والا بناتا ہے۔ اگر آپ پہلے ہی جانتے ہیں تو سیکھنے کا کیا فائدہ؟ جب آپ پہلے ہی جانتے ہیں تو آپ بہت کچھ کھو دیتے ہیں۔ جب آپ کچھ بھی نہیں جانتے تو آپ کچھ نہیں کھوتے۔

بڑھاپے میں سقراط نے کہا ''اب میں کچھ نہیں جانتا'' یہ پختگی تھی۔

زندگی اتنی وسیع ہے کہ یہ چھوٹا سا دماغ کیسے جان سکتا ہے؟ زیادہ تر جھلکیاں ہی کافی ہوتی ہیں۔ حیات اس حد تک وسیع اور غیر متناہی ہے کہ نہ ابتداء کی خبر ہے نہ انتہا معلوم۔

شعور کا ننھا سا قطرہ کیسے جان سکتا ہے۔ یہ کافی ہے کہ جھلکیاں نظر آتی ہیں' کچھ دروازے کھلتے ہیں' کچھ لمحات ایسے آتے ہیں جب آپ کا حیات سے واسطہ پڑتا ہے۔ لیکن ان لمحات کو علم میں نہیں بدلا جا سکتا۔

اور آپ کا ذہن ایسا کرنے پر مائل ہوتا ہے اور یہ زیادہ سے زیادہ ناپختہ بنتا جاتا ہے۔ اس لیے پہلی چیز یہ ہے کہ آپ کو سیکھنے کے قابل ہونا چاہیئے اور آپ کی سیکھنے کی صلاحیت پر علم کا بوجھ نہیں ہونا چاہیئے۔ اس پر گرد نہیں جمنی چاہیئے۔ سیکھنے کا آئینہ بالکل صاف

ہونا چاہیئے تا کہ وہ اچھی طرح منعکس کرتا رہے۔

پختگیت کا مطلب ہے کہ ہم اپنی کھوئی ہوئی معصومیت دوبارہ حاصل کریں' اپنی جنت گمشدگہ میں واپس جائیں' دوبارہ بچے بن جائیں۔ ایک فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ عام بچے نے بہر صورت کرپٹ ہونا ہے۔ لیکن جب آپ دوبارہ اپنا بچپن حاصل کر لیتے ہیں تو آپ کرپشن سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اب آپ کو کوئی کرپٹ نہیں کر سکتا کیونکہ آپ عقلمند ہو چکے ہوتے ہیں۔ اب آپ جانتے ہیں کہ معاشرے نے آپ کے ساتھ کیا کیا ہے۔ آپ پوری طرح باخبر اور چوکنے ہیں اور وہ سب کچھ دوبارہ نہیں ہونے دیں گے جو پہلے ہوتا رہا ہے۔

پختگی ایک قسم کا دوسرا جنم ہے' ایک روحانی جنم۔ آپ دوبارہ سے پیدا ہوتے ہیں اور پھر سے بچے بن جاتے ہیں۔ آپ نئی آنکھوں کے ساتھ زندگی کو دیکھتے ہیں ایک محبت بھرے دل کے ساتھ آپ زندگی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اب آپ محض دماغ نہیں رہے۔ آپ دماغ استعمال کرتے ہیں مگر وہ آپ کے تابع رہتا ہے۔ خیالات اور احساسات سے ماورا ہونا ہی پختگی ہے میڈیٹیشن کا آخری نتیجہ پختگی ہی ہے۔

ایک مرتبہ عیسیٰ بازار میں کھڑے تھے اور کسی شخص نے پوچھا ''تمہارے خدا کی سلطنت میں داخل ہونے کا اہل کون ہے؟ وہاں ایک ربی (فقیہہ) کھڑا تھا۔ وہ آگے بڑھا کہ شائد اس کا انتخاب کیا جائے گا۔ مگر اسے نہیں چُنا گیا۔ وہاں علاقے کا سب سے پاکیزہ شخص واعظ' بھی کھڑا تھا۔ اس کا بھی انتخاب نہیں کیا گیا۔

عیسیٰ نے اردگرد نظر دوڑائی' اُن کی نظر ایک بچے پر پڑی۔ کسی کو بھی توقع نہیں تھی کہ وہ اس کا اہل ہوگا وہ تو محض مجمع سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ آپ نے بچے کو بلایا' اُسے اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور کہا ''وہ جو اس چھوٹے بچے کی طرح ہیں' صرف وہی خدا کی سلطنت میں داخل ہونے کے قابل ہیں''۔

ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ عیسیٰ نے کہا کہ ''وہ جو اس چھوٹے بچے کی طرح ہیں'' آپ نے یہ نہیں کہا کہ ''وہ جو چھوٹے بچے ہیں'' ان دونوں میں بہت فرق ہے' کیونکہ ہر بچے نے بہر حال کرپٹ ہو جانا ہے۔ اس نے بھٹکنا ہے۔ ہر آدم اور حوا کو جنت سے نکلنا ہے بھٹکنا ہے۔ حقیقی بچپنا حاصل کرنے کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ پہلے اسے کھویا جائے ورنہ آپ کو اسکا کبھی پتہ نہیں چلے گا۔

مچھلی کو اس وقت تک پتہ نہیں چلتا کہ سمندر کہاں ہے جب تک آپ اسے سمندر سے باہر نکال کر زمین پر دھوپ میں نہ پھینک دیں۔ اب وہ سمندر کی خواہش کرتی ہے۔ وہ سمندر میں واپس جانے کی بھرپور کوشش کرتی ہے' وہ سمندر میں چھلانگ لگا دیتی ہے۔ یہ وہی مچھلی ہے مگر اب یہ وہ مچھلی نہیں رہی۔ یہ سمندر وہی ہوتے ہوئے بھی وہ نہیں ہے کیونکہ مچھلی نے ایک نیا سبق سیکھ لیا ہے۔ اب وہ آگاہ ہے' وہ جانتی ہے کہ ''یہ سمندر ہے اور یہ میری زندگی ہے' اس کے بغیر میرا وجود ممکن نہیں' میں اس کا حصہ ہوں''۔

ہر بچے کو اپنی معصومیت کھونا پڑے گی اور پھر دوبارہ حاصل کرنا ہوگی۔ کھو دینا صرف آدھا عمل ہے۔ بہت سوں نے اسے کھویا ہے مگر چند ہی نے اسے دوبارہ پایا ہے۔ یہ بہت افسوس ناک بات ہے۔ ہر شخص اسے کھوتا ہے مگر شاذ ہی کوئی بدھا' زرتشت' کرشن' عیسیٰ اسے دوبارہ پاتا ہے۔

عیسیٰ آدم کی دوبارہ آمد کے سوا کوئی نہیں' میگڈالین (Magdalene) حوا کی دوبارہ آمد ہے۔ انہوں نے دُکھ اور حماقت کا سامنا کیا ہے۔ وہ یہ دیکھ چکے ہیں کہ سمندر سے باہر رہنے میں کوئی راحت نہیں ہے۔

جس لمحے آپ آگاہ ہو جاتے ہیں کہ کسی سوسائٹی دھرم' کلچر کا حصہ ہونا بہت تکلیف دہ ہے' اس وقت آپ اپنی زنجیریں توڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ پختگی آ رہی ہوتی ہے۔ آپ دوبارہ اپنی معصومیت حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔

ہر بچہ ولی نہیں ہے مگر ہر ولی یقیناً ایک بچہ ہے۔ بچے کی بھی وہی خصوصیات ہوتی ہیں مگر وہ اس سے آگاہ نہیں ہوتا۔ اگر آپ ایک بڑے خزانے کے مالک ہیں مگر آپ کو اس کا علم نہیں تو پھر یہ ایسا ہی ہے کہ خزانہ نہیں ہے۔

ایک بہت دولت مند شخص سخت پریشان تھا۔ اس نے اپنی پوری زندگی امیر بننے کی جدوجہد کی اور آخر کار کامیاب ہو گیا۔ مگر اس سے اسے کوئی مسرت نہیں ملی۔ اس کا خیال

تھا کہ ایک مرتبہ امیر بننے کے بعد مسرت حاصل ہو جائے گی۔ وہ بہت مایوس تھا۔ تمام کامیاب لوگوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس نے لوگوں سے کسی دانا شخص کے بارے میں پوچھا تا کہ وہ اس کی مدد کر سکے۔

کچھ لوگوں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ ایک عارف کامل کے پاس جائے وہ عارف کامل کے پاس اپنے بہترین گھوڑے پر گیا' اس کے پاس دنیا کے نایاب ترین ہیروں کا تھیلا بھی تھا' اس نے درویش کو بتایا ''میرے پاس یہ تمام ہیرے ہیں مگر مسرت نہیں ہے' میں مسرت کیسے حاصل کر سکتا ہوں؟ کیا تم میری مدد کر سکتے ہو؟

درویش نے چھلانگ لگائی اور ہیروں والا تھیلا اٹھا کر بھاگ گیا۔ امیر آدمی نے اس کا پیچھا کیا' چیخا' چلاّیا ''میں لُٹ گیا' مجھ سے دھوکا ہوا یہ آدمی عارف کامل نہیں ہے' یہ تو چور ہے' اسے پکڑلو!''

کافی دیر بھاگتا رہا مگر اسے نہ تلاش کر سکا۔ آخر کار جب وہ اسی درخت کے نیچے دوبارہ آیا تو درویش وہیں بیٹھا تھا۔ اس نے اسے تھیلا واپس کر دیا۔ اس نے تھیلے کو اپنے سینے سے لگایا اور کہا ''میں کتنا خوش نصیب ہوں۔ میں بہت خوش ہوں کہ میں نے اپنا کھویا ہوا خزانہ دوبارہ پالیا ہے''۔

پھر عارف نے کہا ''کیا تم نے خوشی اور اطمینان کا تھوڑا سا مزہ چکھا؟ جب تک تم اسے کھو نہیں دیتے تم اس سے لطف حاصل نہیں کر سکتے۔ مسرت اور فرحت حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ پہلے کچھ کھو دو''۔

اگر آپ اپنی انا کو کھو سکتے ہیں تو آپ اپنی اُس ذات کو حاصل کر لیں گے جسے بدھا عدم ذات کہتا ہے۔ وہ اسے عدم ذات اس لیے کہتا ہے کیونکہ اب یہ آپ کی پہلے والی انا نہیں رہی۔ انا کو کھو دو اور ذات یا عدم ذات حاصل کر لو تو آپ پختہ بن جائیں گے۔ ذہن کو کھو دیں اور آگہی حاصل کر کے پختہ بن جائیں۔ ماضی کے لئے مر جائیں اور حال کے لئے پیدا ہو جائیں تو آپ پختہ بن جائیں گے۔ پختگی کا مطلب حال میں زندہ ہونا' حیات کے تمام حسن اور تابناکی سے آگاہ ہونا ہے۔

آگاہی

Awareness

جنت اور جہنم آپ کے اندر ہیں۔ ان کے دروازے بالکل ساتھ ساتھ ہیں۔ دائیں ہاتھ سے آپ ایک دروازہ کھول سکتے ہیں اور بائیں ہاتھ سے دوسرا' محض آپ کے ذہن کی تبدیلی سے آپ کا وجود جنت سے جہنم اور جہنم سے جنت میں منتقل ہو جاتا ہے' ایسا لگاتار ہوتا رہتا ہے۔ اس کا راز کیا ہے؟ راز یہ ہے کہ جب کبھی آپ بے خبر ہوں' جب کبھی آپ لاشعوری طور پر کام کریں تو آپ جہنم میں ہیں اور جب کبھی آپ پوری آگہی سے کام کریں تو آپ جنت میں ہیں' اگر یہ آگہی آپ کی ذات کا حصہ بن جاتی ہے تو آپ کیلئے کوئی جہنم نہیں ہے۔

اپنی ہستی کے لئے تھوڑی سی آگہی پیدا کریں۔ ہر کام کو پہلے کی نسبت کم آٹومیٹک انداز سے کریں۔ اگر آپ چل رہے ہیں تو روبوٹ کی طرح مت چلیں۔ ہر قدم کو پورے شعور کے ساتھ اٹھائیں۔ بدھا اپنے چیلوں کو کہا کرتا تھا کہ جب تم اپنا بایاں قدم اٹھاؤ تو دل میں کہو ''بایاں'' اور جب تم اپنا دایاں قدم اٹھاؤ تو دل میں کہو ''دایاں'' شروع شروع میں ایسا کہیں تا کہ آپ اس نئے عمل سے واقف ہو جائیں پھر لفظ کہنا بند کر دیں۔ صرف یہ یاد رکھیں دایاں' بایاں' دایاں' بایاں۔

اپنے چھوٹے موٹے کاموں میں ایسا کریں۔ آپ سے بڑے بڑے کاموں کی توقع نہیں کی جاتی۔ اپنے تمام کاموں یعنی کھانا' پینا' چلنا' سیر کرنا' کھانا پکانا' سننا' بولنا کو آٹو میٹک نہ بننے دیں۔ آگہی حاصل کرنے کا یہی راز ہے۔

دماغ ایک روبوٹ ہے۔ روبوٹ کا اپنا فائدہ ہے۔ دماغ بھی اسی طرح کام کرتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر آپ تیراکی سیکھتے ہیں تو آپ بہت چوکنے ہوتے ہیں کیونکہ زندگی خطرے میں ہوتی ہے یا اگر آپ گاڑی چلانا سیکھ رہے ہیں تو آپ بہت خبردار ہوتے ہیں۔ آپ کو خبردار ہونا چاہیئے۔ آپ کو بہت سی چیزوں مثلاً سٹیرنگ' پہیے' سڑک' بریک' گیئر' وغیرہ کے متعلق محتاط ہونا چاہیئے۔ آپ کسی قسم کی غلطی کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ پوری طرح آگاہ ہوتے ہیں لیکن جس وقت آپ ڈرائیونگ سیکھ جاتے ہیں تو اس آگاہی اور احتیاط کی ضرورت نہیں رہتی۔ اب یہ کام آپ کے دماغ کا روبوٹ والا حصہ کریگا۔

اسے ہم سکھلائی (Learning) کہتے ہیں۔ سکھلائی کا مطلب ہے کہ کسی چیز کو شعور سے روبوٹ میں منتقل کرنا۔ جب آپ کوئی چیز سیکھ جاتے ہیں تو یہ آپ کے شعور کا حصہ نہیں رہتی بلکہ لاشعور میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اب اسے آپ کا لاشعور سرانجام دے سکتا ہے۔ اب آپ کا شعور کچھ اور سیکھنے کے لئے آزاد ہے۔

اس چیز کی بہت اہمیت ہے ورنہ آپ ساری زندگی ایک ہی چیز سیکھنے میں گزار دیتے۔ دماغ ایک شاندار غلام ہے۔ یہ مشین ہے' اسے استعمال کرو مگر یاد رکھو کہ اسے اپنے اوپر غلبہ نہ پانے دو۔ اسے کرتا دھرتا نہیں بننا چاہیئے' اسے آپ پر مکمل طور پر قابو نہیں پانا چاہیئے۔ ایک دروازہ کھلا چھوڑنا چاہیئے جہاں سے آپ روبوٹ سے واپس آسکیں۔

اس دروازے کے کھلنے کو میڈیٹیشن کہتے ہیں' لیکن یاد رکھیں کہ روبوٹ اتنا ماہر ہے کہ یہ میڈیٹیشن کو بھی اپنے قابو میں لا سکتا ہے۔ ایک مرتبہ جب آپ اسے سیکھ جائیں

گے تو دماغ کہتا ہے' اب تمہیں اس بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے میں اسے خود کر لوں گا۔ تم اسے مجھ پر چھوڑ دو۔

دماغ بہت ماہر ہے' یہ بہت خوبصورت مشین ہے ہماری پوری سائنس اپنی تمام تر ترقی کے باوجود انسانی دماغ جیسی نفیس چیز نہیں بنا سکی۔ دنیا کے بہترین کمپیوٹر بھی ذہن کے مقابلے میں محض کھلونے ہیں۔ دماغ ایک معجزہ ہے۔

لیکن جب کوئی چیز اتنی طاقتور ہو تو اس میں خطرہ بھی ہوتا ہے۔ آپ اس کی طاقت سے اتنے مسحور ہو سکتے ہیں کہ آپ اپنی روح کو گنوا سکتے ہیں۔ اگر آپ مکمل طور پر بھول چکے ہیں کہ آگاہ کیسے رہا جائے تو آپ کی انا جنم لیتی ہے۔

انا مکمل عدم آگہی کا نام ہے۔ دماغ نے آپ کے پورے وجود پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ آپ میں کینسر کی طرح پھیل چکا ہے۔ انا روح کا کینسر ہے۔ اور میرے نزدیک اس کا واحد علاج میڈیٹیشن ہے۔ پھر آپ ذہن سے کچھ حصے آزاد کروانا شروع کر دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ طریقہ کار مشکل ہے مگر فرحت بخش ہے۔ یہ عمل مشکل ضرور ہے مگر پُر جوش ہے۔ یہ آپ کی زندگی میں نئی خوشی لے کر آئے گا۔ جب آپ ذہن سے کچھ حصے واپس چھڑوا لیں گے تو آپ حیران رہ جائیں گے کہ آپ بالکل نئے فرد بن چکے ہیں' آپ نے نیا جنم لیا ہے۔

آپ کو خوشگوار حیرت ہوگی کہ اب آپ کی آنکھیں زیادہ دیکھتی ہیں آپ کے کان زیادہ سنتے ہیں' آپ کا جسم زیادہ محسوس کرتا ہے۔ آپ کا دل زیادہ محبت کرتا ہے۔ گویا ہر چیز زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور یہ زیادتی صرف مقداری ہی نہیں بلکہ خاصیتی بھی ہوتی ہے۔ آپ نہ صرف زیادہ درختوں کو دیکھتے ہیں بلکہ گہرائی سے دیکھتے ہیں۔ درختوں کا سبز رنگ مزید سبز ہو جاتا ہے۔ صرف اتنا نہیں بلکہ ہر درخت اپنی انفرادیت حاصل کر لیتا ہے۔ اب آپ ہستی کے ساتھ مکالمہ بھی کر سکتے ہیں۔

جتنے زیادہ حصوں کو آپ ذہن سے آزاد کرواتے ہیں۔ اتنا ہی زیادہ آپ کی زندگی شعور کو وسعت بخشنے والی اور رنگین بن جاتی ہے۔ آپ قوس قزح اور موسیقی کی لے کی مانند ہو جاتے ہیں۔ آپ کی زندگی ہمہ پہلو اور ہمہ گیر ہو جاتی ہے۔ آپ کی بڑھوتری شروع ہو جاتی ہے اور آپ زندہ ہونا شروع ہوتے ہیں۔ یہ معجزہ ہے میڈیٹیشن کا۔ یہ ایسی چیز نہیں جسے نظرانداز کیا جا سکے۔

آگہی کی نشوونما کرنی پڑے گی۔ آپ میں اس کا صرف بیج موجود ہے۔ اس میں تناور درخت بننے کی صلاحیت موجود ہے اور اس کیلئے دو چیزیں معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔ ایک جائزہ اور دوسرا تحقیق۔

جائزہ کا مطلب ہے کہ کسی چیز کو بغیر مشاہدہ کیے اپنے دماغ سے نہ گزرنے دینا۔ سقراط نے ایک مرتبہ کہا کہ اگر آپ نے بغیر جائزہ کے زندگی گزاری تو آپ نے زندگی برباد کی۔ بغیر جائزہ کے زندگی بے معنی ہے۔

جائزہ پہلا قدم ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ جو کچھ بھی آپ کے دماغ میں ہو اس سے آگاہ ہونا۔ یہاں سے بہت سے خیالات، خواہشات، خوابوں کا گزر ہوتا ہے۔ آپ کو بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ آپ کو ہر اس چیز کا جائزہ لینا ہے جس کا گزر آپ کے دماغ سے ہوتا ہے۔ ایک خیال کو بھی بغیر مشاہدے کے نہیں گزرنا چاہیئے کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ آپ غافل ہیں۔

تحقیق دوسرا قدم ہے۔ پہلے مشاہدہ کرو۔ جائزہ لو اور پھر بنیاد کو دیکھنا شروع کرو۔ ایک چیز بار بار کیوں ہو جاتی ہے؟ آپ کو بار بار غصہ آ جاتا ہے: جائزہ آپ کو صرف یہ بتائے گا کہ غصہ آتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے۔ تحقیق آپ کو غصہ کی جڑیں دکھائے گی۔ آپ کو اصلی سبب کا پتہ چلے گا۔ غصہ تو علامت ہے کسی اور چیز کی جو کہ چھپی ہوئی ہے۔ ممکن ہے یہ آپ کی ایغو (انا) ہو جو مجروح ہوتی ہو اور آپ کو غصہ آ جاتا ہو۔ مگر ایغو اپنے آپ کو پردے میں چھپائے رکھتی ہے۔ یہ درختوں کی جڑوں کی مانند ہے۔ آپ پتوں کو دیکھ سکتے ہیں مگر جڑوں کو نہیں۔

جائزہ کے ذریعے آپ درخت دیکھ سکتے ہیں اور تحقیق کے ذریعے آپ جڑیں دیکھیں گے۔ اور صرف جڑیں دیکھنے ہی سے ایک تبدیلی ممکن ہے۔ جڑوں کو روشنی میں لے آئیں تو درخت خشک ہونا شروع ہو جائے گا۔ اگر آپ اپنے غصہ کی جڑ معلوم کر سکتے ہیں تو آپ حیران رہ جائیں گے کہ غصہ ختم ہونا شروع ہو جائے گا۔ اگر آپ اپنی اداسی کی وجہ معلوم کر لیں تو اداسی ختم ہونا شروع ہو جائے گی۔ گرڈجیف (Gurdjieff) اپنے شاگردوں سے کہا کرتا تھا ''پہلے اپنی اہم خصوصیات تلاش کرو'' ہر شخص کی کوئی نہ کوئی بڑی خصلت ہوتی ہے۔ یہ لالچ ہو سکتا ہے، حسد ہو سکتا ہے، جنس ہو سکتی ہے، حسد ہو سکتا ہے، غصہ ہو سکتا ہے، یا کچھ اور۔ تلاش کریں کہ کونسی اہم صفت ہے؟ کونسا وہ مرکز ہے جس کے گرد آپ کے تمام خیالات اور کیفیات گھومتی ہیں؟ اگر آپ ایک مرکز اور نیوکلیس دریافت کر لیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ جڑ تک پہنچ گئے ہیں۔

حیران کن بات یہ ہے کہ جب آپ جڑ تلاش کر لیں تو آپ کو اسے کاٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اُسی وقت کٹ گئی تھی جب آپ نے اسے تلاش کیا تھا۔

آپ بار بار اداس ہو جاتے ہیں۔ ہر چیز ٹھیک ٹھاک جا رہی ہے مگر اچانک آپ پر اُداسی کا دورہ پڑ جاتا ہے۔ اور پھر یہ کیفیت اچانک ختم ہو جاتی ہے اور شام کو یہ دوبارہ لوٹ آتی ہے۔ اور ایسا ہوتا رہتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟

پہلے جائزہ لیں پھر تحقیق کریں۔ اس سے آپ میں آگہی پیدا ہوگی۔ ایک مرتبہ جب آگہی حاصل ہو جائے گی تو آپ کے ہاتھ میں تلوار آ جائے گی جو تمام بیماریوں کی جڑیں کاٹ ڈالے گی۔ جب آگہی پیدا ہو جائے گی تو آہستہ آہستہ آپ ماضی اور مستقبل کی قید سے آزاد ہو جائیں گے۔ آپ حال میں زیادہ موجود ہوں گے۔ اس موجودگی کے

باعث آپ اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی دوسری دنیا میں ہوں گے۔

جب آپ کی آگہی بہت گہری ہو' جب آپ حال میں موجود ہوں تو آپ زندگی کا گہرا شعور حاصل کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک صوفی یا عارف حُسن کی بات کرتا ہے تو آپ کو وہ حُسن کہیں نہیں نظر آتا۔ عارف عظیم موسیقی کی بات کرتا ہے لیکن آپ کو موسیقی سنائی نہیں دیتی۔

آگہی کا مطلب ہے کہ جو کچھ لمحہ موجود میں ہو رہا ہے آپ اُس سے پوری طرح باخبر ہیں' وہاں موجود ہیں۔ اگر آپ اس وقت موجود ہیں جب غصہ آ رہا ہے تو غصہ نہیں آ سکتا۔ غصہ صرف اسی وقت آ سکتا ہے جب آپ سو رہے ہوں۔ گناہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک آپ باخبر ہیں' موجود ہیں۔ لہذا گناہ صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے بے خبری۔

گناہ کا حقیقی مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی غلط کام کیا جائے۔ اس کا مطلب ہے کوئی چیز چھوڑ دینا' غیر حاضر ہونا۔ گناہ یہ ہے کہ کوئی کام کرنا اور وہاں موجود نہ ہونا۔ نیکی یہ ہے کہ جب آپ کچھ کر رہے ہوں تو اس سے پوری طرح آگاہ ہوں۔ گرڈ جیف اسے خود کو یاد رکھنا کہتا ہے۔ بدھا کے نزدیک یہ متوجہ ہونا ہے۔ کرشن اسے آگہی کے نام سے پکارتے ہیں۔

ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ موجود رہا جائے۔ آپ کو کوئی چیز تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی آپ کچھ بدل سکتے ہیں۔

آپ اپنے اندر کافی تبدیلیاں لانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ کیا آپ نے کامیابی حاصل کی؟ کتنی مرتبہ آپ نے فیصلہ کیا کہ آئندہ غصہ میں نہیں آئیں گے؟ آپ کے فیصلوں کا کیا ہوا؟ جب وقت آتا ہے آپ پھر پھندے میں پھنس جاتے ہیں اور آپ دوبارہ وہی کچھ دہراتے ہیں۔ آپ ایک شیطانی چکر میں گرفتار ہوتے ہیں۔ آپ کو غصہ آتا ہے پھر آپ نادم ہوتے ہیں اور دوبارہ وہ سب کچھ دہرانے کیلئے تیار ہوتے ہیں۔

حتیٰ کہ جب آپ نادم ہوتے ہیں یا پچھتاتے ہیں تو اس وقت بھی آپ موجود

نہیں ہوتے۔ یہ پچھتانا بھی گناہ کا حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ آپ واقعی کوشش کرتے ہیں اور فیصلے کرتے ہیں مگر لا حاصل اور آپ ویسے کے ویسے رہتے ہیں۔ آپ کی تمام کوششیں بے کار جاتی ہیں۔ اصل مسئلہ ہوشیار ہونے کا ہے' کوشش کرنے کا نہیں۔

ایک شوہر اور بیوی کی زندگی دیکھو۔ وہ دونوں افراد نہیں رہے بلکہ اشیاء میں بدل چکے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کو ملکیت میں لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ صرف اشیاء کو ملکیت میں لیا جا سکتا ہے افراد کو نہیں۔ آپ ایک شخص پر کیسے قبضہ کر سکتے ہیں؟ یہ ناممکن ہے۔ مگر خاوند اور بیوی ایک دوسرے پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر تصادم ہوتا ہے۔ اور وہ ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔

جب آپ کسی شخص کو قبضہ میں کر لیتے ہیں تو آپ نفرت کرتے ہیں' تباہ کرتے ہیں' مارتے ہیں۔ آپ ایک قاتل ہیں۔ محبت کو تو آزادی دینی چاہیئے۔ محبت آزادی ہے' محبت محبوب کو زیادہ سے زیادہ آزاد کرے گی۔ محبت بال و پر عطا کرتی ہے اور کھلا آسمان فراہم کرتی ہے۔ یہ قید خانہ نہیں بن سکتی۔ مگر اس طرح کی محبت سے آپ واقف نہیں ہیں کیونکہ یہ اسی وقت ممکن ہے جب آپ آگاہ ہوں۔ آپ تو ایسی محبت سے واقف ہیں جو گناہ ہے' جو بے خبری سے پیدا ہوتی ہے آگاہی سے نہیں۔

آپ کا یہ رویہ ہر چیز کے بارے میں ہے۔ حتیٰ کہ جب آپ کوئی اچھائی کرنا چاہتے ہیں تو اُس وقت بھی آپ نقصان پہنچاتے ہیں۔ ان ناصحوں کو دیکھو' اصل میں تمام فساد کی جڑ یہی لوگ ہیں۔ سماجی ریفارمرز' نام نہاد انقلابی' یہ وہ لوگ ہیں جو حقیقت میں شر انگیز ہیں۔ لیکن یہ دیکھنا بہت مشکل ہے کہ ان کا شر کہاں ہے کیونکہ وہ تو بہت اچھے لوگ ہیں۔ وہ تو ہمیشہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں۔ دوسروں کو قید خانہ میں ڈالنے کا ان کے پاس ایک ہی طریقہ ہے یعنی آپ انہیں اپنے ساتھ کوئی بھلائی کرنے کی اجازت

دیں۔اس کا مطلب ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو ان کے سپرد کر دیا ہے۔

انہوں نے ایک حربہ سیکھ لیا ہے کہ اگر دوسروں کو قابو میں کرنا چاہتے ہو تو ان کے ساتھ بھلائی کرو۔ انہیں خود بھی نہیں معلوم کہ انہوں نے یہ حربہ سیکھ لیا ہے۔کوئی بھی ایسی چیز جس کا مقصد دوسروں کو قابو میں کرنا ہو خواہ وہ کسی نام سے ہو غیر مذہبی ہے' گناہ ہے۔آپ کے مندر' کلیسا' ان تمام نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ انہوں نے آپ پر غلبہ حاصل کر لیا ہے' آپ کو اپنی ملکیت بنا لیا ہے۔

ہر گرجا گھر مذہب کے خلاف ہے کیونکہ مذہب تو آزادی دیتا ہے۔ پھر ایسا کیوں ہوا؟ عیسیٰ آپ کو آزادی دینے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر یہ چرچ کہاں سے آ گیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیحدہ دنیا میں تھا۔ وہ آگہی کی دنیا میں تھا اور جو لوگ اس کی پیروی کرتے تھے وہ بے خبری کی دنیا میں تھے۔ وہ جو کچھ بھی سنتے تھے اس کی تشریح اپنے خوابوں کے مطابق کرتے تھے۔عیسیٰ آپ کو مذہب سے متعارف کرواتا ہے اور لوگ اسے چرچ میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ شیطان درخت کے نیچے بہت اُداس بیٹھا تھا کہ اُدھر سے کسی ولی کا گزر ہوا۔اس نے شیطان سے کہا ''ہم نے سُنا ہے کہ تم کبھی بھی آرام سے نہیں بیٹھتے' تم ہر وقت کسی نہ کسی کے خلاف سازش کرتے رہتے ہو۔ آج تم اس درخت کے نیچے خاموشی سے کیسے بیٹھے ہو''؟

شیطان بہت مایوس تھا۔ اس نے کہا ''میرا خیال ہے کہ میرے حصے کا کام پادریوں نے اپنے ذمہ لے لیا ہے اس لیے میں بالکل فارغ ہوں۔ بعض اوقات تو میں خودکشی کرنے کا سوچتا ہوں کیونکہ یہ پادری لوگ بہت اچھا کام کر رہے ہیں''۔

شیطان کا کام اس لیے ختم ہو گیا ہے کہ پادریوں نے آزادی کو غلامی اور صداقت کو اصولوں سے بدل دیا ہے۔انہوں نے آگہی اور بیداری کی دنیا کو بے خبری سے بدل دیا ہے۔

اس بے خبری اور نیند کی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ کیونکہ اگر آپ کو اس کا پتہ چل جاتا ہے تو آپ چوکنا ہونا' باخبر ہونا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بے خبری کیسے پیدا ہوتی ہے؟ اس کا کیا عمل ہے؟

دماغ ہمیشہ ماضی یا مستقبل میں رہتا ہے۔ یہ حال میں نہیں رہ سکتا۔اس کیلئے ایسا کرنا صریح ناممکن ہے۔ جب آپ حال میں ہوتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ دماغ وہاں موجود نہیں ہے کیونکہ دماغ کا مطلب ہے سوچنا۔ آپ حال میں رہتے ہوئے کیسے سوچ سکتے ہیں؟ آپ ماضی کے بارے میں سوچ سکتے ہیں کیونکہ وہ پہلے ہی آپ کی یادداشت کا حصہ بن چکا ہے۔آپ مستقبل کے بارے میں سوچ سکتے ہیں۔آپ مستقبل کے سہانے سپنے دیکھ سکتے ہیں۔ دماغ دو کام کر سکتا ہے۔ یہ ماضی میں حرکت کر سکتا ہے یا مستقبل میں۔ یہاں اس کیلئے غیر محدود جگہ ہے۔ لیکن دماغ حال میں کیسے کام کر سکتا ہے؟ یہاں تو اس کی حرکت کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ حال تو صرف ماضی اور مستقبل کو منقسم کرنے والا خط ہے۔

آپ حال میں موجود ہو سکتے ہیں مگر آپ یہاں سوچ نہیں سکتے۔ کیونکہ سوچنے کیلئے جگہ کی ضرورت ہوگی۔ خیالات کے لئے جگہ درکار ہے۔ وہ بالکل اشیاء کی مانند ہیں۔ وہ ٹھوس ہیں۔ جگہ گھیرتے ہیں' خیالات روحانی یا غیر جسمانی نہیں ہیں۔ کیونکہ روح کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب خیالات نہیں ہوتے۔ آپ حال میں نہیں سوچ سکتے۔ جس لمحہ آپ سوچنا شروع کرتے ہیں وہ پہلے ہی ماضی بن چکا ہوتا ہے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ سورج طلوع ہو رہا ہے۔ آپ کہتے ہیں کتنا دلفریب منظر ہے یہ منظر ماضی بن چکا ہے۔ کیونکہ جب آپ کہتے ہیں ''کتنا دلفریب'' تو یہ تجربہ پہلے ہی ماضی بن چکا ہے۔ دماغ پہلے ہی اسے اپنی یادداشت میں جانتا ہے۔ جب سورج واقعی طلوع ہونے کے مرحلہ میں ہے تو اس وقت آپ کیسے سوچ سکتے ہیں؟ آپ طلوع ہوتے سورج کے ساتھ تو ہو سکتے ہیں مگر سوچ نہیں سکتے۔

جس وقت آپ حال میں ہوتے ہیں اور کچھ سوچ نہیں رہے ہوتے صرف اس وقت آپ روحانی دنیا میں قدم رکھتے ہیں۔ آپ کے سامنے ایک نئی سمت ہوتی ہے اور یہ نئی سمت آگہی کی ہے۔

جب آپ زمانہ حال میں بغیر سوچے موجود ہوتے ہیں تو اس وقت آپ روحانی ہوتے ہیں۔ آگہی کا ایک نیا راستہ کھل جاتا ہے۔

تیسرا حصہ

ازلی سوالات پر ایک تازہ نظر

A New Look At Eternal Questions

ازلی سوالات پر ایک تازہ نظر

A New Look At Eternal Questions

جب کبھی بھی دنیا کے شعور میں ایک نیا موڑ آتا ہے‘ ایک نئے مذہب کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایک لحاظ سے یہ مذہب نیا ہوتا ہے اور دوسرے لحاظ سے پرانا۔ پرانی روایات میں سے جو کچھ سچ ہوگا‘ لے لیا جائے گا۔ بہر حال یہ ایک نیا مذہب ہوگا‘ شراب اگرچہ پرانی ہوگی مگر جام نیا ہوگا۔

سچ نیا یا پرانا نہیں ہوتا۔ یہ تو ازل سے ہی ایک جیسا ہے۔ یہ زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہے۔ جو سچائی بدھا نے دریافت کی وہی میں نے کی ہے۔ جو سچائی میں نے حاصل کی ہے وہی آپ حاصل کریں گے۔ ایسا نہیں کہ سچائی کئی طرح کی ہے۔ سچائی تو ایک ہی ہے۔ اب بدھا کی زبان موزوں نہیں میری زبان موزوں ہے۔ دو ہزار پانچ سو سال قبل بدھا مختلف قسم کے لوگوں سے‘ مختلف قسم کے سماج سے اور مختلف قسم کے ذہن سے مخاطب تھا۔ میں ایک مختلف طرح کی دنیا کا آدمی ہوں۔ میں ایک مختلف انسان سے مخاطب ہوں۔ مگر سچائی وہی پرانی ہے۔

اگر آپ پرانے کے ساتھ چمٹے رہیں گے تو آپ ماضی سے اور مردہ سے چمٹے رہیں گے۔ ہر دور کو سچائی خود دریافت کرنا ہوگی اور اس کے اظہار کا طریقہ بھی دریافت کرنا

ہوگا۔ ہر دور کو سچائی کی دریافت بار بار کرنا پڑتی ہے۔ سچائی اگرچہ وہی ہے مگر اس کی دریافت ہر مرتبہ نئی ہے۔

سائنس میں آپ ایک مرتبہ دریافت کرتے ہیں تو یہ دریافت ہمیشہ کیلئے ہوتی ہے۔ مذہبی سچائی ایک بالکل مختلف چیز ہے۔ اسے بار بار دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے صرف اسی صورت میں یہ زندہ رہ سکتی ہے۔ میں ایک نئی مذہبیت سامنے لا رہا ہوں۔ لیکن مذہب نیا کیسے ہوسکتا ہے؟ میں آپ کیلئے وہی مذہبیت لا رہا ہوں جو اس سے پہلے آئی تھی۔ ایک لحاظ سے یہ جدید ہے اور دوسرے لحاظ سے قدیم۔

جو لوگ مجھے سمجھتے ہیں اور بدھا سے محبت کرتے ہیں تو وہ میرے اندر بدھا کو محسوس کریں گے۔ اگر انہوں نے محمدؐ سے پیار کیا ہے تو وہ میرے اندر محمدؐ کو پائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے گرد اتنے لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ یہ بڑا انوکھا مجمع ہے۔ یہاں ہندو بھی ہیں اور جینی بھی، بدھسٹ علماء بھی ہیں اور مسلمان بھی، عیسائی بھی ہیں اور حتیٰ کہ یہودی بھی۔ اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بیسویں صدی دنیا میں نیا شعور لے کر آئی ہے۔ اب آپ دیکھ سکتے ہیں۔ اب آپ زبان اور لفظوں کے پابند نہیں رہے۔

میں ایک نئی مذہبیت کا پرچار کر رہا ہوں جو کہ حقیقی مذہب ہے۔ اسلام میں اسے صوفی ازم کہا جاتا ہے، بدھ ازم میں اسے زین (Zen) کہتے ہیں۔ جوڈ ازم میں اسے ہاسڈ ازم کہتے ہیں۔ مگر میں آپ کی زبان بولتا ہوں۔ میں اس انداز سے بولتا ہوں جس طرح آپ سمجھ سکتے ہیں۔ میں مذہبی زبان میں بات کرتا ہوں۔ مگر میں ایسے بولتا ہوں جیسے میں ہرگز مذہبی نہیں ہوں۔ آج دنیا کو اسی چیز کی ضرورت ہے۔ اس دنیا کو ایک ایسے مذہب کی ضرورت ہے جو تمام توہمات سے پاک ہو۔

اس صدی کی تربیت سائنسی انداز اور منطقی انداز سے ہوئی ہے۔ میں ایک ایسی چیز کے بارے میں بات کر رہا ہوں جو بنیادی طور پر غیر منطقی ہے مگر مجھے منطقی انداز سے بات کرنا ہے۔ اگر آپ ایک صوفی کے پاس جائیں تو وہ غیر منطقی چیز کے بارے میں غیر منطقی انداز سے بات کرے گا۔ میں غیر منطقی چیز کے بارے میں منطقی انداز سے بات کر رہا ہوں۔ آپ اپنے اور صوفی کے درمیان کوئی درمیانی واسطہ قائم نہیں کر سکتے۔ البتہ میرے ساتھ یہ معاملہ بہت آسان ہے۔ آپ کو اپنے تک لانے کیلئے میں تھوڑا سا آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔

پہلے میں آپ کے ساتھ جاتا ہوں۔ میں آپ کو مطمئن کرتا ہوں کہ میں آپ کے ساتھ آ رہا ہوں۔ جلد یا بدیر آپ بھول جاتے ہیں اور میرے ساتھ چلنا شروع کر دیتے ہیں۔ میں آپ کی گہری سیاہ وادی میں اترنے کو تیار ہوں۔ میں آپ کے لاشعور کے غار میں آپ کی مرضی کے مطابق اترنے کو تیار ہوں۔ ایک دفعہ میں وہاں داخل ہو جاؤں تو آپ کو میں باہر لا سکتا ہوں۔ ایک نئے مذہب کا پرچار کرنے سے میری مراد یہی ہے۔

آپ پوچھتے ہیں کہ مستقبل کے بارے میں میرا کیا خیال ہے؟ مستقبل شاندار ہے کیونکہ حال شاندار ہے۔ میں مستقبل کی فکر نہیں کرتا۔ میرے لیے حال ہی کافی ہے۔ اگر حال خوبصورت ہے تو مستقبل کا خوبصورت ہونا یقینی ہے کیونکہ مستقبل نے حال ہی کے بطن سے جنم لینا ہے۔ ہمیں مستقبل کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ مستقبل کے بارے میں پیشین گوئیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں لمحہ موجود سے خوشی کشید کرنا چاہیئے۔ اور اگلا لمحہ اسی لمحہ موجود سے پیدا ہوگا۔

کچھ لوگ مستقبل کے ہی خواب بُنتے رہتے ہیں۔ ایسا مستقبل کبھی رونما نہیں ہوتا۔ ایسا مستقبل احمقوں کی جنت ہوتا ہے۔ میں مستقبل کی پرواہ نہیں کرتا۔ میں بالکل مختلف طرح

کا انسان ہوں۔ مستقبل ایک بالکل غیر متعلق چیز ہے۔ میری ساری جدوجہد کا دائرہ یہاں تک محدود ہوتا ہے کہ حال کو کیسے خوشگوار بنایا جائے؟ لوگوں کے چہروں پر کیسے ہنسی کی کرن لائی جائے اور لوگوں کی زندگیوں میں کیسے خوشیوں کے رنگ بکھیرے جائیں؟ فکرِ فردا چھوڑیں۔ آج کو حسین بنائیں کہ کل نے آج کی کوکھ سے جنم لینا ہے۔

محبت اور تعلقات

Love and Relationship

اس زمین کا سب سے خوبصورت پھول انسان ہے۔ انسان کا نغمہ تمام پرندوں کے نغموں سے زیادہ شیریں ہے۔ اگر چہ پرندوں کے گیت بھی خوبصورت ہیں کیونکہ وہ معصومیت سے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر آپ زیادہ بہتر اور زیادہ اہمیت کے حامل گیت گا سکتے ہیں۔ لیکن لوگ اپنے آپ سے یہی سوال کرتے رہتے ہیں کہ ''مجھے کیا ملا؟''

درخت خوبصورت ہیں، ستارے خوبصورت ہیں، دریا خوبصورت ہیں۔ مگر کیا آپ نے کبھی انسانی چہرے سے زیادہ خوبصورت چیز دیکھی ہے؟ کیا آپ کا سامنا انسانی آنکھ سے زیادہ حسین چیز سے ہوا ہے۔ پوری روئے زمین پر انسانی آنکھ سے زیادہ نفیس اور نازک چیز نہیں ہے۔ اس نفاست کا مقابلہ گلاب کی پتی بھی نہیں کر سکتی۔ مگر آپ پوچھتے ہیں ''محبت میں مجھے کیا ملا؟''

درحقیقت جب کوئی آپ سے محبت کرتا ہے تو آپ تھوڑا سا حیران رہ جاتے ہیں، کیا مجھ سے پیار! وہ شخص مجھ سے پیار کرتا ہے؟ یہ خیال آپ کے ذہن میں اس لیے پیدا ہوتا ہے کیونکہ ''وہ شخص مجھے نہیں جانتا یا جانتی۔ اگر وہ مجھے جان لے تو وہ مجھ سے کبھی پیار نہیں کرے گا/گی۔ اس لیے پیار کرنے والے اپنے آپ کو (ایک دوسرے سے) چھپانا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ بہت سی باتیں خفیہ رکھتے ہیں۔ وہ اپنے راز ظاہر نہیں کرتے کیونکہ انہیں ڈر ہے کہ اگر انہوں نے اپنے آپ کو صحیح صحیح پیش کر دیا تو اسی لمحے محبت غائب ہو جائے گی۔

وہ خود اپنے آپ سے محبت نہیں کرتے تو دوسرے لوگ ان سے کیسے محبت کر سکتے ہیں؟

محبت کی ابتداء اپنی ذات سے محبت کرنے سے ہوتی ہے۔ یہ خود غرضی نہیں ہے۔ یہ دونوں مختلف چیزیں ہیں۔ نرگسیت کا شکار نہ ہوں۔ مگر اپنی ذات سے صحت مند محبت ایک فطری بات ہے۔ اس کے بعد ہی آپ کسی اور سے محبت کر سکتے ہیں۔

اپنے آپ کو تسلیم کریں، محبت کریں۔ آپ بھی خدا کی مخلوق ہیں۔ آپ بہت خاص اور یونیک ہیں۔ دنیا میں آج تک آپ جیسا کوئی شخص نہیں ہوا اور نہ ہی ہوگا۔ اس بات کو دل سے مان لیں۔ محبت اسی صورت میں ممکن ہے جب آپ اپنے آپ کو دوسروں کو اور دنیا کو تسلیم کر لیں۔ یہ تسلیم کرنا وہ ماحول تیار کرتا ہے، وہ زمین ہموار کرتا ہے جہاں محبت پیدا ہوتی ہے۔

محبت نسبت کا نام نہیں ہے۔ محبت تعلق قائم کرتی ہے۔ نسبت تو انتہا کا نام ہے یہ اسم ہے، اختتام ہے۔ ہنی مون ختم ہو چکا ہے۔ اب کوئی خوشی باقی نہیں رہی۔ تمام جذبے ماند پڑ چکے ہیں۔ بے شک آپ اسے اپنے وعدے نبھانے کی خاطر جاری رکھ سکتے ہیں۔ آپ اسے جاری رکھ سکتے ہیں کیونکہ اس میں بڑا آرام ہے۔ آپ اسے جاری رکھ سکتے ہیں کیونکہ اب کچھ اور کرنے کو باقی نہیں رہا۔ آپ اسے جاری رکھ سکتے ہیں کیونکہ اسے توڑنے سے آپ کیلئے مسائل کے انبار لگ جائیں گے۔

نسبت (Relationship) کا مطلب ہے کہ ایک چیز پایہ تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔ محبت نسبت نہیں ہے۔ یہ تو ایک ہمیشہ بہتا رہنے والا دریا ہے۔ محبت ایک ناول نہیں ہے جس کا ایک آغاز اور انجام ہے۔ اس ہنی مون کا آغاز ہے مگر اختتام نہیں۔ یہ لافانی مظہر ہے۔ محبت کرنے والے ختم ہو جاتے ہیں مگر محبت جاری رہتی ہے۔ یہ فعل ہے اسم نہیں۔ آخر ہم نسبت کو تعلق پر کیوں فوقیت دیتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ نسبت ہونے میں تحفظ ہے اور تعلق میں نہیں۔ تعلق دو اجنبی افراد کا ملنا ہے۔ ممکن ہے کہ صرف شب بھر کا قیام ہو اور صبح کو خدا حافظ کہہ دیا جائے۔ کون جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا؟ اور ہم اتنے ڈرے ہوئے ہیں کہ ہم کل کو اپنی مرضی کے مطابق بنانا چاہتے ہیں۔ ہم کل کو اتنی آزادی نہیں دیتے کہ وہ اپنا راستہ خود بنائے۔ اسی لیے ہم تعلق کو محدود کر کے نسبت بنا دیتے ہیں۔

آپ ایک مرد یا عورت سے محبت میں گرفتار ہیں اور فوراً ہی آپ شادی کے بارے میں سوچنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایک قانونی معاہدہ کرتے ہیں۔ آخر کیوں؟ یہ محبت کے درمیان قانون کہاں سے آ گیا۔ قانون اس لیے آتا ہے کہ وہاں محبت نہیں ہے۔ یہ صرف ایک سراب ہوتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ سراب جلد ہی غائب ہو جاتا ہے۔ تو اس سے پہلے کہ سراب ختم ہو جائے ہم جدائی کو ناممکن بنانے کا انتظام کر لیتے ہیں۔

ایک بہتر دنیا میں، عقل و شعور کی دنیا میں، لوگ ٹوٹ کر محبت کریں گے لیکن یہ محبت تعلق رہے گی نسبت نہیں بنے گی۔ میرا کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی محبت لمحاتی ہوگی۔ بلکہ ان کی محبت کی گہرائی کے وسیع امکانات ہوں گے۔ ان کی محبت واقعی شاعری ہوگی۔ ان کی محبت آپ کی نام نہاد محبت سے زیادہ دیرپا ہوگی لیکن اس کی ضمانت قانون، عدالت اور پولیس مین سے نہیں ملے گی۔

اس کی ضمانت دل کے ارادے سے ملے گی۔ یہ ایک خاموش معاہدہ ہوگا۔ دل گواہی دیں گے۔ اگر آپ کسی شخص کی ہمراہی سے لطف اندوز ہوتے ہیں تو آپ اس سے زیادہ سے زیادہ لطف حاصل کرنا چاہیں گے۔

ایک دل کی دوسرے دل کے ساتھ وابستگی کی ضرورت ہے لفظ ادا کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ الفاظ اس مقدس جذبے کو گندہ کر دیں گے۔ دل کی دل سے، آنکھ کی آنکھ سے ایک خاموش وابستگی ہونی چاہیئے۔ اسے کہنے کی بجائے سمجھنا چاہیئے۔

یہ کتنی خوفناک بات ہے کہ لوگ شادی کے لیے چرچ یا کورٹ جائیں۔ یہ سب غیر فطری اور غیر انسانی ہے۔ اس سے تو صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ انہیں اپنے اندر کی آواز سے زیادہ پولیس مین پر اعتماد ہے۔ اور یہ کہ انہیں اپنی محبت پر نہیں بلکہ قانون پر اعتماد ہے۔

تعلقات کو، رشتوں کو بھول جائیں اور رابطہ قائم کرنا سیکھیں۔ ایک مرتبہ جب

آپ رشتے میں منسلک ہو جاتے ہیں تو آپ ایک دوسرے کو سمجھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ چیز محبت کا ملیامیٹ کر دیتی ہے۔ عورت سمجھتی ہے کہ وہ آدمی کو جانتی ہے' آدمی سمجھتا ہے کہ وہ عورت کو جانتا ہے۔ حالانکہ ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو نہیں جانتا ہوتا۔ دوسرے کو جاننا ناممکن ہے۔ دوسرا شخص تو اسرار ہے۔ اُسے جاننے کا دعویٰ کرنا تو اس کی توہین ہے۔

آپ عورت کو کیسے جان سکتے ہیں؟ آپ مرد کو جاننے کا دعویٰ کیسے کر سکتی ہیں؟ وہ چیزیں نہیں ہیں۔ وہ تو مستقل عمل ہیں۔ جس عورت کو آپ کل جانتے تھے آج وہ نہیں ہے۔ گنگا میں نیا پانی آ چکا ہے۔ اب وہ بالکل مختلف فرد ہے۔ اس سے دوبارہ تعلق قائم کریں۔ نئے سرے سے محبت کا آغاز کریں۔

وہ آدمی جس کے ساتھ آپ رات تھیں صبح کو اس کا چہرہ دوبارہ دیکھیں۔ اب وہ پہلے والا شخص نہیں رہا۔ یہی فرق ہے انسان اور اشیاء میں۔ کمرے کا فرنیچر ویسا ہی ہے مگر آدمی اور عورت پہلے جیسے نہیں ہیں۔ انہیں دریافت کرنا دوبارہ شروع کریں۔ تعلق قائم کرنے سے میری مراد یہی ہے۔

تعلق کا مطلب ہے کہ آپ ہمیشہ آغاز کرتے رہتے ہیں۔ آپ واقفیت حاصل کرنے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ بار بار آپ ایک دوسرے کو اپنا تعارف کرواتے ہیں۔ آپ پُراسراریت کو توڑنے کی کوششیں کرتے ہیں جو آپ نہیں توڑ سکتے۔

اگر آپ تعلق قائم کرتے ہیں اور اسے کسی نسبت میں نہیں بدلتے تو دوسرا فرد آپ کیلئے آئینہ بن جائے گا۔ جب آپ دوسرے کا کھوج لگائیں گے تو ساتھ ہی اپنا بھی کھوج لگائیں گے۔ دو محبت کرنے والے ایک دوسرے کا آئینہ بن جاتے ہیں اور پھر محبت ایک میڈیٹیشن بن جاتی ہے۔

منسوب ہونے میں دونوں افراد ایک دوسرے سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ ذرا سوچیں کہ آپ کو اپنی بیوی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟ آپ کو اپنے شوہر کے چہرے کو دیکھے کتنا زمانہ بیت گیا ہے؟ ممکن ہے کہ سالوں۔ آپ پہلے ہی یہ فرض کر

چکے ہیں کہ آپ اپنے شریک حیات کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اسی لیے آپ اجنبی افراد کے بارے میں زیادہ متجسس ہوتے ہیں۔ پرانے تعلق کے بارے میں آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ آپ کو علم ہے کہ جو کچھ پہلے ہوتا آیا ہے وہی آئندہ ہوگا۔

حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ کچھ بھی دوبارہ نہیں دہرایا جاتا۔ صرف آپ کی آنکھیں پرانی ہو جاتی ہیں۔ آپ کے مفروضات پرانے ہو جاتے ہیں' آپ کے آئینے پر گرد جمع ہو جاتی ہے جس وجہ سے آپ دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے۔ حالانکہ ہر فرد ایک ناختم ہونے والا اسرار ہے۔ اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اس لیے یہ ناممکن ہے کہ آپ ایسا کہیں کہ ''میں اسے جان چکا ہوں'' البتہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ ''میں نے اپنی پوری کوشش کی مگر اسرار اسرار رہا''۔ اصل میں جتنا آپ دوسروں کو جانتے جاتے ہیں اسرار بڑھتا جاتا ہے۔ محبت ایک مستقل ایڈونچر ہے۔

حسد کا محبت سے کوئی تعلق نہیں۔ درحقیقت آپ کی نام نہاد محبت کا بھی محبت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ آپ خوشنما الفاظ کو ان کے معنی جانے بغیر استعمال کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح آپ ایک لفظ 'محبت' بولتے رہتے ہیں۔ آپ اسے اتنا استعمال کرتے ہیں کہ اس حقیقت کو بھی بھول جاتے ہیں کہ آپ نے اس کا تجربہ کبھی کیا ہی نہیں۔ ان خوشنما الفاظ مثلاً خدا' محبت' نروان' عبادت کو استعمال کرنے میں یہی خطرہ ہے۔ انہیں اتنی زیادہ مرتبہ دہرایا جاتا ہے کہ آپ کو یقین آ جاتا ہے کہ آپ ان سے واقف ہیں۔

آپ محبت کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟ محبت میں حسد شامل نہیں ہوتا۔ جہاں حسد ہوتا ہے وہاں محبت نہیں رہ سکتی۔

حسد محبت کا نہیں بلکہ جذبہ ملکیت کا حصہ ہے۔ آپ محبوب کو ملکیت میں لینا چاہتے ہیں۔ ملکیت کے بعد آپ مضبوط محسوس کرتے ہیں۔ آپ کی ملکیت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر کوئی اور آپ کی ملکیت میں دخل اندازی کرتا ہے تو آپ کو غصہ آتا ہے یا اگر کسی شخص کا آپ سے بڑا مکان ہے تو آپ حاسد ہو جاتے ہیں۔ یا اگر کوئی آپ کو آپ کی

ملکیت سے جُدا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو آپ حاسد بن جاتے ہیں۔

اگر آپ محبت کرتے ہیں تو حسد کرنا ناممکن ہے۔ محبت اور حسد دو متضاد جذبے ہیں۔ اگر آپ کسی سے محبت کرتے ہیں تو آپ اس سے حسد کیسے کر سکتے ہیں؟ اگر آپ کی بیوی کسی اور کے ساتھ ہنس رہی ہے تو آپ کیسے حسد کر سکتے ہیں؟ آپ تو خوش ہوں گے۔

یہ آپ کی بیوی ہے جو خوش ہو رہی ہے۔ اُس کی خوشی آپ کی خوشی ہے۔ آپ اس کی خوشی کے خلاف کیسے سوچ سکتے ہیں؟

ذرا مشاہدہ کریں۔ کیا ایسا ہر خاندان میں نہیں ہو رہا ہے؟ اگر خاوند کافی دیر سے اخبار پڑھ رہا ہے تو بیوی اخبار سے حسد کرتی ہے، وہ اسے چھین لیتی ہے۔ وہ اخبار کو اپنا رقیب تصور کرتی ہے۔ جب وہ موجود ہے تو خاوند کی اخبار پڑھنے کی کیسے جرأت ہوئی؟ یہ اس کی توہین ہے۔

بیوی کی موجودگی میں اگر شوہر کسی اور عورت سے گفتگو کرتا ہے اور خوش نظر آتا ہے، جو کہ ایک فطری بات ہے، تو بیوی ناراض ہو جاتی ہے۔ آپ یہ تجربہ کر سکتے ہیں۔ اگر ایک جوڑا گزر رہا ہے اور آدمی اداس دکھائی دیتا ہے تو جان لیں کہ وہ خاوند اور بیوی ہیں۔ اگر وہ خوش نظر آتا ہے تو ان کی شادی نہیں ہوئی ہے۔ ایک مرتبہ میں ٹرین میں سفر کر رہا تھا۔ اسی کمپارٹمنٹ میں ایک خاتون بھی تھی۔ ہر اسٹیشن پر ایک آدمی اندر آتا اور اس کیلئے کوئی نہ کوئی کھانے کی چیز لاتا۔ میں نے اس سے پوچھا "یہ آدمی کون ہے"؟

اس نے کہا "میرا شوہر"

میں نے کہا "مجھے یقین نہیں ہے۔ تم لوگوں کی شادی کو کتنا عرصہ گزرا ہے"؟

وہ کچھ پریشان ہو گئی۔ اس نے اقرار کیا اور کہا کہ ان کی شادی نہیں ہوئی ہے۔ وہ حیران ہوئی کہ مجھے اس بات کا کیسے پتہ چلا۔

میں نے کہا "میں نے کسی شوہر کو اس طرح ہر اسٹیشن پر آتے نہیں دیکھا"

اس نے کہا "تمہارا خیال درست ہے۔ وہ میرا شوہر نہیں بلکہ وہ میرے شوہر کا دوست ہے"۔

آپ حقیقت میں اپنی بیوی سے، اپنے شوہر سے پیار نہیں کرتے۔ اگر آپ واقعی گرفتارِ محبت ہوں تو اس کی خوشی آپ کی خوشی ہوتی ہے۔ اگر آپ محبت کرتے ہیں تو آپ ملکیت قائم نہیں کرتے۔

محبت میں کامل آزادی دینے کی صلاحیت ہے۔ صرف محبت ہی کامل اور بھرپور آزادی دے سکتی ہے۔ اگر محبت آزاد نہیں کرتی تو یہ محبت نہیں ہے، کچھ اور ہے۔ یہ آپ کی انا کا بچھایا ہوا جال ہے۔

آپ کی بیوی خوبصورت ہے تو آپ شہر میں سب کو دکھانا چاہتے ہیں۔ بالکل اپنی ملکیت کی طرح کہ آپ کے پاس ایک خوبصورت عورت ہے۔ جیسے آپ اپنی نئی کار سب کو دکھانا چاہتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی آپ اپنی بیوی کے ساتھ کرتے ہیں۔ آپ اس کے لئے جواہرات لاتے ہیں مگر جذبہ محبت کی وجہ سے نہیں۔ وہ آپ کی انا کیلئے ڈیکوریشن پیس ہے۔ مگر جیسے ہی آپ کے حق کو ٹھیس پہنچنے کا اندیشہ ہو تو آپ اس عورت کو جان سے بھی مار سکتے ہیں جس سے آپ کو محبت کا دعویٰ ہے۔

ہر جگہ انا ہی کی کارستانی ہے۔ ہم لوگوں کو اشیاء میں بدلنا چاہتے ہیں۔ ہم ان پر اشیاء کی طرح تسلط قائم کرتے ہیں۔ انا کا محبت اور دوستی سے کوئی تعلق نہیں۔ انا جارحیت ہے، تشدد ہے۔

حقیقی طور پر آگاہ شخص وہ ہے جو زندگی تنہا گزار سکتا ہے اور جس میں تنہا رہنے کی صلاحیت ہے صرف وہی دوسروں کے ساتھ رہ سکتا ہے۔ جو شخص تنہا نہیں رہ سکتا وہ دوسروں کے ساتھ تعلق قائم نہیں رکھ سکتا کیونکہ اس کی کوئی انفرادیت نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ خوفزدہ رہتا ہے کہ اگر وہ دوسرے شخص کے بہت قریب آ گیا تو وہ اپنے آپ کو کھو دے گا۔

یہی وجہ ہے کہ لوگ شدید محبت کرنے سے خوفزدہ ہیں، بہت قریب آنے سے خوفزدہ ہیں کیونکہ اس طرح اپنے آپ کو دوسرے میں مدغم کرنا پڑتا ہے۔ خوف یہ ہے کہ کہیں

دوسرا فرد آپ پر غلبہ نہ پا لے‘ کہیں دوسرا ہی آپ کی پہچان نہ بن جائے۔

صرف وہ فرد جو تنہا رہنے کی خوبصورتی سے واقف ہے دوسروں کے قریب آ سکتا ہے کیونکہ وہ بے خوف ہے۔ جو شخص تنہا نہیں رہ سکتا وہ ہمیشہ دوسروں کا محتاج رہتا ہے۔ وہ دوسروں سے چمٹا رہتا ہے کیونکہ اسے خوف ہے کہ کہیں وہ اسے چھوڑ نہ جائیں اور پھر اسے عذاب تنہائی جھیلنا پڑے گا۔ وہ اکلاپے سے ڈرتا ہے۔

جب کبھی آپ دوسرے کو اپنی ملکیت بناتے ہیں آپ خود دوسرے کی ملکیت بن جاتے ہیں۔ جب آپ کسی کو غلام بناتے ہیں تو خود بھی غلام بن جاتے ہیں۔ جب آپ کو یہ ڈر ہوتا ہے کہ دوسرا آپ کو چھوڑ جائے گا تو آپ سمجھوتہ کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔

ہر خاوند اور بیوی نے یہی سمجھوتہ کیا ہوا ہے۔ وہ اپنی روحوں کا سودا کر چکے ہیں کیونکہ وہ اکیلے نہیں رہ سکتے۔ انہیں ڈر ہے کہ اگر آدمی یا عورت نے چھوڑ دیا تو...... یہ تصور ہی بہت خوفناک ہے۔

جس میں تنہا رہنے کی صلاحیت ہے اس میں محبت کرنے کی صلاحیت ہے۔ آپ کو اس بات میں تضاد محسوس ہوگا مگر ایسا نہیں ہے۔ ایسے ہی لوگ دوسروں پر غلبہ پائے بغیر‘ دوسروں کا محتاج بنے بغیر‘ دوسروں کو اشیاء میں بدلے بغیر اور دوسروں کا عادی بنے بغیر دوسرے شخص کے دل کی گہرائی تک اتر سکتے ہیں وہ دوسرے شخص کو مکمل آزادی دیتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر دوسرا شخص انہیں چھوڑ بھی جائے تو پھر بھی وہ اتنے ہی خوش ہوں گے جتنے وہ اب ہیں۔ ان کی خوشی کو کوئی دوسرا نہیں چھین سکتا کیونکہ یہ انہیں دوسروں سے نہیں ملی ہے۔

پھر آخر لوگ اکھٹے رہنا کیوں چاہتے ہیں؟ یہ ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو لگژری ہے۔ خدارا اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ حقیقی افراد ایک دوسرے سے محبت ضرورت کے تحت نہیں بلکہ لگژری کے طور پر کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور تنہا پرواز بھی کر سکتے ہیں۔

بانسری نواز جانتا ہے کہ اکیلے میں بانسری سے کیسے محظوظ ہوا جاتا ہے اور اگر اسے ایک طبلا نواز مل جاتا ہے تو دونوں ایک دوسرے کے ساتھ پرجوش ہوں گے اور طبلے اور بانسری میں ہم آہنگی پیدا کریں گے۔

مگر معاشرہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو ضرورت مند ہیں‘ جو کسی نہ کسی طرح محتاج ہیں۔ بچے والدین پر انحصار کرتے ہیں تو والدین بچوں پر‘ بچہ ماں کے بغیر نہیں رہ سکتا مگر ماں بھی بچے کے بغیر نہیں رہ سکتی۔

خاندان کے افراد ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔ اس سے آرام و تحفظ ملتا ہے۔ پھر ایک خاندان دوسرے خاندانوں پر انحصار کرتا ہے۔ لوگ چرچ‘ کلب‘ سوسائٹی پر انحصار کرتے ہیں۔ یہ محتاجوں کی دنیا ہے۔

میرے نزدیک ایک کمیون (Commune) بالکل مختلف دنیا ہے۔ یہ معاشرہ نہیں ہے۔ ایک کمیون ایسے لوگوں کا اجتماع ہے جن میں تنہا رہنے کی صلاحیت ہے۔ اور وہ اکٹھے رہنا پسند کریں گے تاکہ زندگی کا عظیم نغمہ تخلیق کر سکیں۔ کمیون محتاجی نہیں بلکہ آزادی ہے۔

بعض اوقات میری کمیون کے لوگ مجھے کہتے ہیں ”یہاں ہر شخص اپنے آپ سے اتنا خوش اور مطمئن نظر آتا ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی شخص کو دوسرے میں دلچسپی نہیں“ خاص طور پر نئے آنے والے ایسا محسوس کرتے ہیں کہ کمیون کے لوگ لاتعلق ہیں ایسا ہرگز نہیں ہے‘ وہ لاتعلق نہیں ہیں‘ مگر آپ ایسی سوسائٹی سے آ رہے ہیں جہاں ہر شخص دوسرے کا محتاج ہے۔ کمیون آپ کے معاشرہ جیسا نہیں ہے۔ یہاں ہر شخص اپنے آپ سے لطف اندوز ہو رہا ہے اور کوئی شخص دوسرے کی زندگی میں دخل اندازی نہیں کر رہا ہے۔

میری ساری کوشش یہ ہے کہ آپ کو اتنا پیارا بنا دوں کہ آپ مداخلت نہ کریں۔ محبت کبھی مداخلت نہیں کرتی یہ مکمل آزادی دیتی ہے۔ اگر یہ آزادی نہیں دیتی تو یہ محبت نہیں ہے۔ نووارد چند ہفتوں کے بعد محسوس کرتا ہے کہ جسے وہ لاتعلقی سمجھا تھا وہ لاتعلقی نہیں تھی‘

لوگ بہت پیار کرنے والے ہیں مگر وہ مداخلت نہیں کرتے۔ اس لیے وہ آپ پر مسلط نہیں ہوتے وہ بے غرض ہیں' لالچی نہیں ہیں۔ چونکہ آپ دوسری قسم کے لوگوں سے واقف تھے اس لیے آپ اس نئی قسم سے ڈر جاتے ہیں۔ آپ شروع میں سمجھتے ہیں کہ کوئی آپ کی پرواہ نہیں کرتا۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

افراد کمیون کے لوگوں کی مجبوری نہیں ہیں۔ یہ بڑا خوش کُن ہے کہ دو افراد اکٹھے ہوں۔ وہ مل کر گیت گا سکتے ہیں۔ اگر ایسا ہونا دشوار ہو جائے اور اکٹھے ہونے سے آزادی میں خلل پیدا ہوتا ہے تو پھر آپ اکیلے ہی اپنا گیت گا سکتے ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ آپ کورس کا حصہ ہوں' کمیون میں جوڑے ہوں گے مگر وہ خاوند اور بیوی نہیں ہوں گے۔ یہاں صرف دوست ہوں گے۔

لوگ اکٹھے رہ سکتے ہیں بشرطیکہ وہ اس میں لطف محسوس کرتے ہیں اور اکٹھے رہنا ان کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کسی بھی لمحے فرد اس تعلق کے دائرے سے باہر نکلنا چاہتا ہے تو وہ بغیر کسی مشکل کے' بغیر کوئی نقصان پہنچائے ایسا کر سکتا ہے۔

لوگوں کو سچا ہونا چاہیئے۔ اگر وہ اکٹھے رہنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں تو اچھی بات ہے' اگر وہ یہ محسوس کریں کہ ان کی مزید نشو ونما نہیں ہو رہی' وہ مزید پختگی حاصل نہیں کر رہے تو وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے شکر گزار ہوتے ہیں کہ ان کا ساتھ بہت خوبصورت رہا اور وہ اس کی یاد ہمیشہ دل میں رکھیں گے' مگر اب علیحدہ ہونے کا وقت آن پہنچا ہے۔ وہ خوشگوار انداز سے جدا ہوں گے۔ ان کی دوستی کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ وہ دوبارہ ایک ساتھ رہنا شروع کر دیں۔ وہ ایک دوسرے کی آزادی کا دل و جان سے احترام کریں گے۔

میری کمیون ایسے افراد تخلیق کرے گی جن میں تنہا رہنے کی صلاحیت ہوگی اور جو مل جُل کر بھی رہ سکتے ہیں' جو اکیلے میں بانسری بجا سکتے ہیں اور کورس کا حصہ بھی بن سکتے ہیں۔

شادی اور خاندان

Marriage and Family

خاندان کا ادارہ فرسودہ ہو چکا ہے۔ اس کی افادیت ختم ہو چکی ہے۔ صرف صاحب ادراک لوگ ہی یہ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ قدیم ادارہ اپنی زندگی پوری کر چکا ہے۔ باقی لوگوں کو یہ حقیقت پہچاننے میں کچھ وقت لگے گا۔ یہ اپنا کام پورا کر چکا ہے۔ نئی پیدا ہونے والی انسانیت سے اس کا کوئی ربط نہیں ہے۔

خاندان اچھا اور بُرا رہا ہے۔ اس نے انسان کی مدد کی ہے۔ اس کے ذریعے انسان کی بقا رہی ہے۔ یہ بہت مضر بھی ثابت ہوا ہے کیونکہ اس نے انسانی دماغ کو کرپٹ کیا ہے مگر ماضی میں اس کا کوئی متبادل نہیں تھا۔ یہ ایک لازمی برائی تھی۔ البتہ مستقبل میں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ مستقبل کے پاس کئی متبادل انداز ہیں۔

اگر کچھ لوگ اب بھی خاندان کا انتخاب کرنا چاہیں تو انہیں اس کی آزادی ہونی چاہیئے۔ مگر ان لوگوں کی تعداد کم ہوگی۔ ایسے خاندان بہت کم ہیں جو واقعی بہت خوبصورت ہیں' جہاں نشو ونما ہوتی ہے جہاں کوئی اتھارٹی نہیں ہے' جہاں فرد پر قبضہ نہیں کیا جاتا' جہاں بچوں کو تباہ نہیں کیا جاتا' جہاں خاوند بیوی کو اور بیوی خاوند کو برباد کرنے کی کوشش نہیں کرتی' جہاں محبت اور آزادی ہے' جہاں لوگ محض لطف حاصل کرنے نہ کہ کسی اور مقصد کیلئے اکٹھے ہوئے ہیں' جہاں کوئی سیاست نہیں ہے۔ اس طرح کے لوگوں کیلئے کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے۔ مستقبل میں وہ خاندان میں رہنا جاری رکھ سکتے ہیں۔

مگر لوگوں کی اکثریت کیلئے خاندان تباہ کُن ثابت ہوا ہے۔ ذرا تحلیل نفسی کے ماہرین سے خاندان سے پیدا ہونے والی ذہنی بیماریوں کے بارے میں دریافت

کریں۔تمام ذہنی اور اعصابی امراض خاندان ہی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔خاندان ایک بیمار فرد کو وجود میں لاتا ہے۔

قبائلی انسان اپنے قبیلے میں صرف ایک عددی اضافہ تھا۔ وہ انسان کی بجائے جانور کے زیادہ قریب تھا۔قبائل کا ختم ہونا ایک اچھی بات ہوئی۔

قبیلے کے ختم ہونے سے خاندان وجود میں آیا۔اس مرحلے پر یہ بہت فائدہ مند ثابت ہوا کیونکہ قبیلہ ایک بڑا یونٹ تھا اور خاندان چھوٹا یونٹ۔آپ کو قبیلے کی نسبت خاندان میں زیادہ آزادی حاصل تھی۔قبیلہ میں آمریت تھی۔قبیلہ کا چیف بہت بااختیار تھا' وہ آپ کو مار بھی سکتا تھا۔کچھ پسماندہ ممالک میں اب بھی ایسے قبائل موجود ہیں۔

انڈیا میں بھی کچھ ایسے قدیم قبائل موجود ہیں۔ میں ان قبائل میں جا چکا ہوں۔ میں رائے پور میں پروفیسر تھا۔ وہاں سے قریب ہی باستر کے مقام پر قدیم ترین قبیلہ موجود ہے۔ وہاں لوگ اب بھی ننگے رہتے ہیں اور کچا گوشت کھاتے ہیں۔ یہ لوگ غالباً آگ کی دریافت سے پہلے کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔

وہ بہت سادہ اور معصوم ہیں۔مگر جہاں تک قبیلے اور اس کی روایات کا تعلق ہے وہ بہت فرسودہ ہیں۔کوئی شخص قبیلے کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتا۔اسے فوراً مار دیا جائے گا یا قربانی کیلئے دیوتاؤں کی نذر کر دیا جائے گا کیونکہ قبیلے کے خلاف ہونے کا مطلب دیوتاؤں کو ناراض کرنا ہے اور قبیلہ انہیں ناراض نہیں کر سکتا۔

قبیلہ خدا کی طرف سے بنائی گئی روایات کی پیروی کر رہا ہے۔ان کے پاس صحیفے نہیں ہیں۔ان کی کوئی تحریری زبان نہیں ہے' اس لیے پادری' جو کہ چیف بھی ہے' کے پاس تمام اختیارات ہیں۔یہ ناممکن ہے کہ آپ بغاوت کریں اور پھر بھی زندہ رہیں۔

فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے کیونکہ باہر آپ قابل قبول نہیں ہیں۔ وہ کوئی ایسی زبان نہیں جانتے جو قبیلے سے باہر بولی جاتی ہو۔ وہ لباس نہیں پہنتے۔ وہ تھوڑے بہت چیتھڑے اس وقت پہنتے ہیں جب ان کا ایک چھوٹا سا گروہ ہر سال 26 جنوری کو دہلی میں ریپبلکن ڈے کی تقریبات کیلئے جاتا ہے۔ایک چھوٹے سے گروہ کو تھوڑی بہت ہندی بولنا

اور کپڑے پہننا سکھائے جاتے ہیں۔انہیں سکھایا جاتا ہے کہ'' دہلی میں جب تم صدر اور وزیراعظم اور دیگر مہمانان کے سامنے سے گزر رہے ہو تو اس وقت ننگے نہ ہونا''۔صرف ایک تربیت یافتہ گروہ ہی ہر سال دہلی جاتا ہے۔

رائے پور سے یہ جگہ اتنی قریب تھی کہ میں اکثر یہ دیکھنے جایا کرتا تھا کہ قبیلے نے اپنے لوگوں پر کیسے کنٹرول کیا ہوا ہے۔ یہاں بغاوت کا کوئی امکان نہیں۔آپ قبیلے کو چھوڑ سکتے ہیں مگر آپ اس سے باہر رہیں گے کہاں؟ آپ تو صرف قبیلے کے طرزِ زندگی ہی سے واقف ہیں۔ اگر باہر آپ جانور کو مار کر کچا گوشت کھاتے ہوئے یا ننگے پھرتے ہوئے پکڑے گئے تو آپ کو گرفتار کر لیا جائے گا۔

وہ کوئی زبان نہیں جانتے۔انہیں کوئی ہنر نہیں آتا۔ ہر ہنر قبیلے کے اندر ہی کارآمد ہے۔اس لیے کوئی بھی فرد قبیلے سے باہر نہیں جاتا۔رسم ورواج سے بغاوت ناممکن ہے۔جیسے ہی سردار کو پتہ چلتا ہے تو اسے دیوتاؤں کیلئے قربانی مل جاتی ہے۔پھر سارا قبیلہ اکٹھا ہوتا ہے' رقص ہوتا ہے' شور ہوتا ہے' آگ جلتی ہے اور اس آدمی کو قربانی کیلئے آگ میں دھکیل دیا جاتا ہے۔

قبیلہ اجتماعی دماغ تھا۔یہ آج بھی آپ کے اجتماعی لاشعور میں موجود ہے۔

اس وقت خاندان کا ظہور ایک ترقی تھی کیونکہ اس نے آپ کو چھوٹے یونٹ کا حصہ بنا دیا' آپ کو کچھ آزادی دی۔آپ کا خاندان آپکا محافظ بن گیا۔اب خاندان بھی ختم ہو رہا ہے کیونکہ ایک چیز ایک وقت میں محافظ ہے تو دوسرے وقت میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔

یہ ایسا ہی ہے کہ آپ ایک چھوٹے پودے کے گرد حفاظتی باڑ لگاتے ہیں' لیکن جب پودا بڑا ہو جائے تو باڑ کو ہٹانا مت بھولیں ورنہ یہی باڑ پودے کو تناور درخت نہیں بننے دے گی۔

اب باڑ ہٹانے کا وقت آ گیا ہے۔خاندان محافظ نہیں بلکہ رکاوٹ بن گیا ہے۔قبیلے کے بعد یہ ایک بڑا قدم تھا۔اب خاندان سے کمیون کی طرف ایک اور بڑا قدم اُٹھانے کی ضرورت ہے۔کمیون آپ کو وہ تمام آزادی اور تحفظ فراہم کرے گی جس کی آپ کو ضرورت ہے۔

اس لیے یہ اچھا ہوا کہ قبیلہ ختم ہو گیا اور اب خاندان ختم ہو رہا ہے۔جی ہاں' آپ کو اس کی یاد ستائے گی کیونکہ آپ اس کے عادی ہو چکے ہیں۔آپ کو ماں اور باپ یاد

آئیں گے مگر یہ عارضی دور ہوگا۔ جب پوری دنیا میں کمیون قائم ہو جائیں گی تو آپ حیران رہ جائیں گے کہ آپ نے صرف ایک ماں اور باپ کو کھویا ہے اور اتنے سارے چچا' ماموں' خالہ حاصل کیئے ہیں۔

ایک ماں اور باپ کا ہونا نفسیاتی اعتبار سے بہت ضرر رساں ہے کیونکہ لڑکا باپ کی اور لڑکی ماں کی نقالی شروع کر دیتی ہے۔ اس سے بہت سے نفسیاتی مسائل اُبھرتے ہیں۔

لڑکی ماں کی نقل کرتی ہے مگر وہ ماں سے نفرت کرتی ہے کیونکہ لڑکی عورت ہے اور وہ باپ سے محبت کرتی ہے۔ یہ ایک حیاتیاتی مظہر اور سائنسی اعتبار سے مسلّم حقیقت ہے کہ لڑکی باپ سے محبت اور ماں سے نفرت کرتی ہے۔ لڑکی باپ کی نقل نہیں کر سکتی کیونکہ وہ ایک آدمی ہے۔

لڑکا ماں سے محبت کرتا ہے کیونکہ وہ اس کی زندگی میں پہلی عورت ہے۔ وہ ماں سے محبت اور باپ سے نفرت کرتا ہے۔ وہ باپ سے اس لیے بھی حسد کرتا ہے کہ ماں اور باپ محبت کرتے ہیں۔ چھوٹے بچے اکثر اس جذبے کا اظہار بھی کرتے ہیں۔

ماں اور باپ چلے جاتے ہیں مگر بچوں میں نفسیاتی مسائل چھوڑ جاتے ہیں۔ اب لڑکی ساری زندگی ہر اس چیز سے نفرت کرے گی جو ماں سے مماثل نظر آئے گی۔ چونکہ خود اس میں بھی ماں کی جھلک ہوگی اس لیے وہ اپنے آپ سے بھی نفرت کرے گی۔ اپنا چہرہ آئینہ میں دیکھنے سے اسے ماں یاد آ جائے گی اور ایسا ہی لڑکے کے ساتھ ہوتا ہے۔

ایک کمیون نئی نفسیاتی صحت لے کر آئے گا۔ ایسا صرف ایک کمیون میں ہی ممکن ہے کیونکہ بچے کا دائرہ پوری کمیون ہوگا اور اس کے باپ کی عمر کے تمام آدمی اس کے انکل ہوں گے۔ بچے کے ماں اور باپ بھی ہوں گے مگر اس کے گرد صرف یہی ایک باؤنڈری نہیں ہوگی۔

باپ ہمیشہ سخت گیر ہوتا ہے۔ ایسا ہونا اس کی مجبوری ہے اسے لڑکے کی ''تربیت'' کرنا ہوتی ہے۔ یہی بات ماں کے بارے میں ہے۔ محبت اور نیک ارادے کے تحت اسے لڑکی کی ''تربیت'' کرنا ہوتی ہے' اسے یہ ڈر ہے کہ کہیں لڑکی معاشرے کے دیئے گئے آئیڈیل کے مطابق نہ ڈھلے۔ مگر انکل کوئی ایسی چیز مسلط کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ جب

بہت سارے انکل اور آنٹیاں ہوں تو آپ کے ذہن میں کوئی ایک ماڈل نہیں ہوتا۔

لڑکا اپنے ذہن میں ماں کا تصور اٹھائے پھرتا ہے' وہ اپنی بیوی کو اپنی ماں کی طرح دیکھنا چاہتا ہے۔ آپ اپنی ماں دوبارہ کیسے تلاش کر سکتے ہیں؟ لہٰذا جس عورت میں اس کی ماں کی ایک مشابہت بھی موجود ہے وہ اس سے محبت شروع کر دیتا ہے۔

کسی ایک بات کی وجہ سے آپ پورے فرد سے کیسے محبت کر سکتے ہیں؟ اس کی باقی باتوں کا کیا ہوگا؟ یہی معاملہ لڑکی کے ساتھ ہوتا ہے۔

عشق و محبت کی ناکامی کی یہی وجہ ہے۔ بنیادی نفسیات ہی اس کی کامیابی کے خلاف ہے۔

اس لیے کامیاب معاشقے وہی ہیں جو ہمارے ذہن میں ہوتے ہیں مگر کبھی عملی طور پر کامیاب نہیں ہوتے۔ دنیا کے بڑے عشاق لیلیٰ مجنوں' رومیو اور جولیٹ' شیریں فرہاد' سوہنی ماہی وال ہیں۔ ان کی کہانیاں دنیا کو یاد ہیں۔ لیکن اگر ان کی شادیاں ہو جاتیں تو ان کی محبت کی کہانیوں کا کسی کو علم نہ ہوتا۔ کیونکہ ان کا تعلق کوئی حقیقی روپ اختیار نہیں کر سکا'' اس لیے یہ صرف ذہن میں رہا۔ محبت زندہ رہی کیونکہ وہ صرف تخیل میں تھی۔

تخیل میں آپ محبوب کو اپنی مرضی کے مطابق تخلیق کرتے ہیں۔ اب آپ کا محبوب یہ نہیں کہہ سکتا ''نہیں! میں سگریٹ پیوؤں گا'' اگر آپ چاہیں گے تو وہ سگریٹ پیئے گا ورنہ نہیں۔

لیکن ایک حقیقی شوہر آپ کے منع کرنے کے باوجود بھی سگریٹ پیئے گا۔ اس کیلئے سگریٹ آپ سے زیادہ اہم ہے۔ یہ اس کا ساتھ دیتی ہے' مدد دیتی ہے' دوستی دیتی ہے اور بے شمار چیزیں دیتی ہے۔ ایک عورت کیا دے سکتی ہے؟ اس لیے اگر اسے انتخاب کرنا پڑ جائے تو وہ سگریٹ کا انتخاب کرے گا۔ لیکن اپنے تخیل میں آپ آزادی سے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔

اس لیے آدمی عورت کا ایک خیالی پیکر بناتا ہے۔ اس کے تخیل میں وہ ضد نہیں کرتی' وہ فضول خرچی نہیں کرتی' وہ اس کیلئے تکلیف کا باعث نہیں بنتی۔ آپ اس خیالی تصویر میں اپنی مرضی کے مطابق رنگ بھرتے ہیں۔ لہذا دنیا کے مشہور محبت کے قصوں کو کبھی عملی شکل نہ ملی۔ ہر کہانی میں جب دو محبت کرنے والوں کی شادی ہو جاتی ہے تو اس کا آخری جملہ یہ ہوتا

ہے ''اور وہ ہنسی خوشی رہنے لگے''۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ وہ بعد میں ہنسی خوشی رہنے لگے۔ درحقیقت اس کے بعد اصلی [illegible]ع ہوتی ہے۔ اس سے پہلے تو کہانی تخیلاتی تھی۔

جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ خاندان ختم ہو رہا ہے تو مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اقوام بھی ختم ہو جائیں گی کیونکہ خاندان قوم کا بنیادی یونٹ ہے۔ ساتھ ہی دھرم بھی ختم ہو جائیں گے کیونکہ یہ خاندان ہی ہے جو دھرم اور قومیت جیسی چیزیں ہم پر مسلط کرتا ہے۔ خاندان کا وجود ختم ہونے کے بعد بہت سے نفسیاتی مسائل بھی حل ہو جائیں گے۔

شادی کا ادارہ غیر فطری ہے۔ اس نے انسان پر بہت ظلم کیا ہے۔ مگر ایک وقت میں اس کی ضرورت تھی کیونکہ دنیا میں کچھ طاقتور افراد تھے اور کچھ کمزور۔ طاقتور لوگ تمام خوبصورت عورتوں کو اپنے لیے اکٹھا کر لیتے اور کمزور لوگوں کے لیے عورتیں نہ بچتیں' کمزور لوگ یقیناً اکٹھے ہوئے ہوں گے۔ جب کمزور اکٹھے ہوں تو طاقتور' طاقتور نہیں رہتا۔

کمزور لوگوں نے فیصلہ دیا ''ایک آدمی' ایک بیوی'' اور یک زوجگی کا دستور اختیار کیا گیا' اور اس طرح کمزور لوگ جنسی فاقہ کشی سے بچے۔

مگر اب حالات بدل گئے ہیں۔ خاندان کی ضرورت نہیں رہی۔ اب یہ ممکن ہے کہ آدمی اور عورت کمائیں۔ وہ ایک دوسرے کے محتاج نہیں رہے۔ اب یہ ممکن ہے کہ ایک عورت کا بچہ دوسری عورت کی کوکھ میں پلے یا وہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا انتظام کر سکتی ہے۔ اب جنس اور بچوں کا تعلق نہیں رہا۔ خاندان کا ادارہ فرسودہ ہو چکا ہے۔

کمیون کا مستقبل ہے۔ کمیون کا مطلب ہے کہ بہت سے آزاد افراد جو خاندان' قبیلے' مذہب' قومیت کی زنجیروں میں بندھے ہوئے نہیں ہیں پھر بھی ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ وہ آپ کی آزادی کی قدر کرتے ہیں اور اسی بات کی آپ سے توقع کرتے ہیں۔

یہی وہ واحد رشتہ ہے' واحد دوستی ہے جو کمیون کو مضبوط بنائے ہوئے ہے کہ ہم ایک دوسرے کی انفرادیت اور آزادی کی قدر کریں اور دوسرے فرد کی طرزِ زندگی بھی قبول کریں۔ اور کسی شخص کو دوسرے فرد کی زندگی میں مداخلت نہ کرنے دیں۔

اس لیے یہ اچھا ہو رہا ہے کہ ہمارا مردہ ماضی غائب ہو رہا ہے اور ہمیں ایک نیا انسان' ایک نئی انسانیت' ایک نئی دنیا کی تخلیق کیلئے آزاد کر رہا ہے۔

روپیہ' پیسہ ---- دولت

Money

میں دولت کے نہیں بلکہ سرمایہ پرستانہ ذہن کے خلاف ہوں۔ اکثر لوگ ان دونوں میں فرق نہیں کرتے۔ ماضی میں انسان ہمیشہ الجھن کا شکار رہا ہے۔

سرمایہ پرستانہ ذہنیت کو بُرا کہیں مگر دولت کو بُرا کہنے کی ضرورت نہیں۔ دولت کو تو پیدا کرنا ہے۔ دولت کے بغیر تمام سائنس ختم ہو جائے گی۔ پوری ٹیکنالوجی اور انسان کی تمام کامیابیوں کو زوال آ جائے گا۔ انسان چاند پر نہیں پہنچ سکے گا۔ انسان اُڑ نہیں سکے گا۔ جیسے زبان کے بغیر تمام آرٹ' ادب اور شاعری ختم ہو جائے گی اسی طرح دولت کے بغیر زندگی خاموش ہو جائے گی۔ جس طرح زبان خیالات کے تبادلے کا وسیلہ ہے۔ اسی طرح دولت اشیاء کے تبادلے کا وسیلہ ہے۔ یہ بھی تو ابلاغ کا ایک ذریعہ ہے۔

مگر دولت کی ذہنیت رکھنے والے لوگ دولت سے چمٹے رہتے ہیں۔ وہ اس کے اصل مقصد کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اس کا مقصد ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں گردش کرتے رہنا ہے۔ اسی لیے اسے 'کرنسی' کہا جاتا ہے۔ اسے ہر وقت حرکت کرتے رہنا چاہیئے۔ جتنی زیادہ اس کی گردش ہوگی معاشرہ اتنا ہی امیر ہوگا۔

زمین ہمارا مسکن ہے۔ ہمیں زمینی بننا چاہیئے۔ حقیقی روحانیت کی جڑیں دھرتی میں پیوست ہوتی ہیں۔ جو روحانیت زمینی تقاضوں کا انکار کرتی ہے مجرد بن جاتی ہے اور اس میں کوئی جان نہیں ہوتی۔

آخر دولت رکھنے میں کیا بُرائی ہے؟ دولت پر قابض نہیں ہونا چاہیئے۔ اسے استعمال کرنا چاہیئے۔ اگر اس کا صحیح مصرف کیا جائے تو پیسہ بہترین ایجاد اور نعمت ہے۔ یہ بہت سی چیزوں کو ممکن بناتا ہے۔

اگر آپ کی جیب میں سو روپے ہیں تو سمجھیں کہ آپ کی جیب میں کئی چیزیں ہیں۔ کافی کچھ آپ کی پہنچ میں ہو جاتا ہے۔ ان پیسوں کی مدد سے آپ اپنے جسم کا مساج کروا سکتے ہیں یا خوراک حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ سو روپیہ کافی امکانات لے کر آتا ہے۔ اس کے بغیر آپ کی زندگی محدود ہو جائے گی۔

اسے استعمال کریں۔ اس کے ساتھ چمٹیں نہیں۔ جتنا آپ اس سے چمٹتے ہیں دنیا اتنی ہی غریب ہو جاتی ہے۔ اگر آپ اسے استعمال کرنا جانتے ہیں تو پھر سب ٹھیک ہے۔ لالچ غلط چیز ہے۔ لالچ کا مطلب ہے کہ آپ نے دولت کو اپنے حواس پر مسلط کر لیا ہے۔ اب یہ ذریعہ نہیں رہا بلکہ مقصد بن گیا۔

دولت کا مطلب ہے کہ آپ اپنے گرد چیزیں جمع کر لیں۔ کیونکہ پیسے سے ہر شے خریدی جا سکتی ہے۔ لہٰذا یہ بہت اہم ہے۔ اس طرح اپنے کھوکھلے پن کو آپ چیزوں سے بھر سکتے ہیں۔ آپ جتنی عورتیں چاہیں رکھ سکتے ہیں۔ آپ جتنی گاڑیاں اور مکان چاہیں رکھ سکتے ہیں۔ اصل میں آپ کھوکھلے ہیں۔ کھوکھلا شخص لالچی ہوتا ہے۔

اشیاء سے کبھی کسی کا حرص نہیں مٹا کیونکہ اشیاء خارج میں ہیں اور کھوکھلا پن باطن میں۔ آپ کا بنک بیلنس تو بڑھتا رہے گا مگر آپ کی روح ترقی نہیں کرے گی۔ بلکہ ممکن ہے کہ اس کا زوال شروع ہو جائے۔ کیونکہ ہر دفعہ جب آپ دولت کے پیچھے بھاگتے ہیں تو آپ اپنی کچھ روح بھی گنوا دیتے ہیں۔ روح کا نقصان کر کے آپ دولت کماتے ہیں۔ آپ اپنی روح کو پیسے کے عوض فروخت کر دیتے ہیں۔ آپ یہ تبادلہ کرتے رہتے ہیں۔ آخر میں آپ کے پاس بہت سا روپیہ جمع ہو جاتا ہے مگر آپ اچانک محسوس کرتے ہیں کہ اندر سے آپ بھکاری ہیں۔ آپ نے گھاٹے کا سودا کیا ہوتا ہے۔

باطن کو چیزوں سے نہیں بھرا جا سکتا۔ میں دولت کو بُرا نہیں کہہ رہا۔ یہ احمقانہ بات ہو گی۔ خواہ آپ دولت کے انبار لگا دیں یا اسے بُرا کہیں ان کا تعلق خارج سے ہے۔ اس طرح مسئلے کو براہِ راست نہیں دیکھا جا سکتا۔ کھوکھلا پن اندرون میں ہے۔ لہٰذا وہیں کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ دعا، عبادت یا میڈیٹیشن اندرون کو بھر سکتا ہے۔

میں پیسے کے خلاف ہوں اور نہ حق میں۔ پیسے سے بہت سی چیزیں خریدی جا سکتی ہیں۔ جو چیز بھی خارج میں ہے اسے خریدا جا سکتا ہے مگر پیسے سے آپ کو باطن کا اطمینان نہیں مل سکتا۔

میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ آپ کے پاس جتنی دولت ہو گی کھوکھلے پن سے آگاہ ہونے کا اتنا ہی امکان ہو گا کیونکہ تضاد سے چیزیں زیادہ واضح نظر آتی ہیں۔ جو شخص اندرونی اور بیرونی دونوں اعتبار سے مفلس ہے اُسے اپنی باطنی مفلسی کا پتہ نہیں چلے گا۔ یہی وجہ ہے کہ غریب زیادہ خوش اور مطمئن نظر آتے ہیں۔ فقیر لکھ پتی لوگوں کی نسبت زیادہ خوش دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی یہ وجہ ہے کہ فقیر خارجی اور داخلی دونوں لحاظ سے غریب ہے۔ اس میں کوئی تضاد نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ اگر آپ سفید چاک سے سفید دیوار پر لکھیں تو آپ کچھ نہیں پڑھ سکیں گے۔ امیر شخص کے اردگرد کافی امارت ہوتی ہے اور اس کے اندر کھوکھلا پن اور غربت۔ اس تضاد سے اُسے ٹھیس پہنچتی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ آپ تختہ سیاہ پر سفید چاک سے لکھیں۔

میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ صرف امیر لوگ ہی مذہبی ہو سکتے ہیں۔ غربت اور مذہب کو ایک ساتھ چلانے کیلئے زبردست ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے سفید دیوار پر سفید چاک سے لکھی عبارت پڑھنے کیلئے بڑی تیز نظر کی ضرورت ہے۔

پوری انسانی تاریخ کے بارے میں میرا نظریہ ہے کہ جب کبھی بھی ایک ملک لامذہبی ہوتا ہے تو وہ امیر بن جاتا ہے اور جب ملک امیر بن جاتا ہے تو وہ مذہبی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پہیہ گھومتا رہتا ہے۔

بدھا کے سنہری دور میں ہندوستان ایک مذہبی ملک تھا۔ اس وقت یہ دنیا کا امیر ترین ملک تھا۔ یہ سونے کی چڑیا کہلاتا تھا مگر جب ایک ملک مذہبی بن جاتا ہے تو غریب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ایک مذہبی انسان ظاہری چیزوں کے بارے میں بے پرواہ ہوتا ہے۔ جب آپ پرواہ نہیں کرتے تو ملک غریب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ آج ہندوستان غریب ہے اور صرف نام نہاد طور پر مذہبی۔

میں امارت اور دولتمندی کے خلاف نہیں ہوں۔ میں مذہبیت کے حق میں ہوں۔ اگر آپ بہت ذہین ہیں تو غربت میں بھی آپ امارت کے بے فائدہ ہونے پر یقین رکھیں گے۔ مگر اس طرح آپ کو اس کے بارے میں سوچنا پڑے گا جو آپ کے پاس نہیں ہے اور آپ کو یہ پہچاننا پڑے گا کہ دولت بے معنی ہے۔ مگر دولت کا تجربہ کئے بغیر اسے بے معنی جاننا بہت مشکل کام ہے بلکہ پیغمبرانہ کام ہے۔

امیر شخص اگر مذہبی نہیں ہے تو بے وقوف ہے۔ ایک غریب آدمی جو مذہبی نہیں ہے اسے ہماری ہمدردی کی ضرورت ہے مگر امیر آدمی کیلئے کوئی معافی نہیں۔ اس کے پاس دولت ہے اور پھر بھی وہ یہ نہ جان سکا کہ یہ بیکار ہے۔

جو شخص جذبۂ جنس کو دباتا ہے اس کی ذہنیت پیسے والی بن جاتی ہے کیونکہ پیسہ جنس کی جگہ لے لیتا ہے۔ پیسہ ہی اس کی محبت بن جاتا ہے۔ کسی حریص شخص کو دیکھئے وہ نوٹوں کو اس طرح چھوتا ہے جیسے اپنی محبوبہ کو چھو رہا ہو۔ وہ سونے کو بڑے رومانوی انداز سے دیکھتا ہے۔ پیسہ ہی اس کی محبت اور دیوی بن جاتے ہیں۔ ہندوستان میں لوگ پیسوں کی حتیٰ کہ پوجا کرتے ہیں۔ ایک مخصوص دن روپوں اور سکوں کی پوجا کی جاتی ہے۔

جنس کے رُخ کو کئی سمتوں میں موڑا جا سکتا ہے۔ اگر اسے دبایا جائے تو یہ غصے میں بدل سکتی ہے۔ اسی لیے ایک فوجی کو جنس سے محروم رکھا جاتا ہے تاکہ اس کی جنسی طاقت غصے میں بدل جائے۔ اس طرح وہ زیادہ تباہ کن بن جاتا ہے۔ جنس کو کسی شدید خواہش میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ ایک مرتبہ جنس کو دبانے کے بعد آپ کو اسے صرف راستہ فراہم کرنا ہے۔ یہ نیا راستہ سیاسی طاقت کی تلاش ہو سکتی ہے یا عزت، دولت، شہرت وغیرہ کی تلاش بھی ہو سکتی ہے۔

انسان کے پاس صرف ایک توانائی ہے اور وہ ہے جنس۔ آپ کے اندر کوئی زیادہ توانائیاں نہیں ہیں۔ صرف ایک توانائی سے بہت سے کام لیے جاتے ہیں۔ ایک توانائی کو مختلف شکلوں میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

لوگ دولت کے پیچھے اس امید پر بھاگتے ہیں کہ جب ان کے پاس زیادہ پیسہ آ جائے گا تو وہ زیادہ جنس سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں، وہ پہلے سے کہیں زیادہ عورتیں رکھ سکتے ہیں۔ پیسہ انہیں انتخاب کی آزادی فراہم کرتا ہے۔

جو شخص جنس سے آزاد ہو جاتا ہے یعنی اس کیلئے جنس کوئی مسئلہ نہیں رہتی تو وہ دولت سے بھی آزاد ہو جاتا ہے۔ جس وقت جنسی توانائی لطیف شکل میں ڈھلتی ہے یعنی جب جنسی توانائی محبت، دعا اور میڈیٹیشن بننا شروع کرتی ہے تو اس کے سطحی قسم کے اظہار دم توڑ دیتے ہیں۔

لوگوں کے ذہنوں پر دولت اتنا ہی غلبہ حاصل کر سکتی ہے جتنا کہ جنس۔ دولت سے آپ کی قوت خرید میں اضافہ ہو سکتا ہے اور آپ کچھ بھی خرید سکتے ہیں۔ آپ محبت نہیں خرید سکتے مگر جنس ضرور خرید سکتے ہیں۔ جنس ایک شئے ہے محبت ایک جذبہ۔

پادری اشیاء ہیں اور جس چیز کو خریدا جا سکے وہ عام، سطحی اور بے شان و شوکت ہوتی ہے۔ جس چیز کو خریدا نہ جا سکے وہ مقدس ہوتی ہے۔ مقدس شئے پیسوں سے ماورا ہوتی ہے اور سطحی شئے پیسوں کے دائرہ میں آتی ہے۔

ایک بات یاد رکھیں کہ اگر آپ صرف ان چیزوں کو جانتے ہیں جنہیں خریدا اور فروخت کیا جا سکے تو آپ کی زندگی کھوکھلی ہو جائے گی۔ اگر آپ کی واقفیت صرف اشیاء سے ہے تو آپ کی زندگی بے معنی اور بیکار ہو کر رہ جائے گی۔ ان چیزوں سے واقفیت حاصل کریں جنہیں نہ خریدا جا سکتا ہے اور نہ بیچا جا سکتا ہے۔ صرف اس وقت آپ کی پرواز بلندی

کی طرف شروع ہوگی۔

ایک بادشاہ 'بمبسارا' مہاویر کے پاس پہنچا۔ اس نے سُن رکھا تھا کہ مہاویر نے دھیانہ یا سمادھی کا مقام حاصل کیا ہوا ہے۔ جینیوں کی اصطلاح میں اسے سمائک یعنی مراقبہ کی انتہائی حالت کہا جاتا ہے۔ بمبسارا کے پاس دنیا کی ہر شئے تھی۔ وہ پریشان ہوگیا کہ یہ سمائک کیا چیز ہے۔ وہ بے چین ہوگیا کیونکہ پہلی مرتبہ اسے احساس ہوا کہ کوئی چیز ہے جو اُس کے پاس نہیں ہے۔

اس نے پہاڑوں کا سفر کیا اور مہاویر سے ملاقات کی۔ اس نے مہاویر سے کہا: تم اپنے سمائک کے عوض کیا لو گے؟ میں اسے خریدنے آیا ہوں۔ یہ کیا شئے ہے؟ یہ کہاں ہے؟ پہلے میں اسے ایک نظر دیکھ لوں''۔

مہاویر بادشاہ کی اس حماقت پر حیران رہ گیا۔ مگر وہ ایک سیانا انسان تھا۔ اس نے کہا: ''تمہیں اتنا لمبا سفر کر کے آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ تمہارے دارالخلافہ میں میرا ایک چیلا رہتا ہے اور وہ اتنا غریب ہے کہ شائد وہ اسے فروخت کرنے پر راضی ہو جائے۔ مگر میں سمائک فروخت کرنے پر رضامند نہیں ہوں کیونکہ مجھے پیسوں کی حاجت نہیں۔ تم دیکھ سکتے ہو کہ میں تو ننگا ہوں' مجھے کپڑوں کی ضرورت نہیں۔ میں شانت ہوں۔ میری حاجات نہیں ہیں۔ میں پیسوں کا کیا کروں گا میں تو خود اپنی سلطنت ٹھکرا کر آرہا ہوں''۔

مہاویر بادشاہ کو اس آدمی کا پتہ سمجھاتا ہے کہ 'وہ انتہائی پسماندہ علاقے میں رہتا ہے' آپ نے وہ علاقہ کبھی نہیں دیکھا ہوگا' اس کا ٹھکانہ یہ ہے......'۔

یہ ایک مذاق تھا۔ بمبسارا سیدھا اس علاقے میں گیا۔ وہ اس غریب آدمی کے دروازے تک گیا۔ آدمی نے بادشاہ کے پاؤں کو چھوا اور کہا: 'میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟ آپ حکم کیجئے۔ بادشاہ نے کہا: 'میں تم سے سمادھی خریدنے آیا ہوں اور میں اس کیلئے بھاری قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں۔

غریب آدمی رونے لگا: 'مجھے افسوس ہے۔ میں آپ کے لیے اپنی جان دے سکتا ہوں مگر میں آپ کو سمادھی کیسے دے سکتا ہوں؟ اسے خریدا اور بیچا نہیں جاسکتا۔ یہ تو حالتِ شعور ہے۔ مہاویر نے آپ کے ساتھ مذاق کیا ہے'۔

جب تک آپ کسی ایسی چیز کو نہیں جانتے جسے خریدا اور بیچا نہ جاسکے' جو پیسوں سے ماورا ہو آپ حقیقی زندگی سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ جنس پیسوں سے ماورا نہیں ہے البتہ محبت ضرور اس سے ماورا ہے۔ جنس کو محبت میں بدل لیں اور اپنی محبت کو عبادت میں بدل لیں تو ایک دن بمبسارا جیسے بادشاہ بھی آپ پر رشک کریں گے۔ مہاویر' بدھا' عیسیٰ' زرتشت یا لاؤزے بن جائیں۔ صرف اسی صورت میں آپ حقیقی زندگی بسر کریں گے۔ صرف اسی وقت زندگی آپ پر اپنے راز اور اسرار کھولے گی۔

لوگ صرف پیسے اور جنس کی دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ زندگی بسر ہو رہی ہے۔ وہ زندگی بسر نہیں کر رہے۔ وہ بے حس ہیں۔ وہ تو مر رہے ہیں۔ زندگی کے پاس تو ہمارے لیے کئی دنیا ئیں ہیں۔ زندگی ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے' جس کا تعلق صرف اس دنیا سے نہیں ہے۔ اور یہ چیز آپ کو نہ تو جنس دے سکتی ہے اور نہ دولت مگر آپ اسے حاصل ضرور کر سکتے ہیں۔

اسے حاصل کرنے کیلئے آپ اپنی جنسی توانائی کو استعمال میں لا سکتے ہیں اور اس کے حصول کیلئے آپ پیسے کی طاقت کو بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ یقیناً صرف ان دونوں کی مدد سے 'سمادھی' کو حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن مقصد کے حصول کیلئے آپ ان کو استعمال کر سکتے ہیں۔

ہر چیز کو بطور ذریعہ استعمال کریں۔ کسی چیز کا انکار مت کریں۔ اگر آپ دولتمند ہیں تو آپ ایک غریب آدمی کی نسبت زیادہ بہتر طریقہ سے میڈیٹیشن کر سکتے ہیں۔ آپ اپنے آپ کو زیادہ وقت دے سکتے ہیں۔ آپ اپنے گھر میں ایک چھوٹا سا عبادت خانہ بنوا سکتے ہیں۔ آپ کے مکان میں ایک باغیچہ ہو سکتا ہے جہاں آسانی سے میڈیٹیشن کی جاسکتی ہے۔ آپ بغیر کسی پریشانی کے غور و فکر کیلئے پہاڑوں پر جاسکتے ہیں۔

اگر آپ کے پاس دولت ہے تو اسے کسی ایسی چیز کے لیے استعمال کریں جسے پیسوں سے نہیں خریدا جا سکتا مگر پیسہ اس کے حصول کیلئے راستہ ہموار کرتا ہے۔

اگر جنسی توانائی محض جنس تک محدود رہتی ہے تو یہ اس توانائی کا ضیاع ہے۔ اگر آپ اس توانائی کی شکل کو تبدیل کر لیں تو یہ ایک رحمت ہے۔ جنس کو محبت سے رابطے کا ذریعہ بنائیں۔ جنس کو صرف دو جسموں ہی کی نہیں بلکہ دو روحوں کی ملاقات کیلئے استعمال کریں۔

اسے بطور ایک مرحلے کے اور چھلانگ لگانے والے بورڈ کے استعمال کریں۔

جب آپ ہیجان شہوت کی انتہا تک پہنچیں تو اس بات کی آگہی حاصل کریں کہ کیا ہو رہا ہے۔ آپ کی حیرت کی انتہا نہیں رہے گی کہ وقت غائب ہو گیا ہے۔ ذہن غائب ہو گیا ہے' انا ختم ہو گئی ہے۔ ایک لمحے کیلئے مکمل سناٹا ہوتا ہے۔ یہ سناٹا ہی حقیقی چیز ہے۔

اس سناٹے اور خاموشی کو دیگر ذرائع اور توانائی کے کم ضیاع سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس سناٹے' اس ذہنی خالی پن' اس لازمانی کو میڈیٹیشن کے ذریعہ سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ درحقیقت اگر ایک شخص شعوری طور پر جنسی تجربے سے گزرتا ہے تو جلد یا بدیر وہ میڈیٹیشن کرنے والا بن جاتا ہے۔ جنسی تجربے کی آگہی سے اسے پتہ چلے گا کہ جنسی عمل کے بغیر بھی ایسا ہی تجربہ ممکن ہے۔ بغیر کچھ کیے اور خاموشی سے بیٹھ کر بھی ایسا تجربہ ممکن ہے۔

ذہن' وقت اور انا سے پیچھا چھڑانا ممکن ہے اور جس لمحے بھی آپ ذہن' وقت اور انا سے ماورا ہوتے ہیں آپ ہیجان شہوت میں ہوتے ہیں۔

جنسی ہیجان عارضی ہوتا ہے اور ہر عارضی چیز بالآخر بے چینی' بے کیفی' اُداسی' پچھتاوا اور دکھ لے کر آتی ہے۔ یہ خصوصیت اور کیفیت آپ میں مستقل بھی رہ سکتی ہے لیکن ایسا صرف میڈیٹیشن کے ذریعہ سے ہی ممکن ہے۔

ہمیں خدا تک پہنچنا ہے۔ منزل صرف خدا کو بنانا چاہیئے۔ جنس' دولت' جسم اور دنیا کو بطور ذریعہ استعمال کریں۔

طاقت/اختیار

Power

آپ نے لارڈ ایکٹن (Lord Acton) کا مشہور مقولہ سُن رکھا ہے کہ ''طاقت انسان کو بگاڑ دیتی ہے''۔ یہ بات درست نہیں ہے۔ ایک لحاظ سے اس کا مشاہدہ ٹھیک ہے مگر یہ سچائی نہیں ہے۔ طاقت کبھی بھی کسی شخص کو نہیں بگاڑتی مگر پھر بھی لارڈ ایکٹن کی بات درست ہے کیونکہ ہم ہمیشہ سے یہی دیکھتے آئے ہیں کہ اختیار یا اقتدار لوگوں کو کرپٹ کر دیتا ہے۔ طاقت لوگوں کو کیسے کرپٹ کر سکتی ہے؟

بات دراصل یہ ہے کہ کرپٹ لوگ ہی اختیار کا حصول چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب تک ان کے پاس اختیار نہیں ہے وہ اپنی خرابی ظاہر نہیں کر سکتے جب انہیں مطلوبہ طاقت مل جاتی ہے تو وہ آزاد ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کا حقیقی چہرہ اور کردار سامنے آتا ہے۔

اختیار لوگوں کو کرپٹ نہیں کرتا بلکہ کرپٹ لوگ ہی اختیار کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ طاقت حاصل کرنے کے بعد وہ اسے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کیلئے استعمال کرتے ہیں۔

ایسا ممکن ہے کہ ایک شخص شروع میں بڑا عاجز دکھائی دے۔ جب وہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے مرحلے میں ہوتا ہے وہ بہت انکساری سے کام لیتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس نے اپنی ساری زندگی عاجزی میں گزاری ہو۔ آپ اسے اپنا ووٹ دے دیتے

ہیں۔ مگر جس وقت اس کے ہاتھ میں اقتدار آ جاتا ہے تو کایا پلٹ جاتی ہے۔ اب وہ پہلے والا شخص نہیں رہتا۔ لوگ ششدر رہ جاتے ہیں۔

اختیار کیسے کرپٹ کرتا ہے؟ اصل میں وہ تمام عاجزی جھوٹی تھی۔ وہ اس لئے عاجز تھا کیونکہ وہ کمزور تھا۔ اسے ڈر تھا کہ طاقتور لوگ اسے ختم کر دیں گے۔ عاجزی اس کی سیاست تھی۔ اب وہ اپنے اصل رنگ کے ساتھ ظاہر ہو سکتا ہے۔ لہذا وہ کرپٹ دکھائی دینے لگتا ہے۔

اہل اقتدار کیلئے یہ بڑا دشوار ہے کہ وہ اپنی اتھارٹی کا غلط استعمال نہ کریں۔ کیونکہ پہلی بات تو یہ کہ صرف وہی لوگ اتھارٹی میں دلچسپی لیتے ہیں جنہوں نے اس کا غلط استعمال کرنا ہو۔ حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے اختیارات بھی لوگوں کو کرپٹ کر دیتے ہیں۔ سڑک پر کھڑا ہوا کانسٹیبل بھی اپنے اختیار سے ناجائز فائدہ حاصل کرنا چاہے گا۔ ایک سڑک پر ملا نصیر الدین بطور کانسٹیبل کھڑا تھا۔ اس نے ایک عورت کو پکڑا جو کار چلا رہی تھی۔ مُلا نے اس کا چالان کاٹنا شروع کر دیا۔ عورت نے کہا: ''ذرا ٹھہرو! میری وزیر اعلیٰ سے واقفیت ہے''۔ مگر مُلا نے کوئی توجہ نہ دی۔ عورت نے پھر کہا ''کیا تم جانتے ہو کہ میری واقفیت گورنر سے بھی ہے۔ مگر مُلا نے اپنا کام جاری رکھا۔

مُلا نے کہا: ''کیا تمہاری مُلا نصیر الدین سے بھی واقفیت ہے''۔ عورت نے کہا کہ اس نے مُلا کا نام بھی نہیں سُنا۔

مُلا نے کہا ''جب تک تم مُلا نصیر الدین کو نہیں جانتی تم مشکل میں گرفتار رہو گی''۔

اختیار کو استعمال کرنا کتنا آسان ہو جاتا ہے۔ ریلوے اسٹیشن پر بکنگ کلرک کے سامنے لوگوں کی لائن لگی ہوتی ہے مگر وہ کوئی توجہ نہیں دیتا۔ بظاہر وہ مصروف دکھائی دیتا ہے۔ اصل میں ہم لوگوں کو دکھانا چاہتے ہیں کہ ہم بھی با اختیار ہیں۔

ذرا اپنا جائزہ لیجئے۔ آپ کا بیٹا آپ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کیا میں کھیلنے کیلئے باہر جا سکتا ہوں' آپ کہتے ہیں 'نہیں' لڑکا اور آپ دونوں اچھی طرح جانتے ہیں کہ

بالآخر آپ کھیل کی اجازت دے دیں گے۔ پھر لڑکا ضد کرنا اور چلانا شروع کرتا ہے۔ آپ کہتے ہیں: ''اچھا بھئی چلے جاؤ''۔ آپ پہلے انکار کیوں کرتے ہیں؟

اگر آپ کے پاس اختیار ہے تو آپ اس کا اظہار چاہتے ہیں۔ معاشرے میں ایسا ہی ہو رہا ہے۔ جب ایک شخص سے زیادتی ہوتی ہے تو وہ اپنے سے کمزور شخص کے ساتھ زیادتی کرتا ہے۔ انتقام لینے کیلئے آپ کو کہیں نہ کہیں کوئی مل جائے گا۔

دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کے پاس کوئی نہ کوئی اختیار نہ ہو۔ حتیٰ کہ دنیا کے آخری درجے کے انسان کے پاس بھی ایک کتا ہو گا جسے وہ پاؤں سے مار سکتا ہے۔ اس طرح ہر شخص سیاست کر رہا ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ آپ کسی سیاسی جماعت کے رُکن ہوں' اگر آپ اپنے اختیار کا استعمال غلط کر رہے ہیں تو آپ سیاسی ہیں۔

اس بات کو ذہن نشین کر لیں کہ اپنے اختیار کا ناجائز فائدہ مت اُٹھائیں۔ اس سے آپ کو نئی روشنی' سکون اور شانتی ملے گی۔

اختیار تو آپ کے پاس ہر وقت ہے۔ آپ اس سے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کرپٹ انسان ہیں تو آپ وہ سب کچھ کر گزریں گے جس کی آپ کو خواہش تھی مگر قدرت نہیں تھی۔ اگر آپ کو کرپشن نہیں کرنی تو اختیار کے باوجود آپ کرپشن نہیں کر سکتے۔ پھر آپ کرپشن نہیں بلکہ تخلیق کریں گے۔ یہ اختیار لوگوں کے لیے رحمت ثابت ہوگا۔

مگر زندگی کے رنگ بھی نرالے ہیں۔ صرف وہی لوگ اختیار حاصل کرنا چاہتے ہیں جن میں کرپشن کرنے کا امکان ہو۔ ایک صالح انسان میں اختیار حاصل کرنے کی خواہش نہیں ہوتی۔ کرپٹ انسان جانتا ہے کہ بغیر اختیار کے وہ کچھ نہیں کر سکتا۔

اختیار آپ کی اصل حقیقت سامنے لے کر آتا ہے۔ اچھے انسان کو طاقت ور بننے کی ضرورت نہیں کیونکہ اچھائی کا اظہار تو بغیر طاقت کے بھی ہو سکتا ہے۔ اچھائی کی اپنی طاقت ہوتی ہے۔ بدی کو خارجی طاقت کی ضرورت ہے۔

یہاں ہم ایک نتیجہ بھی نکال سکتے ہیں۔ ہر وہ چیز جسے خارج سے طاقت کی

ضرورت ہو کرپٹ ہے۔ وہ داخلی طور پر کمزور ہے اور زندگی ادھار لیتی ہے۔

اس طرح زندگی میں یہ عجیب صورتِ حال رونما ہوتی ہے کہ غلط لوگ اچھے مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور معزز بن جاتے ہیں۔

پوری انسانی تاریخ ایسے ہی ناموں سے بھری پڑی ہے۔ تاریخ میں گوتم بدھ، مہاویر، کانڈ، لاؤزے جیسے افراد کو ذیلی حیثیت حاصل ہے۔ تاریخ کا بڑا حصہ سکندرِ اعظم، چنگیز خان، تیمور لنگ، نادر شاہ، نپولین اور ہٹلر جیسے افراد بناتے ہیں۔ درحقیقت ہمیں اپنی پوری تاریخ از سرِ نو لکھنی چاہئے اور ان تمام افراد کو تاریخ سے نکال باہر کرنا چاہیئے۔ حتیٰ کہ انہیں اپنی یادداشتوں سے بھی باہر پھینک دینا چاہیئے۔ یہ افراد ڈراؤنا سپنا تھے۔ انہیں بھلا دینا ہی بہتر ہے۔

ہمیں ان لوگوں کو دریافت کرنا ہے جو اس زمین پر رہے اور اسے خوبصورت بنایا۔ مگر یہ لوگ گمنام رہے۔ ہمیں ان کی موسیقی، ان کے وجد اور ان کے رقص میں شامل ہونا ہے۔

سیاست

Politics

پوری دنیا میں سیاستدان جو کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں وہ حد درجہ غیر انسانی اور گھناؤنا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہیں اور اپنے آپ پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہیں ہے—— دیکھو تمہارے پاس کتنی طاقت ہے، تم کتنے انسانوں کی قسمت کو سنوار یا بگاڑ سکتے ہو۔ تمہارے ہاتھ میں کتنے نیوکلیئر ہتھیار ہیں۔

دوسرے لوگوں پر اختیار رکھنا ہمیشہ ہی تباہ کن رہا ہے۔ ایک بہتر دنیا میں جو کوئی بھی ناموری اور برتری کی خواہش رکھتا ہے اور دوسروں سے زیادہ اہم ہونا چاہتا ہے اسے نفسیاتی مریض سمجھنا چاہیئے۔ صرف عاجزی، سادگی اور فطری پن ہی رائج ہونے چاہئیں۔ کسی دوسرے فرد سے موازنہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ہر فرد یونیک ہے اس لیے موازنہ ممکن ہی نہیں۔

آپ گلاب کے پھول کا موازنہ گیندے کے پھول سے کیسے کر سکتے ہیں؟ آپ گھٹیا اور بڑھیا کا تعین کیسے کر سکتے ہیں؟ دونوں میں اپنی اپنی خوبصورتی ہے، دونوں ہی نے ہوا، دھوپ اور بارش میں رقص کیا ہے، دونوں نے بھرپور زندگی گزاری ہے۔

ہر انسان انوکھا ہے، یونیک ہے۔ اس لیے ادنیٰ اور اعلیٰ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جی ہاں! لوگ مختلف ہوتے ہیں۔ میں ایک بات کی وضاحت کر دوں کہیں آپ مجھے

غلط نہ سمجھنا شروع کر دیں۔ میں کمیونسٹوں کی طرح یہ نہیں کہہ رہا کہ تمام انسان برابر ہیں نہ کوئی ادنیٰ ہے نہ اعلیٰ۔ ہر شخص یونیک ہے۔ آپ آپ ہیں 'میں' میں ہوں۔ آپ نے اپنی ذات کا کھوج لگانا ہے میں نے اپنی ذات کا۔

ایک صوفی کی طرح طاقتور ہونا ٹھیک ہے لیکن دوسروں پر اختیار اور غلبہ رکھنے کی خواہش بہت مکروہ ہے۔

سیاست انا کا جال ہے اور مذہب سے انا کا خاتمہ ہوتا ہے' سیاستدان مذہبی نہیں ہوسکتا اور مذہبی انسان سیاستدان نہیں ہوسکتا۔

سیاستدان ہمیشہ زیادہ سے زیادہ بااختیار ہونا چاہتا ہے۔ آخر کس لیے؟ اپنی انا کی تسکین کیلئے' دنیا کو دکھانے کیلئے کہ 'میں بھی کچھ ہوں'۔ اور مذہبی آدمی تو ان احمقانہ چیزوں کو چھوڑ چکا ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ 'کچھ' ہے اس لیے دوسروں کو بتانے کا فائدہ؟ سیاستدان بناوٹ کرتا ہے جبکہ مذہبی انسان 'جانتا' ہے۔ اس نے اپنے اندر جھانکا ہوا ہے۔

اگر آپ بدھا کو ہندوستان کا صدر بنا دیں تو اس سے بدھا کو کیا فرق پڑے گا۔ اس سے بدھا کے مقام میں اضافہ نہیں بلکہ کمی ہوگی۔ بدھا پھر بدھا نہیں بلکہ عام آدمی بن جائے گا۔

ایک مذہبی انسان اپنے ناختم ہونے والے خزانے کو دیکھتا ہے اس لیے اسے کسی خارجی طاقت کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسے عزت' دولت' شہرت' اختیار' جیسے جھوٹے سیاسی سہاروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ زندگی میں صرف دو ہی سمتیں ہیں—مذہب اور سیاست۔

اگر آپ مذہبی نہیں ہیں تو سیاسی ہیں۔ آپ کا یہ سیاسی پہلو کہیں نہ کہیں ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ آپ اپنی بیوی کے ساتھ سیاسی ہوتے ہیں۔ آپ نے اس پر غلبہ حاصل کیا ہوا ہے۔ آپ بچوں کیلئے ڈکٹیٹر بن جاتے ہیں۔ آپ اس رویے کا اظہار اپنے دفتر میں کر سکتے ہیں۔ اسی طرح آپ میں دولت اکٹھی کرنے کی شدید خواہش ہوسکتی ہے۔ ممکن ہے کہ آپ دولت کا انکار کر کے ایک بڑے مہاتما بنا چاہتے ہوں۔ یہ باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ آپ سیاستدان

ہیں۔

آپ کے وزراءِ اعظم اور صدور اس وقت تک عظیم ہیں جب تک وہ اقتدار میں ہوں اور اختیار ختم ہونے کے بعد انہی کے سدھائے ہوئے کتے ان پر بھونکنا شروع کر دیتے ہیں۔

طاقت آپ کو یہ احساس دلاتی ہے کہ آپ عظیم ہیں۔ مگر یہ احساس ان لوگوں کو ہوتا ہے جو عظیم نہیں ہوتے۔ طاقت کے سہارے کی ضرورت ہے ہی ان لوگوں کو جو عظیم نہیں ہیں۔ عظیم ہونے سے میری مراد ہے کہ آپ اپنی باطنی دنیا سے آگاہ ہیں نیز آپ میں اور آپ کی ذات میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اب آپ میں کسی اضافے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ پہلے ہی وہاں موجود ہیں۔

ایک مرتبہ بدھا نے کہا: ''حقیقت کی روشنی ملی تو پوری حیات میں روشنی ہوگئی۔ اسی لمحے ہر شئے روشن ہوگئی''۔ یہ ایک بڑے آدمی کا تصور ہے۔ حقیقی معنوں میں بڑا انسان اپنے اردگرد صرف خدا ہی کا جلوہ دیکھتا ہے۔ ہر طرف زندگی اس کیلئے نہایت اہم ہو جاتی ہے۔

لہٰذا دو طرح عظیم بنا جا سکتا ہے۔ پہلی قسم سیاسی ہے— آپ عظیم بن جاتے ہیں مگر دوسروں کو چھوٹا بنا کر۔ یہ ایک مریضانہ سوچ ہے۔ عظمت کی دوسری قسم میں آپ عظیم بنتے ہیں اور اچانک ساری حیات عظیم بن جاتی ہے۔ آپ کے ساتھ ہی ہر شئے مقدس بن جاتی ہے۔ یہی مذہبیت ہے۔

میں زندگی سے اس کی کُلیت میں پیار کرتا ہوں۔ میرا پیار کسی شے کو خارج نہیں کرتا۔ یہ سب کچھ شامل کرتا ہے۔ جی ہاں' سیاسی عمل بھی اس میں شامل ہے۔ یہ سب سے بری چیز ہے مگر مجھے اسے شامل کرنا پڑتا ہے۔ ہر وہ چیز جو میرے تصورِ حیات میں ہے ذرا مختلف انداز سے ہے۔

ماضی کا انسان زندگی کے تمام پہلوؤں سے نا آشنا تھا۔ اس نے محبت کی مگر اس

سے نا آشنا رہا اور اس میں ناکام رہا۔ زندگی میں اس نے بہت سے کام اور تجربات کئے مگر سب میں ناکام رہا۔ سیاسی عمل کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔

ہر انقلاب ضد انقلاب بن جاتا ہے۔ یہ وقت ہے کہ ہم سمجھیں کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کیسے ہوتا ہے؟ ہر انقلاب اور ہر جدوجہد ناانصافی اور ظلم کے خلاف ہوتی ہے اور آخر میں یہ خود بے انصافی میں کیسے بدل جاتی ہے؟

اس صدی (بیسویں صدی) میں تو ایسا بارہا ہوا ہے۔ روس میں ایسا ہوا' چین میں ایسا ہوا اور اگر ہم پرانی ڈگر پر چلتے رہے تو ایسا ہوتا رہے گا۔ یہ سب ناآگہی کا نتیجہ ہے۔

جب آپ کے پاس اختیار نہیں ہوتا تو بے انصافی کے خلاف لڑنا آسان ہے۔ اختیار حاصل ہونے کے بعد آپ بے انصافی کے بارے میں سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ پھر آپ کی دبی ہوئی خواہشات سر اٹھانا شروع کر دیتی ہیں۔ اب آپ کا لاشعور سامنے آ جاتا ہے اور آپ وہ کام کرنے شروع کر دیتے ہیں جن کے خلاف آپ نے جدوجہد کی ہوتی ہے۔

سٹالن زار کے خلاف لڑ رہا تھا۔ پھر کیا ہوا؟ وہ خود سب سے بڑا زار بن گیا۔ ہٹلر بھی سوشلزم کے بارے میں بات کرتا تھا۔ اس نے اپنی پارٹی کا نام 'نیشنلسٹ سوشلسٹ پارٹی' رکھا۔ اقتدار حاصل کرنے کے بعد سوشلزم نے کیا کیا؟

ایسا ہی ہندوستان میں ہوا۔ مہاتما گاندھی اور ان کے پیروکار عدم تشدد' محبت' امن کی باتیں کرتے رہے اور جب اختیار ملا تو مہاتما نے راہِ فرار اختیار کی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اپنے ہاتھ میں اختیار لینے کے بعد وہ مہاتما اور عارف ہرگز نہیں رہ سکتے۔ ان کے پیروکاروں کو جب اقتدار ملا تو وہ اتنے ہی کرپٹ ثابت ہوئے جتنے کہ دیگر سیاسی لوگ۔ اختیار ملنے سے پہلے وہ تمام بہت اچھے لوگ تھے۔ عوام کے خادم تھے' ان کی بہت سی قربانیاں تھیں۔ مگر اچھے انسان بھی بُرے انسان کا روپ دھار لیتے ہیں۔ اس بنیادی چیز کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ لوگ زندگی کو اس کی کُلیت میں بسر کریں مگر ایک شرط کے ساتھ۔ پہلے میڈیٹیشن کریں تاکہ آپ اپنے لاشعور سے زہریلے بیجوں کا صفایا کر سکیں۔ اس طرح اختیار ملنے پر بھی آپ کرپٹ نہیں ہوں گے۔

میڈیٹیشن کرنے والا مصور بھی بن سکتا ہے مگر اس کی تخلیق بالکل مختلف ہوگی۔ وہ ماورائیت سے باخبر ہے کیونکہ اب وہ خدا کا دیدار کرنے کے قابل ہے۔ اگر وہ رقاص بنے گا تو اس کے رقص میں نیا پن ہوگا۔ اسی طرح وہ موسیقار بھی بن سکتا ہے...... یا وہ سیاسی عمل میں بھی شامل ہو سکتا ہے مگر اس کے سیاسی عمل کی جڑیں میڈیٹیشن میں پیوست ہوں گی۔ اس طرح کسی ہٹلر یا سٹالن کا پیدا ہونا محال ہے۔

میں ایک فرد کو کسی مخصوص راستے پر چلنے کا نہیں کہتا۔ میں اپنے پیروکاروں کو آزاد چھوڑتا ہوں۔ میں انہیں صرف میڈیٹیشن سکھاتا ہوں۔ میں انہیں زیادہ سے زیادہ ہوشیار رہنا' آگاہ رہنا سکھاتا ہوں اور پھر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہوں۔ ان میں جو بھی فطری صلاحیت ہے وہ اسے خود تلاش کر لیں گے۔ اور یہ سب کچھ شعوری سطح پر ہوگا۔ اب خطرے کی کوئی بات نہیں ہوگی۔

میں سیاسی فعل کے خلاف نہیں ہوں بلکہ میں کسی بھی چیز کے خلاف نہیں ہوں۔ میں زندگی میں منفیت کا قائل نہیں۔ میں تو زندگی سے عشق میں مبتلا ہوں۔ ظاہر ہے کہ جب دنیا میں کروڑوں' اربوں انسان ہوں تو کسی نہ کسی طرح کی سیاست تو چل رہی ہوتی ہے۔ سیاست ختم نہیں ہو سکتی۔ اسے ختم کرنے سے انتشار پیدا ہو جائے گا۔

میں انتشار پھیلانے کے حق میں نہیں۔ میں تو دنیا کو مزید حسین اور ہم آہنگ دیکھنے کا متمنی ہوں۔ بعض اوقات میں تباہی کی بات صرف اس لیے کرتا ہوں کہ تعمیر نو ہو سکے۔ یقیناً بعض اوقات میری سوچ بہت منفی ہو جاتی ہے۔ میں آپ کو رسوم و روایات سے آزاد دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ آپ ماضی سے نہ بندھے رہیں' تاکہ آپ کا حال اور مستقبل بہتر ہو' تاکہ آپ نئی دنیاؤں کی تعمیر کر سکیں۔ میری ساری کوشش یہ ہے کہ تخلیقی بننے میں آپ کی

مدد کروں۔

کچھ افراد نے سیاسی فعل کی طرف آنا ہی ہوتا ہے مگر میں انہیں اس کی اجازت اس وقت دوں گا جب وہ بنیادی شرائط پوری کریں گے۔ یعنی جب وہ چوکنے، باخبر اور آگاہ بن جائیں گے اور جب ان کا باطن روشنی سے منور ہوگا۔ اس کے بعد آپ جو بھی کریں گے آپ دنیا کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

کلکتہ کی مدر ٹریسا نے نوبل انعام حاصل کیا۔ یہ انتہائی احمقانہ بات ہے۔ نوبل انعام کی پرائز کمیٹی نے اس سے زیادہ فضول حرکت کبھی نہیں کی۔ مگر بظاہر یہ بڑا احسن دکھائی دیتا ہے۔ تمام دنیا میں اس کو سراہا گیا۔

جے کرشنا مورتی کو نوبل پرائز کا مستحق نہیں سمجھا گیا اور وہ ان چند بدھوں میں سے ہیں جو واقعی دنیا میں امن کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔ میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مدر ٹریسا نے دنیا کے امن کیلئے کیا کیا؟ گرڈجیف اور رامان مہارشی کو تو نوبل پرائز نہیں ملا، یہ لوگ انسان کے باطن کو بدلنے کیلئے کام کر رہے تھے۔ ان کا کام غیر مرئی تھا۔ جب آپ لوگوں کی مادی ضروریات کو پورا کرتے ہیں تو یہ دکھائی دیتا ہے لیکن جب آپ لوگوں کے پاس خدا لے کر جاتے ہیں تو یہ نظر نہیں آتا۔

مدر ٹریسا ظاہری طور پر اچھا کام کر رہی تھی۔ یتیموں، بیواؤں، مریضوں کے کام آنا۔ اس کام کے اچھا ہونے میں کوئی شک نہیں مگر بنیادی طور پر وہ لوگوں کو دلاسا دے رہی تھی۔ وہ گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دے رہی تھی۔ اور یہ کام ضدِ انقلاب ہے۔ مظلوموں کی تشفی کرنے کا مطلب ہے کہ قائم معاشرے میں ایڈجسٹ ہونے میں انہیں مدد دی جائے تاکہ معاشرے میں جمود قائم رہے۔ وہ غیر انقلابی کام کر رہی تھی۔ مگر اہل اقتدار اور مالدار لوگ خوش تھے۔ اصل میں وہ نابیناؤں اور غرباء کی نہیں بلکہ وہ مذہبی اجارہ داروں اور سیاست دانوں کی مدد کر رہی تھی۔ وہ ان کی طاقت اور اقتدار کو بڑھا رہی تھی۔ وہ ایسا ماحول پیدا کر رہی تھی جس میں پرانا اور فرسودہ اپنا وجود برقرار رکھ سکتا ہو۔

ہندوستان میں طاقتور اور دولتمندوں کے خلاف کبھی کوئی انقلاب نہیں آیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک نام نہاد مذہبی ملک ہے اور یہاں حوصلہ دینے کے لئے بہت سے انتظامات ہیں۔ پانچ ملین ہندو راہب لوگوں کو تسلی دیتے ہیں۔ انہیں بتایا جاتا ہے کہ ان کی غربت، معذوری اور بیماری کی وجہ اُن کے سابقہ گناہ ہیں۔ انہیں سمجھایا جاتا ہے کہ ''خاموشی سے سب کچھ برداشت کرو اور کوئی احتجاج نہ کرو کیونکہ اگر تم نے احتجاج کیا تو اگلے جنم میں تمہیں اس کی سزا بھگتنا پڑے گی۔ اس مرتبہ اچھے انداز سے رہو'' عیسائیت میں نافرمانبرداری کو بنیادی گناہ تصور کیا جاتا ہے۔

آدم اور حوا کا کیا گناہ تھا؟ صرف یہی کہ انہوں نے خدا کی حکم عدولی کی تھی۔ پھل کھانے میں کوئی گناہ نہیں تھا۔ اس طرح پادریوں کے نزدیک حکم عدولی گناہِ عظیم ہے۔

ہندوستان میں گذشتہ دس ہزار برسوں سے پادری اور راہب لوگوں کو تعلیم دے رہے ہیں کہ 'نظام وقت کے مطیع رہو' نافرمانبردار مت بنو ورنہ اگلے جہان میں تمہیں اس کی سزا بھگتنا ہوگی'۔ اسی لیے کوئی انقلاب رونما نہیں ہوا۔ اور ان پادریوں اور راہبوں نے بہت پذیرائی حاصل کی ہے۔

عیسائی مشنری بھی ساری دنیا میں اس وقت یہی کام کر رہے ہیں یعنی غریبوں اور معذوروں کی مدد۔ وہ لوگوں کو بتاتے ہیں کہ ''صبر کریں۔ ممکن ہے کہ خدا کی طرف سے یہ تمہارا امتحان ہو۔ کندن بننے کیلئے تمہیں آگ سے گزرنا پڑے گا'' عیسائی مشنری انقلاب کی ضد ہیں۔

آخر یہ لوگ غرباء کی مدد کیوں کر رہے ہیں؟ شائد وہ جنت میں جانا چاہتے ہیں اور اس کا واحد طریقہ لوگوں کی خدمت ہے۔ بعض اوقات میں حیران ہوتا ہوں کہ اگر دنیا میں کوئی بھی غریب اور معذور نہ رہا تو ان بیچارے عیسائی مشنریوں کا کیا ہوگا؟ یہ جنت تک کیسے پہنچ پائیں گے؟ اس لیئے لوگ چاہیں گے کہ دنیا میں غربت رہے۔ جتنے زیادہ غریب ہوں گے خدمت کے اتنے ہی مواقع ہوں گے۔

مدر ٹریسا کو انعام دینے کا مطلب ہے کہ ضدِ انقلاب کاموں کو انعام دینا۔ ایسا ہی ہوتا چلا آ رہا ہے۔ آپ ان لوگوں کی تعریف کرتے ہیں جو مردہ اُور فرسودہ کے ساتھ سمجھوتہ کر لیں اور معاشرے کی صورت حال برقرار رکھنے میں مدد کریں۔

میرا کام غیر مرئی ہے۔ میں آپ کو براہِ راست نہیں سمجھا رہا۔ یہی سب سے بڑا ممکنہ انقلاب ہوتا ہے۔ میں آپ کو باغی بنا رہا ہوں اور بغاوت کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں۔ آپ جہاں کہیں بھی ہوں اس بغاوت کے آپ پر نمایاں اثرات ہوں گے۔ اگر آپ شاعری کے میدان میں آئے ہیں تو آپ باغیانہ شاعری کریں گے۔ اگر آپ موسیقی کی طرف آتے ہیں تو آپ مختلف طرزِ کی موسیقی تخلیق کریں گے۔ اگر آپ سیاست کی طرف رُخ کرتے ہیں تو آپ سیاست کی سمت کو بدل کے رکھ دیں گے۔

میں سیاسی فعل کے خلاف نہیں ہوں۔ میں لوگوں کو یہ سکھا رہا ہوں کہ وہ خاموشی سے بیٹھیں۔ اپنے خیالات کا مشاہدہ کریں اور اپنے دماغوں سے باہر آئیں۔ ایک احمق انقلابی یہ خیال کرے گا کہ میں سیاسی فعل کے خلاف ہوں اور رجعت پسند ہوں۔

میں کوئی ایسا کام نہیں کر رہا جسے سیاسی یا سماجی کہا جا سکے۔ بظاہر میں فراریت پسند نظر آتا ہوں۔ ہاں! میں لوگوں کی مدد کر رہا ہوں کہ وہ اپنے آپ میں فرار ہو جائیں اور ہر طرح کی احمقانہ سرگرمیوں سے فرار اختیار کر لیں۔

اس کے بعد آپ جو چاہیں کریں۔ پھر اگر آپ جہنم میں بھی جانا چاہیں تو میری آشیرباد کے ساتھ جائیں کیونکہ آپ میں جہنم کو بدلنے کی صلاحیت ہوگی۔

ایسا نہیں ہے کہ میڈیٹیشن کرنے والے جنت میں جائیں گے۔ بلکہ وہ جہاں ہیں جنت ان کے ساتھ ہے۔ مگر اس طرزِ فکر کو سمجھنے میں وقت لگے گا۔ میں مختلف زبان استعمال کر رہا ہوں۔ اس لیے مجھے غلط سمجھنا فطری بات ہے۔

کام

Work

اگر آپ اپنے کام کو میڈیٹیشن میں بدل سکتے ہیں تو اس سے بہتر کوئی بات نہیں۔ پھر میڈیٹیشن کا آپ کی زندگی سے کوئی تضاد نہیں ہوگا۔ آپ جو بھی کریں وہ میڈیٹیشن بن سکتا ہے۔ یہ علیحدہ سے کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ زندگی کا حصہ ہے۔ یہ بالکل سانس کی مانند ہے۔ جیسے آپ سانس اندر اور باہر لا رہے ہیں اتنی ہی آسانی سے آپ میڈیٹیشن کرتے ہیں۔

یہ محض اہمیت دینے کی بات ہے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کرنا۔ جو کام آپ بے توجہگی سے کر رہے ہیں اب توجہ سے کرنا شروع کر دیں۔ اپنے کام میں محبت کا عنصر شامل کرنے سے آپ اور بھی بہت سے فوائد حاصل کر سکیں گے۔

''کام'' کا تصور صدیوں سے ہم پر مسلّط کیا ہوا ہے کہ دنیا میں ہم کسی خاص 'کام' کیلئے آئے ہیں۔ یقیناً لوگ چاہتے ہیں کہ آپ سست نہ ہوں اور مزے کریں۔ وہ اس لیے کام چاہتے تھے کیونکہ آپ کے کام سے دولت پیدا ہوگی۔ آپ کے کام سے سکندرِ اعظم پیدا ہوگا۔ آپ کے کام سے جنگیں پیدا ہوں گی۔ ہر چیز کا دارومدار آپ پر ہے۔ اس لیے ہر کلچر میں شروع ہی سے بچوں کے ذہن میں یہ بٹھایا جاتا ہے کہ زندگی میں اس کے لیے کوئی خاص 'کام' ہے۔

اس بات نے لوگوں کو متاثر کیا۔ حالانکہ یہ بالکل احمقانہ بات تھی یہ درخت کیا

کام کر رہے ہیں؟ اور یہ پرندے کیا کام کر رہے ہیں؟ یہ سورج چاند اور ستارے کیا کام کر رہے ہیں؟

ہزاروں سالوں سے آپ 'کام' کے اس تصور سے متفق ہیں کیونکہ اس سے آپ کی انا کو تسکین پہنچتی ہے۔ اگر آپ دنیا میں کوئی اہم کام کرنے نہیں آئے تو پھر آپ یہاں پر محض حادثاتی طور پر ہیں۔ یہاں آپ کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس سے انا کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ انا کا تقاضہ ہے کہ آپ حیات کیلئے اتنے ناگزیر ہوں کہ آپ کے بغیر حیات کا کام نہیں چلے گا۔

میرے والدین اور اساتذہ نے بھی مجھ سے ایسی ہی باتیں کہیں ہیں: 'تمہیں کوئی کام کرنا ہے ورنہ تم بدمعاش بن جاؤ گے' میں نے کہا 'شاید میں یہی کام کرنے آیا ہوں۔ آخر کچھ لوگوں کو بدمعاش بھی تو بننا ہوتا ہے'......

میں اپنے اساتذہ اور والدین سے کہا کرتا تھا کہ لوگوں کو یہ کہنا کہ کام کر کے آپ اپنی منزل حاصل کرلیں گے دراصل انہیں کام کے جال میں پھانسنے کا ایک نفسیاتی حربہ ہے۔

میں نے اپنے استاد سے کہا کہ میری کوئی منزل نہیں ہے۔ میرا ذہن ایسے نہیں سوچ سکتا کہ حیات کی بھی کوئی منزل ہے۔ جب زندگی میں مطلوبہ کردار ادا کر دیا جائے تو اس کا مطلب تو مکمل موت ہے۔ کیونکہ اب کرنے کیلئے مزید کچھ باقی نہیں رہا۔

حیات ایک کام نہیں بلکہ جشن ہے۔ یہ توانائی کا رقص ہے جو ہمیشہ مختلف شکلوں میں جاری رہے گا اور کبھی ختم نہیں ہوگا۔ یہ توانائی دائمی ہے۔ ہم نے کام کرنے والا ایسا سماج تشکیل دے دیا ہے جو اُن افراد پر سخت تنقید کرتا ہے جو کام کی اس دوڑ میں شریک نہیں۔ یقیناً ضروریاتِ زندگی ہیں۔ آپ کو روٹی' کپڑے' مکان کی ضرورت ہے۔ آپ کو کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا۔ لیکن یہ زندگی کی منزل نہیں ہے کہ آپ ایک مکان بنالیں' چند بچوں کو جنم دے لیں اور اپنی بیوی سے جھگڑا کریں۔ ہمیں زندگی کے جشن میں شامل ہونا چاہیئے۔ یہ چھوٹی چھوٹی حاجات تو بقا کیلئے ہیں۔ ایسی ڈینگیں مت ماریں کہ آپ کے بینک میں کتنا روپیہ ہے' یا آپ کتنے بڑے سیاست دان' صدر' یا وزیراعظم ہیں۔ حیات آپ کے متعلق

کچھ نہیں جانتی۔ حیات تو ان پرندوں کے ساتھ شامل ہونے کا نام ہے جو بغیر کسی وجہ کے گیت گانا شروع کر دیتے ہیں۔

میں کامیابیاں حاصل کرنے والی ذہنیت کو ختم کرنا چاہتا ہوں کیونکہ یہ آپ کی بیماری ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ آرام کریں اور لطف اندوز ہوں۔ وہ چند کام کریں جو ضروری ہیں یا کسی ایسے فرد کا انتظام کریں جو یہ کام کر سکتا ہو۔ یہ سب کچھ آپ کی ذہانت پر منحصر ہے۔

میں آپ کو یہ نہیں بتا رہا کہ یہ کریں اور یہ نہ کریں۔ میرے پاس کوئی احکامات نہیں ہیں۔ میں آپ کو درختوں' ہمالیہ' سمندروں' ستاروں جیسی عظمت دینا چاہتا ہوں۔ یہ تمام توانائی سے بھرپور ہیں اور جشن منا رہے ہیں۔ ماسوا انسان کوئی بھی کام نہیں کر رہا۔

آپ حتیٰ کہ اپنے چھوٹے چھوٹے کاموں کی ماہیت بھی بدل سکتے ہیں۔ انہیں زیادہ سے زیادہ جمالیاتی اور تخلیقی بنا دیں۔ انہیں اپنی زندگی کی بڑی خوشی بنا دیں۔ آخر یہ آپ کو غذا اور کپڑے فراہم کر رہے ہیں۔

مجھے اپنی زندگی میں صرف ایک امریکی پسند آیا جس کا نام وِٹ مین (Whitman) ہے۔ میں اسے اس کی ایک نظم کی وجہ سے پسند کرتا ہوں۔ نظم کا عنوان ہے ''میں اپنا جشن مناتا ہوں'' وہ نغمہ ذات (Song of myself) گاتا ہے۔ جب آپ یہ کہہ سکیں کہ ''میں اپنا جشن مناتا ہوں'' صرف اسی وقت آپ کا کام ایک جشن میں بدل جاتا ہے اور آپ کی زندگی شدید خواہشوں اور کامیابیوں کے بغیر خوبصورتی کا سفر بن جاتی ہے۔

حد سے زیادہ کام کرنے والا کام کا عادی ہوتا ہے بلکہ اسے کام کی لت پڑ جاتی ہے۔ وہ سکون سے نہیں بیٹھ سکتا۔ اسے کچھ نہ کچھ کرنا ہوتا ہے۔ خواہ اسکی ضرورت ہو یا نہ ہو۔

جاپان میں فیکٹریوں میں کام کرنے کیلئے زیادہ سے زیادہ مقدار میں روبوٹ تیار کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کیونکہ روبوٹ چوبیس گھنٹے کام کر سکتے ہیں۔ نہ لیبر یونین کا جھنجھٹ' نہ ہڑتال کا ڈر' نہ چھٹی اور تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ۔

جاپان میں حتیٰ کہ اتوار کے روز بھی لوگ کام کرتے ہیں۔ حکومت کی کوشش ہے کہ کارکن ہفتہ میں ایک دن آرام کریں مگر لوگ ایک چھٹی بھی کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ان کی تنخواہ میں بھی کمی نہیں کی جائے گی۔ پھر کیا مسئلہ ہے؟ اصل میں وہ عادی ہو چکے ہیں۔ ان کا مؤقف ہے ''آخر ہم گھر میں کیا کریں گے؟ نہیں جناب ہم ایسی مشکل میں نہیں پڑنا چاہتے۔ گھر میں رہیں گے تو بیوی بچوں سے خواہ مخواہ لڑائی جھگڑا ہوگا''۔ انہیں کام کی لت پڑ چکی ہے۔

اگرچہ کار ٹھیک ہوگی مگر وہ اسکا بونٹ (Bonnet) کھول کر اس کے انجن میں کوئی نہ کوئی خرابی پیدا کر دیں گے تاکہ اسے ٹھیک کر سکیں۔ اسی طرح وہ ایک ٹھیک ٹھاک ٹیلی وژن کو برباد کر کے رکھ دیں گے۔ آخر وہ کیا کریں؟

وہ اسی طرح کام کے عادی ہو چکے ہیں جس طرح کچھ لوگ نشے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ کام ان کا نشہ ہے۔ یہ انہیں مصروف رکھتا ہے۔ یہ انہیں ان کی پریشانیوں اور مسائل سے دور رکھتا ہے۔ اس کا اثر بالکل نشے کی طرح ہوتا ہے۔ اس میں ان کے تمام دکھ درد' خدا' گناہ' جہنم' سب کچھ ڈوب جاتا ہے۔

کسی شراب خانے میں جا کر دیکھئے۔ ایک شراب خانہ چرچ سے زیادہ پُرمسرت جگہ ہے۔ یہاں ہر شخص ہنس رہا ہے۔ دھینگا مُشتی کر رہا ہے۔ اور جب وہ واپس گھر جا رہے ہوتے ہیں تو آدھی رات گزر چکی ہوتی ہے۔ وہ ہر چیز فراموش کر چکے ہوتے ہیں ــــ دنیا اور اس کے بکھیڑے اور تیسری جنگِ عظیم......

آپ جس چیز کے عادی ہو جائیں اسے بطور نشہ استعمال کر سکتے ہیں۔ کچھ لوگ محض چیونگم کے عادی ہوتے ہیں. آپ انہیں چیونگم سے محروم کر دیں پھر ان کا حال دیکھیں۔ اچانک وہ سوچنا شروع کر دیتے ہیں ''زندگی بیکار اور بے مقصد ہے میری چیونگم کہاں ہے''؟ چیونگم انہیں مصروف رکھتی ہے۔ سگریٹ بھی لوگوں کو مگن رکھتی ہے۔ اسی طرح لوگ ایک دوسرے سے گپیں مارتے ہیں۔ اس سے وہ مصروف رہتے ہیں۔ اس سے غرض نہیں ہے کہ کوئی بات سچی ہے یا جھوٹی۔ سوال یہ ہے کہ کس طرح مصروف رہا جائے اور اپنے آپ سے دور رہا جائے۔

اس لیے کام کے عادی لوگ غور و فکر کے مخالف ہیں۔ ہر نشہ آپ کو سوچنے سے دور رکھتا ہے۔ تمام نشوں سے نجات حاصل کرنی چاہیئے۔

اپنے کام کو پوری دلجمعی اور ہر تقاضہ پورا کرتے ہوئے کرنا مختلف چیز ہے۔ یہ نشہ نہیں ہے۔ یہ تو ایک قسم کی میڈیٹیشن ہے۔

اپنے کام میں کُلی طور پر شامل ہونا میڈیٹیشن کیلئے کارآمد ہے۔ محض کام کا عادی شخص ایسا نہیں کر سکتا۔ وہ تو چند منٹوں کیلئے بھی سکون سے نہیں بیٹھ سکتا۔ وہ مضطرب ہوگا' اپنی جیبوں میں بے مقصد ہاتھ ڈالے گا۔ اپنی عینک اُتار کر صاف کرے گا۔ غرض وہ آرام سے نہیں بیٹھ سکتا۔

وہ شخص جو اپنے کام میں پوری طرح محو ہے کام کا عادی نہیں ہے۔ وہ ہر چیز میں کامل ہوگا۔ وہ سوتے ہوئے صرف سو رہا ہوگا' چلتے ہوئے صرف چل رہا ہوگا' کھاتے ہوئے صرف کھا رہا ہوگا۔ آپ ایسا نہیں کرتے۔ آپ کھا رہے ہوتے ہیں اور آپ کا دماغ سینکڑوں جگہ بھٹک رہا ہوتا ہے۔ کوئی بھی شخص اپنے کام میں پوری طرح داخل نہیں ہے۔

لہٰذا ہر چیز میں کلیتاً داخل ہو جائیں۔ اس طرح آپ کی پوری زندگی ایک میڈیٹیشن بن جائے گی۔

ہماری زندگی کا ڈھانچہ کچھ ایسا ہے کہ ہمیں سکھایا جاتا ہے کہ شناخت اور قدر شناسی (Recognition) کے بغیر آپ غیر اہم ہیں۔ کام کی بجائے شناخت زیادہ اہم ہوگئی ہے۔ حالانکہ کام زیادہ اہم ہونا چاہیئے۔ کام بجائے خود ایک خوشی ہونا چاہیئے۔ آپ کو اپنی پہچان کے لیے نہیں بلکہ اس لیے کام کرنا چاہیئے کہ آپ تخلیقی ہونے سے خوشی محسوس کرتے ہیں۔

آپ کو وہ کام کرنا چاہیئے جسے آپ پسند کرتے ہوں۔ پہچان کی بات نہ کریں۔ اگر یہ آپ کو مل جائے تو ٹھیک ہے اور اگر نہ ملے تو اُس کے متعلق سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کی تکمیل کام میں ہونی چاہیئے۔ اگر ہر شخص اپنے کام سے لطف اندوز ہونا شروع

کردے تو یہ دنیا بہت خوبصورت ہو جائے گی۔ مگر معاشرے نے آپ کو ایک عجیب شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔ آپ جو کچھ کر رہے ہیں وہ اس لیے اچھا نہیں ہے کہ آپ اسے پسند کرتے ہیں۔ یا آپ اسے اچھی طرح کر رہے ہیں۔ بلکہ یہ اس لیے اچھا ہے کہ معاشرہ اسے اچھا سمجھتا ہے اور معاشرہ ایسے کام کو گولڈ میڈل اور نوبل پرائز سے نوازتا ہے۔

اس نے تخلیقیت کی حقیقی اہمیت چھین لی ہے اور لاکھوں لوگوں کو برباد کر دیا ہے۔ کیونکہ آپ ہر شخص کو تو نوبل انعام نہیں دے سکتے۔ آپ نے ہر شخص میں پہچان کی خواہش پیدا کر دی ہے۔ لہٰذا کوئی بھی شخص اپنے کام سے سکون اور لُطف حاصل نہیں کر سکتا۔ زندگی تو چھوٹی چھوٹی چیزوں پر مشتمل ہے ان چھوٹی چیزوں کیلئے نہ ہی حکومت کی طرف سے کوئی انعام ہے اور نہ ہی یونیورسٹی کی طرف سے اعزازی سند۔

اس صدی کا عظیم شاعر رابندر ناتھ ٹیگور کا تعلق بنگال سے تھا۔ اس نے اپنی شاعری اور ناول بنگالی زبان میں شائع کئے۔ مگر اسے کوئی خاص شہرت نہ ملی۔ پھر اس نے اپنی ایک چھوٹی کتاب 'گیتا نجلی' کا ترجمہ انگریزی میں کیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اصل شاعری کے حُسن کو ترجمے میں منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ بنگالی بہت شیریں زبان ہے۔ اس میں بہت موسیقیت ہے جو انگریزی میں نہیں۔ بہرحال اس نے ترجمہ کیا اور نوبل انعام حاصل کیا۔ پھر اچانک پورے ہندوستان کو اس کے بارے میں پتہ چل گیا...... یہ کتاب پہلے ہی کئی سالوں سے بنگالی اور دیگر ہندوستانی زبانوں میں موجود تھی مگر کسی نے کوئی توجہ نہ دی۔

اب ہر یونیورسٹی اسے ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری دینا چاہتی ہے۔ کلکتہ، جہاں وہ رہتا رہا تھا، پہلی یونیورسٹی تھی جس نے اس کو اعزازی ڈگری عطا کرنی چاہی۔ اس نے انکار کر دیا۔ اس نے کہا 'آپ یہ ڈگری مجھے نہیں دے رہے۔ آپ میرے کام کا اعتراف نہیں کر رہے بلکہ آپ یہ اعزاز نوبل انعام کو دے رہے ہیں۔ یہ کتاب زیادہ بہتر شکل میں یہاں برسوں سے موجود تھی لیکن کسی نے اسے پڑھنے کی تکلیف گوارا نہیں کی'۔

اس نے اعزازی ڈگری لینے سے انکار کر دیا۔ اس نے اسے اپنی توہین قرار دیا۔

جین پال سارتر نے نوبل انعام وصول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے کہا: ''میں اپنا کام کرنے کے دوران ہی اپنا انعام وصول کر چکا ہوں۔ نوبل انعام اس میں کچھ اضافہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ یہ مجھے میری سطح سے نیچے لے آئے گا۔ یہ ان لوگوں کیلئے ٹھیک ہے جو شہرت کی تلاش میں ہیں۔ میں کافی بوڑھا ہوں اور میں نے زندگی مزے سے بسر کی ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے اس سے پیار کیا ہے۔ یہ بجائے خود ایک انعام ہے۔ مجھے کسی اور انعام کی ضرورت نہیں، کیونکہ جو میں نے حاصل کیا ہے کچھ بھی اس سے بہتر نہیں ہو سکتا'' مگر صحیح لوگ دنیا میں بہت کم ہیں اور دنیا غلط لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔

آپ کو شناخت کی کیوں ضرورت ہے؟ شناخت کے متعلق پریشان ہونے کا ایک ہی مطلب ہے کہ آپ کو اپنے کام سے لگاؤ نہیں بلکہ آپ کو اپنے کام سے نفرت ہے آپ کام صرف اس لیے کر رہے ہیں کہ اس سے آپ کو شناخت ملے گی۔ آپ کو سراہا جائے گا۔ شناخت کے متعلق فکر مند ہونے کی بجائے اپنے کام کے متعلق از سرِ نو غور کریں۔ کیا آپ اپنے کام کو پسند کرتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو یہ بات کافی ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اسے بدل لیں۔

ایک بنیادی بات سیکھ لیں۔ جو آپ کرنا چاہتے ہیں کریں اور اس سے پیار کریں اور شناخت کے طلبگار مت ہوں۔ یہ تو بھیک مانگنے کے مترادف ہے۔ آخر قبولیت اور لوگوں کے اعتراف کے پیچھے بھاگنے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنے اندر جھانک کر دیکھیں۔ آپ جو کچھ کر رہے ہیں شاید آپ اسے پسند نہیں کرتے۔ لوگوں کی قبولیت سے آپ کو احساس ہو گا کہ آپ ٹھیک کام کر رہے ہیں۔ شہرت سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ آپ اپنی منزل کی طرف گامزن ہیں۔ معاملہ محض آپ کے داخلی احساسات کا ہے خارجی دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

یہ نام نہاد شہرت یافتہ اور معزز لوگ فضولیات سے بھرے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ وہ فضولیات ہیں جو معاشرے نے ان کے اوپر تھوپ رکھی ہیں۔ اور معاشرہ اس کا مداوا انہیں انعام واکرام دے کر کرتا ہے۔

جس فرد کو اپنی انفرادیت کا احساس ہو وہ اپنے کام سے محبت کے سہارے رہتا ہے اور اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ دوسرے لوگ اس کے بارے میں کیا خیال کرتے ہیں۔ جتنا اہم آپ کا کام ہوگا اتنی ہی کم عزت ملنے کا امکان ہوگا۔ اگر آپ ایک جینئس ہیں تو آپ کو اپنی زندگی میں تو کوئی مقام نہیں ملے گا بلکہ زندگی میں تو رسوائی ملنے کا امکان ہے۔ ہاں البتہ ایک یا دو صدیوں بعد آپ کی کتابوں کو پذیرائی ملے گی۔ کیونکہ آج کے جینئس کو سمجھنے کیلئے اتنا عرصہ درکار ہوتا ہے۔ بے وقوفوں سے عزت کروانے کے بعد آپ کو ان جیسے اطوار اپنانے پڑے ہیں ان کی توقعات پر پورا اُترنا پڑتا ہے۔ بیمار انسانیت سے عزت حاصل کرنے کیلئے آپ کو ان سے زیادہ بیمار ہونا پڑتا ہے اس قیمت پر وہ آپ کی عزت کریں گے۔ لیکن آپ کو کیا حاصل ہوگا۔ آپ اپنی روح گنوا بیٹھیں گے اور آپ کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔

اس حیات کے سوا میرا کوئی خدا نہیں ہے۔ عبادت میں عبادت کرنے والا اتنا محو ہو جاتا ہے کہ صرف عبادت رہ جاتی ہے۔ باغ میں گڑھا کھودتے ہوئے، اپنے پیاروں کیلئے غذا تیار کرتے ہوئے یا کچھ اور کرتے ہوئے اگر آپ اتنے محو ہو جاتے ہیں کہ آپ کی انا باقی نہیں رہتی تو آپ خود کام بن جاتے ہیں۔ یہ عبادت بن جاتی ہے۔

مذاہب نے عبادت کا صرف لفظ استعمال کیا ہے۔ عیسائی ہر اتوار کو ایک یا دو گھنٹوں کیلئے چرچ جاتے ہیں یہ ان کی عبادت ہے۔ ہفتے کی باقی دنوں میں وہ کیا کرتے ہیں؟

ہندو ہر روز صبح کے وقت عبادت کرتے ہیں۔ سارا دن وہ کیا کرتے ہیں؟ وہ یقیناً وہ کچھ کرتے ہیں جو کہ عبادت نہیں ہے ورنہ عبادت کیلئے علیحدہ وقت اور علیحدہ جگہ کی ضرورت نہیں ہے۔

مجھے اس وقت موسیٰ یاد آرہے ہیں۔ موسیٰ جب خدا سے ملاقات کے لیے قریب ہوئے تو آواز آئی "موسیٰ! یہ مقام ادب ہے یہاں اپنے جوتے اتار دو"۔

لیکن کیا زمین مقدس اور غیر مقدس میں تقسیم ہو گئی ہے؟ یہ لائن کہاں ہے؟ میرے نزدیک ساری زمین مقدس ہے۔ آپ کو جوتے اُتارنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ بھی مقدس ہیں۔

اپنی زندگی کے ہر عمل کو مقدس بنا دیں۔ ممکن ہے کہ آپ بہت امیر نہ بن سکیں۔ اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ امارت یا دولت مندی آپ کو ایک بالکل مختلف شکل میں ملے گی۔ آپ خوشی اور اطمینان کے لحاظ سے امیر ہوں گے۔

اپنے کام کا انتخاب دوسروں کی رائے کے مطابق مت کریں۔ یہ آپ کے دل کا فیصلہ ہونا چاہیئے۔ جب کسی کام میں آپ کا دل بھی آپ کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے تو یہ عبادت بن جاتی ہے۔ اگر صرف دماغ کی شمولیت ہے تو پھر یہ محض کام ہے۔ جب آپ کام میں مکمل طور پر منہمک ہو جائیں تو یہ ایک نعمت بن جاتا ہے اور ایسی نعمت مذہب بھی انسان کو نہیں دے سکتا۔

تمام مذاہب نے اس پر اصرار کیا کہ ان کی کتابوں کا عوام کی زبان میں ترجمہ نہ کیا جائے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ کیونکہ پادری جانتے ہیں کہ ان نام نہاد مذہبی کتابوں میں کچھ بھی مقدس نہیں ہے۔ ان کتابوں میں ننانوے فیصد غیر مقدس ہے۔

اس لیے اچھا ہے کہ بائیبل عبرانی زبان میں رہے، وید سنسکرت میں رہے اور بدھ مت کے صحیفے پالی میں رہیں جو کہ مردہ زبانیں ہیں۔ نہ ان زبانوں کو کوئی بولتا ہے اور نہ سمجھتا ہے۔ بعض اوقات لوگ بہت فضول چیزوں کا ورد کر رہے ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ عبادت کر رہے ہیں۔

مثال کے طور پر وید جو کہ قدیم ترین مقدس تحریریں ہیں، ایسے پیراگرافوں سے بھری پڑی ہیں جو اس درجہ فضول، واہیات اور لغو ہیں کہ اگر آپ انہیں سمجھ لیں تو کبھی نہ پڑھیں۔

کچھ سوتراؤں میں یہ دعا ہے کہ "اے خدا تیرے بادل صرف میری زمین پر

برسیں۔ خاص طور پر میرے دشمن کی زمین پر نہ برسیں''۔ کیا اس میں مذہب نام کی کوئی چیز ہے؟ ایک سوترا میں ہے: ''اے خدا میری گائیوں کو زیادہ دودھ دے اور میرے ہمسائے کی گائیوں کو بنجر کر دے تاکہ وہ دودھ دینے کے قابل نہ رہ سکیں''۔ اور ان سوتراؤں کو آپ عبادت سمجھ کر پڑھتے ہیں۔

مذاہب نے یہ اس پر اصرار کیا کہ ان کتابوں کا ترجمہ عام آدمی کی زبان میں نہیں کیا جانا چاہیئے جب پرنٹنگ وجود میں آئی تو مذہب کی طرف سے ردعمل ہوا کہ ان کتابوں کو چھپنا نہیں چاہیئے کیونکہ چھپائی کا مطلب تھا کہ یہ کتابیں ہر خاص و عام تک پہنچ جائیں گی۔ اور مذہبی نمائندوں کو علم تھا کہ ان نام نہاد مذہبی تحریروں میں کیا ہے!

مقدس بائبل میں اس قدر فحش نگاری ہے کہ جو بھی اسے دیکھتا ہے اسے غیر مقدس بائبل کہنے پر مجبور ہوتا ہے۔

میڈیٹیشن کا مطلب جاگنا ہے۔ آپ کے جسم کا ایک ایک خلیہ آگاہ اور بیدار ہوتا ہے اور اسی حالت بیداری میں آپ کو پہلی مرتبہ پتہ چلتا ہے کہ آپ میں انا باقی نہیں ہے۔ 'میں' کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ آپ اور حیات کے درمیان حائل رکاوٹ گر جاتی ہے۔

پھر آپ کُل کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں اور کُل بہت بڑا ہے۔ اس کے ساتھ شامل ہونا ہی عبادت ہے۔

اسے کسی طرح بھی حاصل کیا جا سکتا ہے—— لکڑیاں کاٹتے ہوئے' کنویں سے پانی بھرتے ہوئے' کھانا پکاتے ہوئے' صفائی کرتے ہوئے' وغیرہ۔ زندگی کے تمام افعال اتنے بھرپور طریقے سے ادا کرنے چاہئیں کہ آپ کی انا غائب ہو جائے اور اچانک آپ اپنے اندر پھیلاؤ محسوس کریں۔

جب آپ اپنے شعور کا پھیلاؤ محسوس کریں تو آپ پوری کائنات بن جاتے ہیں۔ یہ بڑے سے بڑا ممکنہ وجدانی تجربہ ہے۔ روحانی تجربہ عبادت کا نتیجہ ہوتا ہے۔

حتیٰ کہ آپ کی نیند بھی عبادت بن جاتی ہے پورے دن نے آپ کو اتنا کچھ دیا

ہے کہ حیات کی گود میں آپ کی نیند ایک خاموش آرام بن جاتی ہے۔ اس طرح کام اور عبادت میں بہت فرق ہے۔ عبادت آپ کو بدل کے رکھ دے گی۔ عبادت سے آپ کو زندگی کا حقیقی تجربہ ملے گا۔ کام زیادہ سے زیادہ آپ کو روزگار مہیا کر سکتا ہے۔

وہ کام ہرگز کرنے کی ضرورت نہیں جسے آپ نہیں کرنا چاہتے۔ انسان کو تھوڑا سا باغی ہونا چاہیئے۔ اس میں انفرادیت ہونی چاہیئے۔ اسے باخبر اور ہوشیار ہونا چاہیئے تاکہ معاشرہ' مذہب اور سیاست اسے بیوقوف نہ بنا سکیں۔ خواہ آپ فقیر ہوں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آپ پھر بھی سکندر اعظم سے زیادہ خوش قسمت ہو سکتے ہیں۔ اس کی موت تو تکلیف دہ حالت میں ہوئی۔ وہ جانتا تھا کہ اس نے تقریباً پوری معلوم دنیا فتح کرنا ہے۔ مگر اسے کیا ملا؟ اس نے اپنی زندگی محض ضائع کی۔ وہ صرف تینتیس برس کی عمر میں مرا۔ اس نے زندگی بسر نہیں کی۔ اس کے پاس زندگی گزارنے کیلئے وقت نہیں تھا' محبت کیلئے وقت نہیں تھا۔ اس کے پاس گیت گانے' بانسری بجانے اور رقص کیلئے وقت کہاں تھا؟ وہ تو مسلسل معصوم لوگوں کا قتل کرتا رہا۔ محض اپنی اندھی خواہشات کی تسکین کی خاطر وہ دنیا کا فاتح بننا چاہتا تھا۔

مگر آپ کیا کرنے والے ہیں؟ اگر آپ بھی دنیا کے فاتح بن جائیں تو آپ خالی اور کھوکھلے ہو جائیں گے۔ اگر آپ کی پوری زندگی لوگوں کو قتل کرنے میں گزری ہے تو آپ محبت کرنے کے قابل نہیں رہیں گے۔ آپ خوبصورت موسیقی' ایک خوبصورت تصویر ایک خوبصورت رقص سے محظوظ نہیں ہو سکیں گے۔

میں ایک مشہور سرجن کے متعلق جانتا ہوں...... وہ میرا دوست تھا۔ وہ ریٹائر ہونے والا تھا اور اس کے دوست اور طالبعلم اسے ایک خوبصورت الوداعی پارٹی دے رہے تھے۔ وہ ناچ رہے تھے اور گا رہے تھے۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ اُداس بیٹھا تھا۔

میں اس کے پاس گیا اور اُداسی کی وجہ پوچھی کہ سب لوگ خوش ہیں تمہیں بھی خوش ہونا چاہیئے۔ اُس نے کہا: ''میں اُداس اس لیے ہوں کہ میں کبھی بھی سرجن بننا نہیں چاہتا

تھا۔ میں موسیقار بننا چاہتا تھا۔ میرے والدین نے مجھے مجبور کیا۔ میں بغاوت نہ کر سکا اور انہوں نے میری پوری زندگی برباد کر دی''۔ میں نے کہا: ''لیکن تمہارا شمار ملک کے بہترین سرجنوں میں ہوتا ہے''اس نے جواب دیا: ''اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ اگر میں موسیقار ہوتا تو میں زیادہ خوش ہوتا۔ یہ میرا اپنا فیصلہ ہوتا' میری اپنی انفرادیت ہوتی' میرا اپنا اظہار ہوتا' میرے اپنے دستخط ہوتے' مگر میں تو غلامی کرتا رہا ہوں۔ میری ساری زندگی ضائع ہو گئی اور اب مجھے نہیں لگتا کہ میں موسیقار بن سکتا ہوں یہی میری اداسی کا سبب ہے''۔

میں نے کہا: ''ابھی اتنی دیر نہیں ہوئی۔ تم ابھی بھی کئی برس جیو گے۔ ماضی کو بھلا دو اور اپنی خواہش کے مطابق زندگی کا آغاز کرو'' میں نے ایک موسیقار کا تعارف اس سرجن سے کروایا۔ وہ مزید پندرہ برس زندہ رہا اور اس نے ایک مطمئن شخص کے طور پر وفات پائی اگرچہ وہ ایک بڑا موسیقار نہ بن سکا۔

موسیقی تو عقیدت ہے' گہرا قلبی لگاؤ ہے' عبادت ہے۔ وہ موسیقی سے پیار کرتا تھا۔ اگر وہ آغاز ہی سے موسیقی کی طرف آتا تو اس کا شمار دنیا کے بہترین تخلیقی موسیقاروں میں ہوتا۔ اگرچہ وہ بوڑھا ہو چکا تھا مگر بہت خوش اور مطمئن تھا۔ اس نے مجھے کہا'' میرے پاس تمہارا شکریہ ادا کرنے کو الفاظ نہیں ہیں۔ میں تمام امیدیں کھو چکا تھا۔ تم ہی نے میری حوصلہ افزائی کی۔ کم از کم پندرہ برس میں نے اپنی مرضی کے مطابق بسر کئے۔ ان پندرہ برسوں میں متعدد مرتبہ ایسے لمحات آئے جب میں مکمل طور پر موسیقی میں کھو جاتا تھا اور وہی میری زندگی کے عظیم ترین لمحات ہوتے تھے۔ اب جبکہ میں مرنے والا ہوں میں پُرسکون ہوں''۔

عبادت کا مطلب ہے کہ آپ بہت چوکنے ہوں اور کوئی آپ کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال نہ کرے۔ آپ کو اپنا راستہ خود تلاش کرنا پڑے گا۔ اگرچہ اس میں خطرہ ہے مگر فوائد بھی بیش بہا ہیں۔

اخلاقیات

Morality

بدھوں نے اخلاقیات کا ایک بالکل مختلف تصور پیش کیا ہے۔ ان کا تصور ہے کہ حقیقی اخلاقیات ضمیر سے نہیں بلکہ آگاہی سے جنم لیتی ہے۔ زیادہ آگہی حاصل کر لیں تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کا سُر حیات کے سُر کے ساتھ مل گیا ہے۔ بعض اوقات آپ معاشرے سے ہم آہنگ ہو سکتے ہیں اور بعض اوقات نہیں کیونکہ معاشرہ خود حیات سے ہم آہنگ نہیں ہوتا۔ جب کبھی معاشرہ حیات سے ہم آہنگ ہوگا آپ بھی معاشرے سے ہم آہنگ ہوں گے۔ اور جب معاشرہ حیات سے ہم آہنگ نہیں ہے تو آپ بھی معاشرے سے ہم آہنگ نہیں ہوں گے۔

مگر حقیقی اخلاقی آدمی کبھی پرواہ نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ وہ اپنی زندگی داؤ پر لگانے کو تیار ہوتا ہے۔ سقراط اور عیسیٰ نے ایسا کیا' بدھا بھی ہر وقت خطرے میں تھا۔ ایسا ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے اندر کی روشنی کے مطابق جیتے رہے ہیں۔ اگر معاشرہ اُن کے مطابق ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اس سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ معاشرے کو اپنے آپ کو بدلنا ہوگا۔ سقراط اپنے آپ کو نہیں بدلے گا۔ عیسیٰ اپنے آپ کو ہجوم کے مطابق نہیں ڈھالے گا۔ مجمع تو اندھے لوگوں پر مشتمل ہے جو خواب خرگوش میں مست ہے۔ وہ تو اپنے آپ سے بھی آگاہ نہیں ہیں۔ ان کی پیروی کرنا تو حد درجہ احمقانہ بات ہے۔

کیا آپ کے ذہن میں اس بات کا کوئی تصور ہے کہ غلط کیا ہے؟ کیونکہ ایک کلچر میں جو غلط ہے وہ دوسرے میں صحیح ہے۔ جو بات ایک صدی میں غلط ہے دوسری میں صحیح ہو

جاتی ہے۔ جو آج درست ہے ضروری نہیں ہے کہ وہ کل بھی درست ہو۔ زندگی تو ایسا ہی سیلان ہے۔ ایک مستقل بہاؤ ہے جو اپنی سمتیں تبدیل کرتا رہتا ہے۔ اور سمندر کی طرف بغیر کسی رہنمائی اور نقشے کے بڑھتا رہتا ہے۔

چین کے شہنشاہ نے لاؤزے کو سپریم کورٹ کا چیف جسٹس بنا دیا۔ لاؤزے نے بادشاہ کو باز رکھنے کی کافی کوشش کی: ''اگر آپ نے مجھے چیف جسٹس بنایا تو آپ پچھتائیں گے کیونکہ اشیاء کو دیکھنے، پرکھنے اور سمجھنے کے میرے طریقے آپ کے طریقوں سے بالکل مختلف ہیں''۔ مگر بادشاہ مُصر رہا کیونکہ اس نے لاؤزے کی دانائی کے متعلق بہت کچھ سُن رکھا تھا۔

پہلے ہی روز اس کے پاس جو مقدمہ آیا وہ ایسے فرد سے متعلق تھا جو ایک امیر آدمی کے گھر سے چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ گواہ موجود تھے، چور نے اعتراف جرم کر لیا تھا۔ لاؤزے نے اپنا مشہور فیصلہ سنایا جو حکمت سے بھرپور ہے۔ ایسا فیصلہ نہ اس سے پہلے کبھی ہوا نہ بعد میں۔ فیصلہ یہ تھا کہ چور جیل میں چھ ماہ کیلئے جائے گا اور اس کے ساتھ ہی وہ امیر آدمی بھی چھ ماہ کیلئے جیل جائے گا۔ تمام لوگ یہ فیصلہ سن کر ششدر رہ گئے۔

اس امیر آدمی کا کیا قصور ہے؟ لاؤزے نے امیر آدمی سے کہا: ''اصل مجرم تم ہو۔ چور کی حیثیت ثانوی ہے۔ اصولاً تمہاری سزا ایک سال ہونی چاہیئے مگر میں رعایت سے کام لے رہا ہوں۔ تم نے بہت دولت جمع کر رکھی ہے۔ تمہاری وجہ سے ہزاروں افراد بھوک اور افلاس کا شکار ہو رہے ہیں۔ سب سے زیادہ استحصال کرنے والے تو تم خود ہو۔ یہ آدمی پیسہ چرا نہیں رہا تھا بلکہ اپنا حق لے رہا تھا۔ بڑے چور تو تم ہو''۔

امیر آدمی نے بادشاہ سے کہا: جلد یا بدیر تم بھی میرے ساتھ جیل آؤ گے کیونکہ سب سے زیادہ دولت مند اور استحصال کرنے والے تو تم خود ہو...... لاؤزے کو چیف جسٹس کے عہدے سے ہٹا دیا گیا۔

غلط کیا ہے؟ اس کی تعریف کون کرے گا؟ جینیوں کے نزدیک تشدد غلط ہے۔ ان کے نزدیک کوئی بھی ایسا فعل جس سے زندگی برباد ہو گناہ ہے۔ لیکن ہندوؤں، مسلمانوں، عیسائیوں کے لئے تشدد ایک طرزِ زندگی ہے۔

محض اپنی خوراک کیلئے تم نے کتنی جانوں کو ختم کیا ہے اور کبھی سوچا بھی نہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ کیا انسانیت کبھی اس تاریکی سے باہر آ سکے گی؟

عیسائیوں کے نزدیک الکوحل کے استعمال میں کوئی برائی نہیں ہے۔ صدیوں سے ہندوؤں کے نام نہاد بزرگ نشہ آور اشیاء مثلاً حشیش، مری جونا وغیرہ استعمال کرتے آئے ہیں۔ اور لوگ ان بزرگوں کی پرستش کرتے آئے ہیں۔ یہ بھی نہیں سوچتے کہ جو شخص نشہ کرتا ہو وہ ولی کیسے ہو سکتا ہے۔

ایسا ہی معاملہ ہر چیز کے ساتھ ہے۔ غلط اور صحیح کا فیصلہ کون کرے گا؟

پہلی چیز جو میرے لیے اہمیت کی حامل ہے وہ یہ ہے کہ آپ اپنے بارے میں کیسے فیصلہ کریں گے۔ دوسروں کے متعلق پریشان مت ہوں۔ ان کا مسئلہ ان کے ساتھ ہے۔ انہیں مت پرکھیں۔ لیکن آپ کے اپنے لیے کون سی کسوٹی ہے؟ کیا اصول ہیں؟

کسی دھرم سے بھی آپ کو کوئی کسوٹی نہیں ملی۔ دھرم نے آپ کو دوسروں کو جانچنے کے اٹل تصورات اور خیالات تو ضرور دیتے ہیں۔ مگر زندگی کوئی لگی بندھی شے نہیں ہے۔ دھرم کے نمائندوں نے آپ کو کبھی یہ نہیں بتایا کہ وہ صحیح اور غلط کے بارے میں نتائج پر کیسے پہنچے ہیں۔

تمام روایات اندھی ہیں۔ ہر روایتی انسان بیمار ہوتا ہے کیونکہ وہ فہم سے عاری ہوتا ہے۔

میں آپ کو صحیح اور غلط کے بارے میں نہیں بتاؤں گا۔ میں آپ کو ایک کسوٹی دے رہا ہوں جس پر آپ صحیح اور غلط کو پرکھ سکتے ہیں۔ ہزاروں برسوں سے یہ چیز اوجھل رہی ہے کیونکہ فلسفیوں اور عالموں کی نظر سادہ چیزوں پر نہیں پڑتی۔ وہ خیالی جنت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔

میں اس سے متعلق نہیں ہوں کہ مرنے کے بعد آپ کو کیا پیش آئے گا۔ میرا تعلق اس سے ہے کہ آپ کے شعور کے ساتھ اس وقت کیا ہو رہا ہے۔ آپ کی آگہی اور شعور وہ روشنیاں ہیں جو صحیح اور غلط میں تمیز کر سکتی ہے۔

(ہر وہ چیز جو آپ کو زیادہ ہوشیار، زیادہ آگاہ، زیادہ پُرسکون، زیادہ خاموش، زیادہ پُر مسرت بنا دے اچھی ہے۔ اور کوئی بھی وہ چیز یا تجربہ جو آپ کو بے خبر، حاسد، غصیلا اور تخریبی بنا دے غلط ہے۔)

صحیح اور غلط کے بارے میں مردہ ذرائع سے کیوں رابطہ کیا جائے جبکہ زندہ ذریعہ تو آپ کے اپنے اندر ہے۔ دنیا میں صرف آپ ہی واحد صحیفہ ہیں۔ صرف اپنے شعور کی آواز پر توجہ کریں۔ اپنے احساس کی گیلی خوشبو کو محسوس کریں۔

(جو چیز آپ کو آپ کی صلاحیتوں کی تکمیل میں مدد کرے، اچھی ہے۔) یہ نہ صرف آپ کیلئے رحمت ہے بلکہ پوری حیات کیلئے بھی۔ کوئی بھی فرد جزیرہ نہیں ہے۔ ہم تمام ایک لامتناہی براعظم ہیں جو آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ ہماری شاخیں مختلف ہو سکتی ہیں مگر ہم سب کی جڑ ایک ہی ہے۔

(اپنی صلاحیت کو پہچاننا سب سے بڑی اخلاقیات ہے۔ اپنی صلاحیت کو کھو دینا سب سے بڑی برائی اور گناہ ہے۔)

(پورا قانونی نظام معاشرے کے انتقام کے سوا کچھ بھی نہیں ہے ---- ان لوگوں کے خلاف انتقام جو اس نظام میں ٹھیک نہیں بیٹھتے۔ میرے نزدیک قانون حق کے تحفظ کیلئے نہیں ہے۔ یہ ہجوم کے ذہن کی حفاظت کیلئے ہے خواہ وہ حق پر ہو یا نہ ہو۔ قانون فرد کے خلاف اور ہجوم کے حق میں ہے۔ یہ فرد اور اس کی آزادی کو کم کرنے اور اس کی انفرادیت کو ختم کرنے کی کوشش ہے۔)

جدید سائنسی تحقیق بہت کچھ سامنے لے کر آئی ہے۔ جن لوگوں کو مجرم کہا جاتا ہے وہ اپنے جرائم کیلئے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ان کے جرائم جینیاتی ہیں۔ وہ انہیں وراثت میں ملتے ہیں۔ جیسے ایک نابینا فرد اپنے نابیناپن کا ذمہ دار نہیں ہے اسی طرح ایک قاتل بھی اپنے قتل کا ذمہ دار نہیں ہے۔ تمام مجرم بیمار ہیں۔ نفسیاتی لحاظ سے بھی اور روحانی لحاظ سے بھی۔

(میرے خیال میں عدالتوں میں قانونی ماہرین کی بجائے جینیات کے ماہرین ہونے چاہئیں۔ وہ سزا نہیں سُنائیں گے کیونکہ ہر سزا بھی ایک جرم ہے۔ جس شخص نے بھی کوئی غلط کام کیا ہے اسے کسی صحیح ادارے مثلاً ہسپتال، نفسیاتی کلینک وغیرہ میں بھیجنے کی ضرورت ہے۔ صدیوں سے ہم بجائے محبت اور ہمدردی کے سزا دیتے آئے ہیں۔ انسان قانون، انصاف، نظم وضبط جیسے خوبصورت الفاظ استعمال کر کے ظلم کرتا آیا ہے۔)

نئے انسان کے دور میں جیل، قانونی ماہرین اور جج نہیں ہوں گے۔ ان کی بجائے ہمدرد سائنس دان، مدّبر اور مہربان افراد ہوں گے جو یہ غور کریں گے کہ ایک شخص زنا کا مرتکب کیوں ہوا؟ کیا وہ واقعی اس فعل کا ذمہ دار ہے؟ میرے نزدیک وہ بالکل بھی ذمہ دار نہیں ہے۔ یا تو اس نے پادریوں اور تجرد کی مذہبی تعلیمات کے نتیجے میں ایسا کیا ہے اور یہ جذبات کو دبانے کا نتیجہ ہے۔ یا اس کے ہارمونز کی زیادتی نے اسے زنا پر مجبور کیا ہے۔

اگرچہ آپ جدید معاشرے میں جی رہے ہیں مگر آپ اس بات سے آگاہ نہیں کہ سائنس دریافتیں کرتی جا رہی ہے۔ آپ کا تعلیمی نظام، آپ کا مذہب، آپ کی حکومت آپ کو آگہی حاصل کرنے اور شعور حاصل کرنے سے باز رکھتے ہیں۔

ایک آدمی عورت میں کشش محسوس کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ محبت میں گرفتار ہے۔ عورت بھی ایسا ہی سوچتی ہے۔ مگر سائنسی حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کے جذبات کے پیچھے کچھ بیالوجیکل محرکات ہیں۔ کچھ ہارمونز کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہارمون کے نظام کو بدلنے سے ایک فرد کی جنس کو اس کی مخالف جنس میں بدلا جا سکتا ہے۔

اگر آپ کو ہارمون کا ایک انجکشن لگا دیا جائے تو آپ محبت سے بھرپور ہو جائیں گے۔ جو شخص زنا کا ارتکاب کرتا ہے ممکن ہے کہ اس میں ہارمونز کی زیادتی ہو۔ ایک معمولی سرجری کے ذریعے فالتو ہارمونز کو نکالا جا سکتا ہے اور وہ گوتم بدھا بن جائے گا۔ اس طرح یہ اخلاق کا نہیں بلکہ خالصتاً بیالوجیکل اور جینیاتی مسئلہ ہے۔ مجرموں کو سزا دینا بہت حماقت ہے کیونکہ سزا دینے سے آپ کسی کے ہارمونز تبدیل نہیں کر سکتے۔

آپ کی عدالتیں اور قانون وحشی ہیں۔ سزا کا تصور ہی غیر سائنسی ہے۔ دنیا میں کوئی شخص بھی مجرم نہیں ہے۔ ہر شخص بیمار ہے۔ صرف ہمدردی اور سائنسی علاج سے آدھے جرائم ختم ہو جائیں گے۔ سب سے پہلے تو نجی ملکیت کے خاتمے سے چوروں، ڈاکوؤں، جیب کتروں، سیاست دانوں، پادریوں کا خاتمہ ہو جائیگا۔

انسان بہت سی بیماریوں میں مبتلا ہے اور المیہ یہ ہے کہ وہ ان بیماریوں سے بے خبر ہے۔ وہ چھوٹے مجرموں کو سزا دیتا آیا ہے اور بڑے مجرموں کی پرستش۔ سکندرِ اعظم کون ہے؟----- ایک بڑا مجرم۔ اس نے بڑی تعداد میں قتل عام کیا۔ اکیلے ہٹلر نے لاکھوں لوگوں کا خون کیا مگر تاریخ میں اُسے ایک عظیم رہنما کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔

تاریخ میں آپ کن لوگوں کو پڑھتے ہیں؟----- نپولین، آئیوان، نادر شاہ، چنگیز خان، تیمور لنگ۔ ان لوگوں کے جرائم اتنے گھناؤنے ہیں کہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے...... انہوں نے لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے، لوگوں کو زندہ جلایا ہے مگر انہیں مجرم تصور نہیں کیا جاتا۔ اور ایک چھوٹا جیب کترا جو آپ کی جیب سے دو روپے چراتا ہے عدالت سے سزا حاصل کرتا ہے۔ اور ممکن ہے یہ روپے اس نے اپنی مرتی ہوئی ماں کی دوائی خریدنے کے لیے استعمال کرنے ہوں۔ میں تو اُسے مجرم نہیں کہہ سکتا۔ وہ تو اپنی ماں سے محبت کرنے والا ایک رحم دل انسان ہے۔

نجی ملکیت کے خاتمے کے بعد چوری خود بخود ختم ہو جائے گی۔ نیا انسان بغیر کسی قانون اور نظم وضبط کے رہے گا۔ محبت اُس کا قانون ہو گی اور ہر مشکل صورتِ حال میں سائنس اس کی پناہ گاہ۔

چوتھا حصہ

چیلنجز اور امکانات

Challenges and Opportunities

چیلنجز اور امکانات

Challenges and Opportunities

ایک انقلاب کے سوا تمام انقلابات ناکام ہو چکے ہیں۔ مگر اس ایک انقلاب کا تجربہ کبھی نہیں کیا گیا۔ وہ انقلاب جسے کبھی نہیں آزمایا گیا مذہب ہے۔

اسے کیوں نہیں آزمایا گیا؟ درحقیقت یہی وہ حقیقی انقلاب ہے جو ممکن ہے۔ کیونکہ اس میں پوری دنیا بدلنے کی طاقت ہے اسی لیے اس انقلاب کا تجربہ نہیں کیا گیا۔ لوگ تبدیلی کے متعلق، انقلاب کے متعلق محض بات کرنا چاہتے ہیں۔ وہ لفظوں کی جگالی کرتے ہیں، فلسفیانہ موشگافیاں کرتے ہیں مگر حقیقی انقلاب نہیں لانا چاہتے۔ وہ اپنے ماضی سے چمٹے رہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اب تک حقیقی کو نظرانداز کر کے غیر حقیقی کا تجربہ کیا گیا ہے۔ سیاسی، سماجی اور معاشی انقلابات کے تجربات کیے گئے ہیں کیونکہ اپنے باطن میں انسان جانتا ہے کہ ان انقلابات کا مقدر ناکامی ہے۔ اس طرح وہ ایک انقلابی ہونے سے بھی لطف اندوز ہوسکتا ہے اور ساتھ ہی اپنے ماضی کو بھی سینے سے لگائے پھر سکتا ہے۔ اس طرح وہ ہر لحاظ سے محفوظ ہے۔

اب تک جتنے نام نہاد انقلابات رونما ہو چکے ہیں اصل میں حقیقی انقلاب سے بچنے کیلئے لائے گئے ہیں۔ یہ بات آپ کو بہت عجیب معلوم ہوگی۔ آپ کے تمام انقلابی فرار کا راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ حقیقی انقلاب سے بچنے کیلئے جھوٹے اور جعلی انقلابات

لاتے رہے ہیں۔

یہ ایک بنیادی حقیقت ہے کہ فرد کو بدلے بغیر معاشرے کو نہیں بدلا جا سکتا۔ اس بات سے کوئی مفر نہیں۔ معاشرے کا کوئی وجود نہیں۔ یہ مجرد ہے البتہ فرد کا وجود ہے۔ معاشرہ محض ایک تصور ہے جبکہ فرد حقیقت ہے۔

آپ کا سامنا ایک جیتے جاگتے انسان سے ہوتا ہے معاشرے سے نہیں۔ معاشرہ ایک مردہ لفظ ہے۔ یہ ایک علامت ہے۔ علامت کے بدل جانے سے کسی چیز میں تبدیلی نہیں آتی۔ آپ کو اصل مادہ بدلنا پڑے گا۔ جب تک فرد کو نہیں بدلا جاتا آپ کوئی تبدیلی نہیں لا سکتے۔ آپ صرف امید رکھ سکتے ہیں، توقع کر سکتے ہیں، تصور کر سکتے ہیں، خواب دیکھ سکتے ہیں۔ یہ خواب بڑے سکون آور ہوتے ہیں اور آپ کو سلائے رکھتے ہیں۔ خوابوں پر جدید تحقیق سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ ان کا مقصد ہمیں سلائے رکھنا ہے۔

رات کو سوتے وقت آپ کو پیاس لگتی ہے اور آپ خواب میں دیکھتے ہیں کہ آپ فریج کی طرف جا رہے ہیں اور پانی پینا شروع کر رہے ہیں۔ آپ کی نیند میں خلل نہیں پڑتا۔ اگر آپ خواب میں پانی نہ پیتے تو آپ جاگ چکے ہوتے۔

یہی کام آپ کے دیگر خواب بھی کرتے ہیں کہ ایک دن معاشرے سے طبقاتیت کا خاتمہ ہو جائے گا، کہ ایک دن دنیا کے تمام مسائل ختم ہو جائیں گے، کہ ایک دن دنیا جنت کا نمونہ بن جائے گی۔ یہ تمام خوشنما خواب ہیں۔ ان سے بہت سکون ملتا ہے یہ زخموں پر مرہم کی مانند ہیں۔

پانچ ہزار سال سے انسان اسی انداز سے سوچتا آیا ہے کہ جلد یا بدیر چیزیں درست ہو جائیں گی، کہ ظلم کی اندھیری رات ختم ہو جائے گی مگر یہ رات جاری ہے۔ معاشرہ بدلتا رہتا ہے۔ حقیقت میں کچھ بھی نہیں بدلتا۔ غلامی اور استحصال کی صرف شکل بدلتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ صرف مذہب ہی انقلاب ہے کیونکہ یہ انسان کو بدلتا ہے۔ یہ انسان کے شعور کو بدل دیتا ہے، اس کے دل کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ مذہب کا انحصار فرد پر ہے

کیونکہ فرد ہی حقیقت ہے۔ اگر فرد مختلف ہوگا تو آپ کا معاشرہ اور دنیا مختلف ہوں گے۔ آپ ظاہر کی تبدیلی سے باطن نہیں بدل سکتے ہیں۔ مگر باطن کی تبدیلی سے ظاہر کو بدلا جا سکتا ہے۔ آپ کو انسان کے اندر دور تک جھانکنا ہوگا کہ یہ تشدد کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟ یہ استحصال کہاں سے آتا ہے؟...... یہ تمام لاشعور میں پیدا ہوئے ہیں۔ انسان پر غلبہ نیند ہے وہ میکانکی انداز سے رہتا ہے۔ اس میکانزم کو توڑنے کی ضرورت ہے۔ انسان کو از سرِ نو تخلیق کرنے کی ضرورت ہے یہی وہ مذہبی انقلاب ہے جو کبھی رونما نہیں ہوا۔

آپ کہیں گے کہ پھر ان تمام مذاہب کے بارے میں کیا خیال ہے؟
—— عیسائیت، ہندومت، وغیرہ۔ یہ تمام بھی حقیقت سے فرار کیلئے ہیں۔

جب کوئی عیسیٰ دنیا میں آتا ہے تو حقیقت ساتھ لے کر آتا ہے۔ وہ فرد کو بدلنا چاہتا ہے۔ عیسیٰ اس پر مصر رہتا ہے کہ خدا کی سلطنت آپ کے اندر ہے۔ جب تک تمہاری پیدائش دوبارہ نہیں ہو جاتی کچھ بھی نہیں ہوگا۔ وہ لوگوں سے کہتا رہا کہ تمہارے اندرون کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ اور اسے اس وقت بدلا جا سکتا ہے جب تم زیادہ باشعور ہوں اور زیادہ پیار کرنے والے ہوں۔ یہ دو چیزیں یعنی محبت اور آگہی آپ کے اندر کی کیمیا کو بدل کر رکھ دے گی۔

عیسیٰ کو سولی پر لٹکا دیا جاتا ہے کیونکہ ہم ایسے خطرناک افراد کو زمین پر رہنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ یہ لوگ ہمیں سونے نہیں دیتے۔ یہ ہمیں جھنجھوڑتے رہتے ہیں۔ ہمیں جگاتے رہتے ہیں اور ہم تو بڑے سہانے سپنے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ یہ چلاتے رہتے ہیں۔ عیسیٰ اور سقراط کی موجودگی بہت ناگوار رہی ہے۔ کیونکہ ان کی وجہ سے ہماری نیند میں خلل واقع ہوتا ہے۔ سقراط خواہ مخواہ دوسروں کے کاموں میں مداخلت کرتا رہتا تھا اور بلاوجہ بولتا رہتا تھا۔ اسے زہر ہی دینا چاہیئے تھا۔

خواہ آپ عیسیٰ کو سولی پر لٹکا دیں یا سقراط کو زہر دیں یا بدھا کی پوجا کریں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ تمام ایک جیسے افعال ہیں۔ پرستش کرنا بھی ایک فرار کا مہذب راستہ

ہے۔ اگر عیسیٰ ہندوستان میں پیدا ہوتے تو انہیں سولی پر نہ لٹکایا جاتا۔ ہندوستانی برباد اور تباہ کرنے کے بہت سے طریقے جانتے ہیں۔ وہ اس کو پوجنا شروع کر دیتے۔ وہ کہتے ''تم اوتار ہو۔ تم خدا ہو جو زمین پر اتر آیا ہے۔ ہم ہمیشہ تمہاری عبادت کریں گے مگر تمہاری کوئی بات نہیں مانیں گے۔ بھلا ہم تمہاری پیروی کیسے کر سکتے ہیں؟ ہم ٹھہرے ادنیٰ، فانی اور تم ماورا سے آئے ہو۔ ہم تمہارے پاؤں چھوئیں گے۔ اور تمہاری پوجا کریں گے مگر ہمیں تبدیلی کے بارے میں مت بتاؤ۔ ہم عام انسان ہیں اور تم ماورائے انسان ہو۔ ہم گناہ گار ہیں اور تم نے دیدارِ الٰہی کیا ہوا ہے''۔

یہ بھی مغلوب کرنے کا ایک طریقہ ہے جو زیادہ عیارانہ اور مہذب ہے۔ مگر نتیجہ وہی ہے۔ عیسائی وہ نہیں ہیں جو عیسیٰ کی خواہش تھی۔ ہندو کرشن کی خواہش کے مطابق نہیں ہیں۔ بدھ مت کے پیروکار بدھا کی تعلیمات کے مطابق نہیں ہیں۔

مذہب کا تجربہ کبھی نہیں کیا گیا۔ کہیں کہیں کچھ مذہبی افراد رہے ہیں۔ مگر مذہب کہیں نہیں رہا۔ اسے ہمارے لاشعور کو، جو کہ تمام مسائل پیدا کر رہا ہے، تبدیل کرنے کا کبھی موقع نہیں دیا گیا۔

عیسائیت، ہندومت، بدھ مت، جین مت، یہ حقیقی مذاہب نہیں ہیں۔ عیسیٰ حقیقی ہے مگر عیسائیت جھوٹی، بدھا ٹھیک ہے مگر بدھ مت غلط۔ ہم نے اپنی ضرورت اور اپنے تعصب کے مطابق بدھ مت گھڑا ہے۔ ہم نے بدھا کو ایک دیومالائی کردار بنا دیا۔ بدھا اور عیسیٰ کے ساتھ جو داستانیں منسوب ہیں وہ جھوٹ ہیں۔ حقیقی فرد کہیں غائب ہو گیا ہے۔ ہم نے ان کے گرد اتنی گرد جمع کر دی ہے کہ اصل آدمی نظر نہیں آ رہا۔

پیغام بالکل سادہ ہے۔ پیغام یہ نہیں ہے کہ آپ عیسیٰ یا بدھا کو پوجنا شروع کر دیں۔ پیغام یہ ہے کہ آپ خود عیسیٰ اور بدھا بن جائیں۔ عیسائی مت بنیں بلکہ عیسیٰ بن جائیں۔ کسی چرچ میں عیسیٰ نہیں ہے البتہ وہ آپ کے دل میں سما سکتا ہے۔ کیونکہ انسانی دل کی وسعت لامحدود ہے اگر آپ نے بدھا کو سمجھ لیا ہے تو آپ اپنے آپ سے عقیدت رکھیں

گے۔ اگر آپ نے عیسیٰ کو سمجھ لیا ہے تو اپنے اندر جھانکیں۔ آپ کو وہاں عیسیٰ ملے گا۔ وہ باہر نہیں آپ کے اندر موجود ہے۔ اگر دنیا میں حقیقی مذہب ہوتا تو مذہب کی بجائے مذہبیت ہوتی۔ مگر اب اس کا وقت آن پہنچا ہے۔ اگر کسی چیز کا وقت آ جائے تو اس کا راستہ کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

انسان اب عہدِ طفولیت سے آگے گزر چکا ہے۔ بے چینی کی یہی وجہ ہے۔ اب تمام پرانے دھرم غیر متعلق محسوس ہو رہے ہیں۔ لوگ دھرم چھوڑ رہے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ وہ دھرم کو پسند نہیں کرتے بلکہ اس لیے کہ پرانے دھرم سے اب کوئی مطمئن نہیں ہوتا۔ لوگ خدا کے بغیر جی رہے ہیں، اس لیے نہیں کہ خدا مر چکا ہے، بلکہ اس لیے کہ پرانے خدا فرسودہ ہو چکے ہیں۔ نئی دنیا کو خدا کے نئے تصور کی ضرورت ہے۔ ایک نئے معبد کی ضرورت ہے۔

انسان کو اس وقت ایک نئی شریعت اور ایک نئی بائبل درکار ہے۔ اور اس بائبل کے بارے میں نئی چیز یہ ہوگی کہ یہ کتاب کی شکل میں نہیں ہوگی اور نہ کوئی چرچ ہوگا۔ نئی بائبل ایک حقیقت ہوگی۔ نئے انسان کو عیسائی، ہندو بننے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ وہ صرف مذہبی ہوگا۔ مذہبیت ایک طرزِ زندگی بن سکتی ہے۔ مذہبی شخص کو آگہی ہوگی۔ اس کا عمل غیر مذہبی انسان سے مختلف ہوگا۔ اس کے عمل کا سرچشمہ محبت ہوگا۔ میں یہ بات وثوق سے کہہ رہا ہوں کہ اب نئے دور کا وقت آ پہنچا ہے۔ تاریخ میں ایسا لمحہ پہلے کبھی نہیں آیا۔ انسان اپنے ماضی سے پہلے کبھی اتنا نہیں کٹا۔ انسان اپنے تصورات اور نظریات سے اتنا کبھی نہیں اُکتایا۔ یہ مثبت علامت ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک کوانٹمی جست کا امکان ہے۔ مذہب کو آزمایا جا سکتا ہے کیونکہ روحِ عصر مذہب قبول کرنے کو تیار ہے۔

اب تک انسان عہدِ طفولیت میں تھا۔ خدا اس کیلئے باپ یا ماں کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ ایک بچے کا تصور تھا۔ بچہ باپ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بچے کو تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے ہر وقت دستِ شفقت چاہیئے۔ دو ہاتھ بھی ناکافی ہیں اس لیے ہندوؤں کے مطابق ہمارے تحفظ کیلئے خدا کے ایک ہزار ہاتھ ہیں۔ اس سے خوف کا اندازہ لگایا جا سکتا

ہے۔ اب انسان خوف میں مبتلا نہیں ہے۔ اب اسے تحفظ کی ضرورت نہیں ہے اس کے برعکس وہ مہم جو بننا چاہتا ہے اس میں خطرے مول لینے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔

چاند تک پہنچنا مہم جوئی کے سوا کچھ نہیں۔ ایورسٹ کی چوٹی تک پہنچنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ وہاں کچھ نہیں ہے نہ آپ وہاں رہ سکتے ہیں۔ ہر سطح اور سمت میں اس مہم جوئی کا اظہار ہو رہا ہے۔ انسان عدم تحفظ میں جانا چاہتا ہے اسی لیے میں کہتا ہوں کہ روح عصر تیار ہے۔ اب ہم ایسے خدا کی تلاش میں نکل سکتے ہیں جس کی شبیہہ باپ سے نہ ملتی ہو۔ اب ہم خدا کی سچائی دریافت کرنے کو تیار ہیں اور اس سچائی کو صرف آگہی کی سچائی کے ذریعے سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔ جتنے زیادہ آپ آگاہ اور باشعور ہوں گے آپ کے سامنے اتنے ہی زیادہ حقائق ہوں گے۔ جب آپ سب سے بلند چوٹی 'سمادھی' تک پہنچ جائیں گے تو آپ کو ہر چیز واضح نظر آئے گی آپ کو ہر مطلوبہ شئے مل جائے گی۔ اور خدا کلیت میں ظاہر ہوگا۔

روحانیت' ہاسد ازم' زین' یہ وہ اعلیٰ ترین مذاہب ہیں جو اب تک موجود رہے ہیں۔ اسلام ایک عوامی تحریک ہے جبکہ روحانیت (تصوف) کچھ جرات مند لوگوں کی تلاش ہوتی ہے۔ بدھ مت عوامی تحریک ہے جبکہ زین (Zen) کچھ مہم جوؤں کے حصہ میں آتا ہے جو محفوظ کو چھوڑ کر غیر محفوظ اختیار کر سکتے ہیں۔

اب وقت آ گیا ہے کہ ان سب کو ایک جگہ جمع کیا جائے جو تصوف زین' ہاسد ازم' تنترا' یوگا میں بہترین ہے۔ اس طرح دنیا میں مذہبی فضا پیدا ہو سکتی ہے۔ اس سے مذہب کو آزمانے کا ایک موقع مل سکتا ہے۔ مذہبی انقلاب رونما ہو سکتا ہے۔ انسان نے بہت دکھ اُٹھا لیے ہیں۔ اس کے ذمہ دار سرمایہ دار نہیں ہیں ورنہ سوشلزم سے مسئلہ حل ہو چکا ہوتا۔ انسان کو باہر سے خطرہ نہیں ہے۔ انسان کی مصیبت خود اس کی اپنی پیدا کردہ ہے۔ اس لیے انسان کی بنیاد کو بدلنے کی ضرورت ہے اور اس کام کا یہی مناسب وقت ہے۔

تعلیم

Education

انسان بطور ایک بیج کے پیدا ہوتا ہے۔ وہ بہت سے امکانات کا مجموعہ ہوتا ہے وہ بطور حقیقت کے پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ بات انتہائی اہم ہے کیونکہ پوری حیات میں صرف انسان ہی بطور امکان پیدا ہوتا ہے دیگر حیوان بطور حقیقت پیدا ہوتے ہیں۔

ایک کتا ایک کتے کے طور پر ہی پیدا ہوتا ہے اور ساری زندگی وہ ویسا ہی رہتا ہے۔ مگر انسان ایک انسان کے طور پر پیدا نہیں ہوتا۔ انسان ایک بیج ہوتا ہے۔ وہ توانا درخت بن سکتا ہے اور ممکن ہے کہ نہ بھی بنے۔ انسان کا ایک مستقبل ہے۔ کسی دوسرے جانور کا مستقبل نہیں ہے۔ تمام جانور جبلی طور پر مکمل پیدا ہوتے ہیں صرف انسان ہی نامکمل جانور ہے۔ اسی لیے اس میں نشوونما اور ارتقا ممکن ہیں۔

تعلیم اس امکان اور حقیقت کے درمیان پُل کا کام کرتی ہے۔ تعلیم آپ کو وہ بننے میں مدد دیتی ہے جو کہ آپ واقعی ہیں۔ جو چیز ہمارے سکولوں' کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دی جا رہی ہے اس کا تعلیم سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔ یہ آپ کو ایک اچھی ملازمت حاصل کرنے کیلئے تیار کرتی ہے۔ یہ آپ کو زندگی نہیں دیتی۔ ممکن ہے اس سے آپ کے معیارِ بودوباش (standard of living) میں بہتری آ جائے مگر معیار بودوباش معیار زندگی (Standard of life) نہیں ہے۔ یہ دونوں ہم معنی نہیں ہیں۔

یہ نام نہاد تعلیم جو دنیا میں اس وقت رائج ہے آپ کو صرف معاش کمانے کیلئے تیار

کرتی ہے۔ عیسیٰ نے کہا ''انسان صرف روٹی کے سہارے نہیں جی سکتا'' اور ہماری یونیورسٹیاں آپ کو کم سے کم محنت اور کوشش سے زیادہ سے زیادہ روٹیاں اکٹھی کرنے کیلئے تیار کرتی ہیں۔ یہ بہت قدیم طرز کی تعلیم ہے۔ یہ آپ کو زندگی کیلئے تیار نہیں کرتی۔

اس لیے آپ کو اپنے اردگرد بہت سے روبوٹ ملیں گے۔ وہ بہترین کلرک، اسٹیشن ماسٹر اور ڈپٹی کمشنر ہوں گے۔ اگر آپ ان کے اندر جھانک کر دیکھیں تو وہ بھکاری کے سوا کچھ بھی نہیں۔ انہوں نے زندگی کے دسترخوان سے ایک لقمہ بھی نہیں چکھا۔ انہیں نہیں معلوم کہ زندگی کیا ہے؟ محبت کیا ہے؟ روشنی کیا ہے؟ انہیں خدا کے بارے میں کچھ نہیں پتہ، انہیں گیت گانا اور رقص کرنا نہیں آتا۔ خوشی سے ان کا دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔ وہ زندگی کی گرائمر سے ناواقف ہیں۔ وہ انتہائی احمق ہیں۔ ہاں وہ دولت کماتے ہیں مگر اپنے نہاں خانے میں وہ خالی ہوتے ہیں، مفلس ہوتے ہیں۔

تعلیم آپ کو باطنی طور پر تونگر بناتی ہے، یہ آپ کو محض زیادہ سے زیادہ باخبر نہیں بناتی۔ یہ تعلیم کا بہت ابتدائی تصور ہے۔ میں اسے ابتدائی یا قدیم اس لیے کہتا ہوں کہ اس کی جڑیں خوف میں پیوست ہیں یعنی ''اگر میں اعلیٰ تعلیم یافتہ نہ ہوا تو میری بقاء مشکل ہو جائے گی''۔ یہ ہمیں مقابلے والی دنیا کیلئے تیار کرتی ہے جہاں ہر فرد تمام افراد کا دشمن ہے۔

اس لیے دنیا ایک پاگل خانہ بن گئی ہے۔ ایسی دنیا میں محبت کا کوئی امکان نہیں۔ ایک ایسی مسابقتی اور متشدد دنیا میں محبت کیسے پنپ سکتی ہے جہاں ایک شخص دوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار ہے۔ یہ سب کچھ بہت قدیم ہے کیونکہ اس کی بنیاد خوف پر ہے کہ ''اگر میری تعلیم اچھی نہ ہوئی، اگر میرے پاس زیادہ وہ معلومات نہ ہوئیں تو زندگی کی دوڑ میں مَیں پیچھے رہ جاؤں گا''۔ زندگی کو صرف بطور ایک جدوجہد لیا جاتا ہے۔

تعلیم کے بارے میں میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ زندگی کو بطور بقاء کی جنگ کے نہیں لینا چاہیئے۔ زندگی کو بطور ایک جشن کے لینا چاہیئے۔ زندگی کو محض ایک مقابلہ نہیں بلکہ ایک خوشی بھی ہونا چاہیئے۔

تعلیم آپ کو آپ کی ذات دریافت کرنے میں رہنمائی کرتی ہے۔ مگر موجودہ تعلیم آپ کو نقال بنا رہی ہے۔ یہ آپ کو سکھاتی ہے کہ دوسروں کی طرح کیسے بنا جائے۔ صحیح تعلیم آپ کو وہ بننے میں مدد دے گی جو آپ واقعی ہیں۔ آپ یکتا ہیں۔ نہ کوئی آپ جیسا ہے اور نہ ہوگا۔ یہ خدا کی طرف سے آپ کی عزت افزائی ہے۔ یہ آپ کی عظمت کی دلیل ہے، نقل مت بنیں، کاربن کاپی مت بنیں۔

مگر ہمارے تعلیمی ادارے ہمیں کاربن کاپی بنا رہے ہیں۔ ہمارے اصل چہرے کو مسخ کر رہے ہیں۔ لفظ تعلیم کے دو مطلب ہیں۔ دونوں ہی بہت خوبصورت ہیں۔ پہلا مطلب ہے: آپ میں سے کچھ باہر نکالنا۔ اس پر تو عمل ہی نہیں کیا جاتا۔ حقیقی تعلیم آپ میں سے وہ نکالتی ہے جو آپ کے اندر ہے۔ آپ کے امکان کو حقیقت میں بدلتی ہے جیسے آپ کنوئیں سے پانی نکالتے ہیں۔

مگر ماحول اس کے برعکس ہے۔ آپ میں سے کچھ نکالنے کی بجائے چیزیں آپ کے اندر انڈیلی جا رہی ہیں۔ جغرافیہ، ریاضی، سائنس، تاریخ...... یہ سب کچھ آپ کے اندر انڈیلا جا رہا ہے۔ آپ طوطے بن جاتے ہیں۔ آپ کو کمپیوٹر سمجھا جاتا ہے۔ جیسے کمپیوٹر کو فیڈ (Feed) کیا جاتا ہے۔ آپ کو بھی فیڈ کیا جاتا ہے۔ آپ کے تعلیمی ادارے وہ جگہیں ہیں جہاں آپ کے دماغوں میں چیزیں ٹھونسی جاتی ہیں۔

حقیقی تعلیم وہ ہوگی جو آپ میں چھپے ہوئے خزانے کو دریافت کرے۔

اس لفظ کا دوسرا مطلب ''آپ کو تاریکی سے روشنی کی طرف لے کر جانا ہے'' اُپنشد میں ہے کہ ''اے خدا ہمیں جھوٹ سے سچ کی طرف لے جا، اے خدا ہمیں موت سے زندگی کی طرف لے جا، اے خدا ہمیں تاریکی سے روشنی کی طرف لے جا''۔ لفظ 'تعلیم' کا یہی مفہوم ہے۔

انسان تاریکی، بے شعوری میں رہتا ہے۔ مگر انسان میں روشن ہونے کی پوری صلاحیت موجود ہیں شعلہ موجود ہے اسے صرف ہوا دینے کی ضرورت ہے۔ آپ کو سب کچھ

دیا گیا ہے۔ یہ خیال کہ جسم کا ڈھانچہ ہونے سے آپ انسان بن جاتے ہیں' غلط ہے۔

انسان صرف ایک امکاں کے طور پر پیدا ہوتا ہے۔ صرف چند افراد بدھا' عیسیٰ' محمد' حقیقی انسان بنتے ہیں۔ ان میں کوئی اندھیرا باقی نہیں رہتا' انکی روح روشن ہوتی ہے۔ آگہی کی بدولت ہی ایک فرد کی تکمیل ہوتی ہے اور صرف اسی صورت میں زندگی ایک مسرت اور نعمت ثابت ہوتی ہے۔

میں تعلیم کو دو حصوں میں تقسیم کروں گا۔ پہلے حصے کو آغاز میں ہی دینا چاہیئے اور دوسرے حصے کو فرد کی ریٹائرمنٹ کے وقت دینا چاہیئے۔

تعلیم کے پہلے حصے کا مقصد ممکنہ حد تک معیارِ زندگی حاصل کرنا ہونا چاہیئے۔ یہ فن زندگی اور فن محبت پر مشتمل ہونا چاہیئے۔ اسے لوگوں کو سکھانا چاہیئے کہ اپنے افعال بھرپور طریقے سے کیسے انجام دیں؟ کوئی چیز کھوئے بغیر زندگی کے اس موقع کو کیسے استعمال کریں؟ پہلا حصہ صرف نوجوانوں کیلئے ہوگا جسکا مقصد زندگی کیلئے تربیت' محبت کیلئے تربیت' زندگی میں حرارت کیلئے تربیت' کُلیت کیلئے تربیت ہوگا۔ تعلیم کا دوسرا حصہ موت کیلئے تیاری پرمبنی ہوگا۔ جیسے پہلے حصے کا مقصد ہمیں زندگی کے لیے تیار کرنا تھا' اسی طرح دوسرے حصے کا مقصد موت کیلئے تیار کرنا ہوگا' کہ کیسے میڈیٹیشن کے انداز میں خاموشی سے اور سکون سے موت کو خوش آمدید کہا جائے۔

دوسرا حصہ بنیادی طور پر مذہبی ہوگا' جیسا کہ پہلا حصہ بنیادی طور پر سائنسی تھا۔ اس طرح آغاز اور انجام میں تعلیم دی جائے گی۔ یونیورسٹیوں کو تعلیم کے دونوں حصوں کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ ایک حصہ ان لوگوں کیلئے ہے جو زندگی میں داخل ہو رہے ہیں اور دوسرا حصہ ان بوڑھے لوگوں کے لیے ہے جو موت کی انجان وادی میں داخل ہو رہے ہیں۔

تعلیم کا پہلا حصہ تمام طرح کی سائنس' آرٹس اور ہنروں پر مشتمل ہوگا۔ کوئی شخص اچھا مستری ہے' کوئی اچھا موچی ہے' کوئی اچھا سائنسدان ہے' کوئی زیادہ پیسے کما سکتا ہے کوئی کم۔ یہ تمام اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کے مطابق زندگی میں بھرپور کردار ادا کر رہے

ہیں۔ ان تمام کو بڑھنے کا' ترقی کرنے کا یکساں موقع ملنا چاہیئے۔ اور انکا یکساں مقام اور یکساں احترام ہونا چاہیئے۔ صرف اس بنیاد پر کہ ایک شخص ملک کا سربراہ ہے کی عزت اس موچی کی نسبت زیادہ کیوں کی جائے جو بہترین جوتے بناتا ہے؟ دونوں ہی معاشرے کی کسی نہ کسی ضرورت کو پورا کر رہے ہیں۔ دونوں کو یکساں احترام اور مقام دیا جائے۔

یہ یکساں احترام اور یکساں مواقع کا کلچر تعلیم کی دنیا میں شروع ہوگا۔ اور اس سے پہلے کہ تعلیم یہ تبدیلیاں لے کر آئے' خود تعلیم کو بہت سی تبدیلیوں کے عمل سے گزرنا پڑے گا۔

مثال کے طور پر امتحانات کے نظام کو ختم کر دینا چاہیئے کیونکہ امتحان لوگوں کی یادداشت پر زور دیتے ہیں نہ کہ ذہانت پر۔ یادداشت زیادہ اہم نہیں۔ خصوصاً مستقبل میں اس کی اہمیت بہت کم رہ جائے گی۔ آپ اپنی جیب میں کمپیوٹر رکھ سکتے ہیں جو آپ کو ہر قسم کی معلومات فراہم کرے گا آپ کو اپنے دماغ کو فضولیات سے بھرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

کمپیوٹر اس پورے تعلیمی نظام کی جگہ لے لے گا جس کا انحصار اب تک حافظہ پر ہے۔ جو طالب علم زیادہ چیزیں زبانی یاد کر سکتا ہے وہ اوّل آجاتا ہے' گولڈ میڈل حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن کیا آپ نے سوچا ہے کہ دنیا میں گولڈ میڈل حاصل کرنے والوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ یونیورسٹی کی طرف سے دی گئی اس عزت افزائی کا کیا ہوا؟ یہ لوگ مختلف طرح کی عامیانہ ملازمتیں کر کے زندگی ضائع کر دیتے ہیں۔

درحقیقت یونیورسٹی نے ان کے حافظے کو سراہا تھا اور عملی زندگی میں حافظے کی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ حقیقی اور عملی زندگی میں آپ کو ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یادداشت ایک بنا بنایا جواب ہوتا ہے۔ مگر زندگی تو ہر لحہ بدلتی رہتی ہے۔ یہ طے شدہ نہیں ہوتی۔ اس لیے آپ کے تمام بنے بنائے جوابات زندگی میں کام نہیں آتے۔ زندگی کو تو ایک برجستہ جواب کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کیلئے ذہانت درکار ہے۔

اب تک تعلیمی نظام نے ذہانت نہیں پیدا کی۔ ذہانت کو ایک بالکل مختلف تعلیمی ڈھانچے کی ضرورت ہے۔ موجودہ تعلیمی نظام اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ آپ کتنا زیادہ

مواد اپنی یادداشت میں محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

پورا تعلیمی نظام فرسودہ اور فاسد ہو چکا ہے۔ ایک نئے تعلیمی ڈھانچے کی ضرورت ہے۔ ہر روز طالب علم کو اپنے استاد سے اس بات کے نمبر ملنے چاہئیں کہ آیا کہ اس کا رویہ، عمل اور ردِ عمل ذہانت کے اعتبار سے درست ہیں یا نہیں؟ کیا وہ بنے بنائے جوابات کی تکرار کر رہا ہے یا اس کے خیالات تازہ ہیں؟

فرد میں تخلیقیت کو عزت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔ تکرار اور کاربن کاپی کی حوصلہ شکنی کی جانی چاہیئے دوسرا یہ کہ ایک سال انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ایک طالب علم چھ ماہ میں اچھے نمبر حاصل کر لیتا ہے تو اسے اگلے درجہ میں ترقی دے دینی چاہیئے۔

امتحان میں پاس اور فیل ہونے کا کوئی تصور نہیں ہوگا۔ استاد آپ کی ذہانت اور ردِ عمل پر نظر رکھے گا اور اسی طرح آپ آگے بڑھتے جائیں گے۔ میں یونیورسٹی میں پڑھاتا رہا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ کچھ طالب علموں میں اتنی صلاحیت ہوتی تھی کہ ایک سال کے کورس کو دو ماہ میں تیار کر لیں۔ مگر ان کی زندگی کے دس ماہ ضائع کیے جاتے ہیں۔ وقت کی کوئی قید نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ اس سے صلاحیتیں ضائع ہوتی ہیں۔

کمرہ جماعت کی شکل اور نوعیت بالکل مختلف انداز کی ہوگی۔ یہ وہ کمرہ جماعت نہیں ہوگا جہاں استاد آپ کو پڑھاتا ہے۔ اگرچہ اس کا علم آپ سے زیادہ ہے مگر پرانا ہے۔ اس نے سب کچھ تیس برس قبل اُس وقت پڑھا تھا جب وہ طالب علم تھا۔ جبکہ چیزوں میں تیزی سے تبدیلی آ رہی ہے یونیورسٹیوں میں جو کچھ بھی پڑھایا جا رہا ہے فرسودہ ہو چکا ہے۔

میرے خیال میں صرف لائبریری ہی ایک کمرہ جماعت ہو سکتی ہے۔ استاد کسی موضوع پر جدید ریسرچ کی تلاش میں طالب علموں کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ استاد کیونکہ زیادہ عرصے سے لائبریری میں ہے اس لیے طالب علموں کی اچھی طرح مدد کر سکتا ہے۔

کمپیوٹر اور ٹیلی ویژن کی مدد سے اس کام کو مزید آسان بنایا جا سکتا ہے۔ اکیسویں صدی میں آپ کو نقشوں کی مدد سے جغرافیہ پڑھانے کی ضرورت نہیں پڑے گی جبکہ ٹیلی

ویژن اور کمپیوٹر کے ذریعہ آپ ان مطلوبہ جگہوں پر پہنچ سکتے ہیں۔

اگلا دور ٹیلی ویژن اور کمپیوٹر کے استعمال کا ہے۔ کیونکہ یہ یادداشت محفوظ رکھنے کے ذرائع ہیں اس لیے استاد کا کردار بدل جائے گا۔ اب تدریس کی بجائے اس کا کام یہ رہنمائی کرنا ہوگا کہ متعلقہ معلومات کس کتاب یا ویڈیو سے ملے گی۔

تدریس زیادہ جاندار، حقیقی اور دلچسپ بن جائے گی۔ تعلیم ایک مہم بن جائے گی۔ اب تک طالب علموں کو مجبور کیا جاتا رہا ہے یا انہیں رشوت دی جاتی رہی ہے۔

یہ سب کچھ تعلیم کے دوسرے حصے کے بارے میں بھی درست ہے۔ آپ کو موت سے قریب ترین تجربات دینے کیلئے ہر طرح کی جدید ٹیکنالوجی کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ آپ کو میڈیٹیشن کے بارے میں سکھایا جا سکتا ہے۔ آپ کو سکون حاصل کرنے کے طریقے سکھائے جا سکتے ہیں۔ آپ کو گہری نیند میں جانے کے بارے میں بتایا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ہپناٹزم اہم کردار ادا کرے گا کیونکہ اس کے ذریعے آپ موت کی وادی کے قریب سے گزر سکتے ہیں۔

اگر آپ اس وادی کے قریب سے کئی مرتبہ گزر چکے ہیں تو موت سے آپ کو خوف محسوس نہیں ہوگا۔ اس کے برعکس کیونکہ آپ ایک بھرپور زندگی گزار چکے ہوتے ہیں اور آپ مطمئن ہوتے ہیں تو موت آپ کو ایک چیلنج محسوس ہوتی ہے۔ آپ اس نئی زندگی کا تجربہ کرنے کو بے چین ہوتے ہیں۔ جب تک تعلیم آپ کو زندگی اور موت کے بارے میں نہیں سکھاتی، یہ ادھوری تعلیم ہوتی ہے۔ جب تک تعلیم ہر فرد کو معزز، عزتِ نفس رکھنے والا، نہ کسی سے کمتر اور نہ کسی سے برتر بنا دے، اسے تعلیم ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔

آگہی کا مطلب اپنے آپ کو دریافت کرنا ہے۔ اس کا تعلیم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ درحقیقت تعلیم یافتہ افراد کو ایک لحاظ سے دوبارہ غیر تعلیم یافتہ بننا ہوتا ہے۔ انہیں بچوں کی طرح دوبارہ معصوم بننا پڑے گا تا کہ وہ حیران ہو سکیں، تا کہ وہ حیات کی اُن خوبصورتیوں کو اور دائمی مسرتوں کو دیکھ سکیں جو ان کے ارد گرد بکھری پڑی ہیں۔ مگر تعلیم یافتہ اور جاننے والا

فرد ان سے بالکل ناشناس ہوتا ہے کیونکہ وہ اس زعم میں ہے کہ وہ جانتا ہے۔ یہی چیز اس کے راستے کی رکاوٹ ہے۔

جتنا زیادہ آپ جان لیتے ہیں اتنا ہی کم آپ حیران ہوتے ہیں اور خدا صرف ان کیلئے ہے جن میں حیران ہونے کی صلاحیت ہے' جو مرعوب ہو جاتے ہیں' جو ہوا اور سورج اور بارش کے ساتھ رقص کرتے ہیں' جو ایک پھول کے تناسب اور حسن کو دیکھ کر اتنے ششدر رہ جاتے ہیں کہ ان کے الفاظ ختم ہو جاتے ہیں۔ صرف یہ چند لوگ ہی خدا کو جان سکتے ہیں۔ آگہی صرف ان معدودے چند ہی کے حصے میں آتی ہے۔

ساری دنیا کی ملکیت حاصل کرنے سے بہتر ہے کہ اپنی ذات کی ملکیت حاصل کی جائے۔ سکندرِ اعظم بننے سے بہتر ہے کہ ایک بدھا بنا جائے' ایک بھکاری بنا جائے۔ بدھا ایک بھرپور زندگی گزارتا ہے اور سکندرِ اعظم کی زندگی کھوکھلی ہوتی ہے' جو ساری زندگی اپنے آپ کو یہ یقین دلانے کیلئے کہ وہ ہرگز کھوکھلا نہیں ہے اپنی زندگی فضولیات سے بھرتا رہتا ہے۔

مرتے وقت سکندر نے اپنے جرنیلوں سے کہا ''میرے ہاتھ تابوت سے باہر لٹکتے رہنے دینا'' انہوں نے اس پر اعتراض کیا تو اس نے کہا ''اگرچہ ایسی کوئی روایت نہیں ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ لوگ دیکھیں کہ میں خالی ہاتھ مر رہا ہوں''۔ اس کی ساری زندگی بے معنی اور بے مصرف گزری۔

باطنی دنیا کے لئے مروجہ تعلیم کی نہیں بلکہ 'حقیقی' تعلیم کی ضرورت ہے۔ تعلیم کا مطلب آپ کے اندر کچھ داخل کرنا نہیں بلکہ آپ میں سے کچھ نکالنا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ کنویں سے پانی نکالتے ہیں اس میں پانی ڈالتے نہیں۔

سائنس اور ٹیکنالوجی

Science and Technology

علم بہت حاصل ہو چکا۔ علم ایک اوسط درجے کی چیز ہے۔ علم جدید سائنس اور باطنیت کو نہیں ملا سکتا۔ ہمیں بدھوں کی ضرورت ہے نہ کہ ان لوگوں کی جو بدھا کے بارے میں جانتے ہیں۔ ہمیں تجربات کرنے والوں' عاشقوں اور میڈیٹیشن کرنے والوں کی ضرورت ہے۔ اور وہ وقت آن پہنچا ہے جب سائنس اور مذہب کا ملاپ کروایا جا سکتا ہے۔ اس طرح دورُخی انسانیت ختم ہو جائے گی۔ پھر سائنس اور مذہب دو مختلف چیزیں نہیں ہوں گی۔

ظاہر کیلئے انسان سائنسی طریقہ کار استعمال کرے گا اور باطن کیلئے مذہبی طریقہ کار۔ عرفان (mysticism) ایک خوبصورت لفظ ہے اور اس کا اطلاق آپ سائنس اور مذہب دونوں پر کر سکیں گے۔ سائنس خارجی اسرار کا کھوج لگائے گی اور مذہب داخلی اسرار کا مطالعہ کرے گا۔ یہ عرفان کی دو شاخیں ہوں گی۔ ان دونوں کے مجموعہ کو عرفان کہا جا سکتا ہے۔

سائنس اور مذہب کی اس ترکیب سے دوسری بہت سی ترکیبیں خود بخود رونما ہو جائیں گی۔ سائنس اور مذہب کے ملنے کے بعد مشرق اور مغرب مل سکتے ہیں' عورت اور مرد مل سکتے ہیں' شاعری اور نثر مل سکتے ہیں' محبت اور منطق مل سکتے ہیں۔ ملنے کا یہ سلسلہ لامتناہی ہوگا۔ ایسا ہونے کے بعد ہی یہ ممکن ہوگا کہ انسان زیادہ مکمل اور زیادہ متوازن ہو۔

اس وقت سائنس میں عدم تناسب ہے۔ اس کا تعلق صرف مادہ سے ہے اور یہ

روحانیات کو بالکل چھوڑ دیتی ہے۔ یہ بہت خطرناک بات ہے۔

اگر انسان صرف مادہ پر مبنی ہے تو زندگی کی تمام حقیقت ختم ہو جاتی ہے۔ انسان کی عظمت ختم ہو جاتی ہے، شاعری ختم ہو جاتی ہے۔ اس تصور نے کہ انسان محض مادہ ہے انسان کو اس کے مقام سے گرا دیا ہے۔ اس نام نہاد سائنس نے انسان کا سارا وقار چھین لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج پوری دنیا میں بے معنویت کا احساس چھایا ہوا ہے۔ لوگ اپنے آپ کو بالکل خالی سمجھ رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان کے پاس بہتر مشینیں، بہتر ٹیکنالوجی، بہتر مکان، بہتر غذا موجود ہے۔ مگر ان سب چیزوں کی بہتات اور یہ تمام مادی ترقی بے معنی ہے۔ جب تک آپ بصیرت نہیں رکھتے، جب تک آپ جسم اور ذہن سے ماورا نہیں ہو جاتے آپ اپنا مقام حاصل نہیں کر سکتے۔ اور سائنس اس ماورایت کا انکار کرتی ہے۔

سائنس زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے۔ معلوم اور نا معلوم...... (Known and Unknown)۔ مذہبیت زندگی کو تین حصوں میں تقسیم کرتی ہے۔ معلوم، نا معلوم اور نا قابل ادراک (Unknownable)۔ معنویت نا قابل ادراک سے پیدا ہوتی ہیں۔ معلوم وہ ہے جو کل تک نا معلوم تھا اور آج کا نا معلوم کل معلوم بن جائے گا۔ خاصیت کے اعتبار سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ نا قابل ادراک خاصیت کے اعتبار سے معلوم اور نا معلوم سے مختلف ہے۔ نا قابل ادراک کا مطلب ہے کہ آپ جتنے بھی گہرے چلے جائیں اور پھر بھی باقی رہتا ہے۔ آپ وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اس کے برعکس جتنی گہرائی سے آپ معلوم کریں گے اسراریت بڑھتی جائے گی۔

مذہب کے متلاشی کی زندگی میں ایک وقت ایسا آتا ہے جب وہ اسرار میں اس طرح گم ہو جاتا ہے جس طرح شبنم کے قطرے سورج کی روشنی میں بخارات بن کر غائب ہو جاتے ہیں۔ صرف اسرار باقی رہ جاتا ہے۔ یہ تکمیل اور اطمینان کی معراج ہے۔

سائنس کو استعمال کریں، اس کے ہاتھوں استعمال نہ ہوں۔ ٹیکنالوجی اچھی چیز ہے۔ اس سے فضول کاموں سے نجات ملتی ہے۔ غلامی سے نجات ملتی ہے۔ مشین تمام کام کر سکتی ہے۔ انسان اور جانور دونوں آزاد ہو جائیں گے۔

میرا خواب ایک ایسی انسانیت ہے جو کام سے بالکل آزاد ہو۔ کیونکہ اس طرح آپ نشوونما پانا شروع کرتے ہیں، آپ کی جمالیاتی حس کی تسکین ہوتی ہے۔ آپ کو سکون اور میڈیٹیشن کا موقع ملتا ہے۔ آپ زیادہ فنکار اور زیادہ روحانی بن جاتے ہیں کیونکہ آپ کے پاس وقت بھی ہوگا اور توانائی بھی۔

میں سائنس کے خلاف ہرگز نہیں ہوں بلکہ میں سائنس کی زیادہ سے زیادہ ترقی کا خواہاں ہوں تاکہ انسان کے پاس کچھ بلند مرتبے کے کام کرنے کیلئے وقت ہو جو کہ ایک غریب آدمی کیلئے ممکن نہیں ہیں۔

غریب آدمی روٹی کے چکر سے باہر نہیں نکلتا۔ اسے اپنے بچوں، روٹی، کپڑوں، مکان، ادویات کے متعلق سوچنا پڑتا ہے۔ اس کی ساری زندگی معمولی چیزوں سے بھری پڑی ہے۔ اور اگر کبھی وہ مندر یا مسجد جاتا بھی ہے تو انہی مادی چیزوں کو مانگنے کیلئے۔ اس کی عبادت شکرانے کیلئے نہیں ہوتی بلکہ ایک خواہش، ایک تقاضہ ہوتی ہے۔ اس کیلئے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ کچھ دیر خاموشی سے بیٹھے اور کچھ نہ کرے۔ اسے کل کے بارے میں سوچنا ہے۔

عیسیٰ کہتے ہیں: ان نرگس کے پھولوں کو دیکھو یہ کوئی مشقت نہیں کرتے، یہ فردا کی فکر نہیں کرتے اور ان کی خوبصورتی اور جاہ وجلال حتیٰ کہ سلیمان بادشاہ سے بھی زیادہ ہے۔

یہ درست ہے کہ نرگس کے پھول کل کے بارے میں نہیں سوچتے لیکن کیا ایسا ہی آپ غریب آدمی کے بارے میں کہہ سکتے ہیں؟ اگر وہ کل کے بارے میں نہیں سوچے گا تو کل موت ہے۔ وہ مشقت سے کیسے بچ سکتا ہے؟

میں دنیا کو زیادہ امیر دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے اس پر یقین نہیں ہے کہ غربت کا روحانیت سے کوئی تعلق ہے۔ ہر دور میں یہ بتایا جاتا رہا ہے کہ روحانیت کیلئے افلاس ضروری ہے۔ مجھے ایک فرانسیسی جوڑے نے خط لکھا: ''ہمیں کچھ چیزوں کی سمجھ نہیں آئی۔ اس آشرم سے اتنی شان وشوکت کیوں ٹپکتی ہے؟ آپ کے استعمال میں ایک خوبصورت گاڑی کیوں ہے؟ آپ کی زندگی تو ٹھاٹ سے گزر رہی ہے۔ یہ سب روحانیت کے اصول کے خلاف ہے''۔

جو کار یہاں میرے زیر استعمال ہے امریکہ میں اسے پلمبر استعمال کرتے ہیں۔اس فرانسیسی جوڑے کے ذہن میں روحانیت کا وہی قدیم تصور تھا' وہ غربت میں روحانیت تلاش کررہے تھے۔اصل میں انسان غربت میں اتنے عرصے سے رہ رہا ہے کہ اسے اپنے آپ کو جھوٹی تسلیاں دینی پڑتی ہیں ورنہ یہ غربت ناقابل برداشت بن جائے گی۔اسے غربت کو روحانیت سے نتھی کرنا پڑتا ہے۔

غربت روحانیت کا نہیں بلکہ تمام جرائم کا منبع ہے۔میرے نزدیک روحانیت سے زیادہ کوئی اور عیش وعشرت نہیں۔جب آپ کے پاس سب کچھ ہوتا ہے تو اچانک آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اگرچہ آپ کے پاس سب کچھ موجود ہے مگر آپ کے اندر ایک خلا ہے جسے بھرنے کی ضرورت ہے۔اندرونی خالی پن کا اندازہ اسی وقت ہوتا ہے جب باہر آپ کے پاس سب کچھ ہو۔سائنس یہ معجزہ دکھا سکتی ہے۔میں سائنس سے اسی لیے محبت کرتا ہوں کہ اس سے مذہب کے پیدا ہونے کا امکان ہوا ہے۔

اب تک روئے زمین پر مذہب کا تجربہ نہیں ہوا ہے۔اس کے بارے میں باتیں بہت ہوئی ہیں مگر اس نے کروڑوں لوگوں کے دل کو ابھی تک نہیں چھوا۔کبھی کبھار کہیں کوئی اعلیٰ آدرش والا روشن دماغ پیدا ہو جاتا ہے۔بنجر زمین میں ایک پھول کھل جائے تو اسے گلزار نہیں کہا جاسکتا۔

مذہب کے بارے میں میرا نقطۂ نظر بالکل مختلف ہے۔اس کا غربت سے کوئی سروکار نہیں۔میں زمین کو جنت سے بہتر دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ لوگ جنت کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیں۔غریب لوگوں نے اپنے آپ کو تسلی دینے کیلئے جنت تخلیق کی ہے:''یہاں ہم مصیبت زدہ ہیں لیکن یہ ہمیشہ کیلئے نہیں ہے چند روز اور! فقط چند ہی روز اور۔موت کے بعد ہمارا ٹھکانہ جنت ہی تو ہوگا''۔

کیا تسلی ہے! کہ جو یہاں امیر ہیں وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔عیسیٰ کہتے ہیں: ایک اونٹ سوئی کے سوراخ سے گزر سکتا ہے مگر ایک امیر آدمی جنت کے دروازے سے نہیں گزر سکتا۔غریب کو اس بات سے کس قدر حوصلہ اور اطمینان ملے گا کہ معاملہ صرف چند روز کا

ہے اس کے بعد وہ خدا کے نزدیک ہوگا۔وہ حور وقصور کے درمیان ہوگا اور اس وقت تمام دولت مند جہنم کی آگ میں جل رہے ہوں گے''۔جنت کا یہ تصور محض ایک انتقام محسوس ہوتا ہے۔

میں اس زمین کو جنت دیکھنا چاہتا ہوں اور ایسا سائنس کے بغیر ناممکن ہے۔مگر سائنس ہی کو سب کچھ نہیں سمجھنا چاہیئے۔سائنس صرف محیط کھینچ سکتی ہے' مرکز مذہب کو ہی ہونا چاہیئے۔سائنس ظاہر ہے اور مذہب باطن اور میں چاہتا ہوں کہ لوگ خارجی اور داخلی دونوں لحاظ سے امیر ہوں۔

کارل مارکس کہتا ہے کہ مذہب لوگوں کے لئے افیون ہے۔اس نے کبھی میڈیٹیشن کا تجربہ نہیں کیا۔اس کی ساری زندگی برٹش میوزیم میں پڑھتے ہوئے' سوچتے ہوئے' داس کیپیٹل کیلئے کام کرتے ہوئے برباد ہوئی۔اور وہ علم کا اتنا حریص تھا کہ اکثر میوزیم میں بے ہوش ہو جایا کرتا تھا۔

وہ مذہب اور میڈیٹیشن کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔مگر ایک لحاظ سے اس کی بات بالکل درست ہے کہ فرسودہ مذہبیت لوگوں کیلئے افیون ثابت ہوئی ہے۔اس نے لوگوں کو ان کی حالتِ زار میں بھی مطمئن رہنے میں مدد دی ہے۔لیکن اگر ہم ایک بدھا' ایک زرتشت' ایک تاؤ کی بات کریں تو مارکس کی بات درست معلوم نہیں ہوتی۔لوگ واقعی مذہبی ہیں۔عوام کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

میری خواہش ہے کہ آپ نیوٹن' ایڈیسن' آئن سٹائن' ایڈنگٹن سے فیض یاب ہوں اور اس کے ساتھ ہی بدھا' کرشن' عیسیٰ اور محمدؐ سے بھی فیض حاصل کریں۔جہاں تک سائنس آپ کو لے جائے' آپ چلے جائیں مگر یہ آپ کو زیادہ دور نہیں لے جاسکتی۔سائنس آپ کو آپ کی ذات کے اندر تک نہیں لے جاسکتی یہ تو صرف معروضیت کا مطالعہ کراتی ہے۔ موضوعیت اس کے دائرہ سے باہر ہے۔

معاشرے کو سائنس کی بھی ضرورت ہے اور مذہب کی بھی۔اگر آپ مجھ سے پوچھیں کہ مذہب اور سائنس میں سے پہلی ترجیح کسے حاصل ہونی چاہیئے تو میرا جواب ہوگا کہ

سائنس کو۔ پہلے خارجی دنیا پھر داخلی دنیا۔ سائنس اس دھرتی پر حقیقی مذہبیت کیلئے فضا ہموار کر سکتی ہے۔

سائنس کو موت کیلئے نہیں زندگی کیلئے استعمال کرنا چاہیئے۔ تباہ کن ہتھیار تیار کرنے کی بجائے یہ بہتر پھول، بہتر پودے، بہتر جانور اور بہتر انسان پیدا کرے گی۔

اگر ایک سائنس دان معروضی دنیا کیلئے اپنا دماغ، موضوعی دنیا کیلئے اپنا دل اور جہاں تک حیات کا تعلق ہے، اس کیلئے اپنی ذات (being) استعمال کرنے کے قابل ہے تو وہ ایک کامل انسان ہے۔

نئے انسان کو میں ایک کامل انسان دیکھنا چاہتا ہوں۔ کامل اس لحاظ سے کہ اس کے تینوں پہلو، دماغ، دل اور ذات ایک دوسرے سے ٹکرائے بغیر کام کرتے رہیں۔ کامل انسان ایک کامل دنیا وجود میں لائے گا۔ اس دنیا کے پاس سائنسدان، شاعر اور میڈیٹیٹر (meditator) ہوں گے۔

ان تینوں حیات بخش مراکز کو ہر شخص میں اپنا اپنا کردار ادا کرنا چاہیئے۔ میں سوسائٹی کی بجائے فرد کو اہمیت دیتا ہوں۔ اگر میں فرد کو تبدیل کرسکتا ہوں تو جلد ہی دنیا بھی بدل دوں گا۔

اس وقت ایک آئین سٹائن جیسا سائنسدان بھی اپنی صلاحیتوں کا زیادہ سے زیادہ پندرہ فیصد استعمال کرتا ہے۔ عام آدمی پانچ یا سات فیصد سے آگے نہیں بڑھتا۔ اگر یہ تینوں مراکز مل کر کام کریں تو انسان کُلی طور پر اپنا کردار ادا کرسکے گا۔ وہ اپنی پوری صلاحیتوں کو بروئے کار لاسکے گا۔ ہم اس دھرتی کو واقعی جنت بنا سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہمارے اختیار میں ہے۔ صرف ہمت کی ضرورت ہے۔

ہر طرح کی ٹیکنالوجی اور سہولیات کیلئے سائنس کی ضرورت ہے۔ دنیا کو شاعری کی بھی ضرورت ہے ورنہ انسان محض رَوبوٹ بن کر رہ جائے گا۔ دماغ ایک کمپیوٹر ہے۔ شاعری، موسیقی، رقص، اور گیت کے بغیر آپ کا دماغ جو کچھ کرتا ہے کمپیوٹر اسے زیادہ بہتر طریقے سے کرسکتا ہے۔

دل ایک بالکل مختلف زاویے سے حُسن اور محبت کے تجربات سے گزرتا ہے۔ مگر جب تک آپ اپنے مرکز تک نہیں پہنچتے آپ کا رابطہ منقطع رہے گا۔ اور ایسا شخص خطرناک ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی بے اطمینانی کی کیفیت سے نکلنے کیلئے کچھ بھی کرسکتا ہے۔ جو شخص اپنے آپ سے اور اپنے مرکز سے آگاہ ہے وہ سب سے زیادہ زندگی سے لبریز ہے۔

درحقیقت یہی وہ مقام ہے جہاں خدا کی سلطنت اور آپ کی سلطنت ایک ہو جاتی ہے۔ یہاں آپ خدا ہیں۔ آپ شہنشاہ بن جاتے ہیں۔

اگر آپ زندگی سے لبریز ہیں تو آپ جہاں کہیں بھی ہیں تو مسرور ہیں۔ اپنی محبت، اپنی ہنسی، اپنی زندگی، کو پوری دنیا میں پھیلادیں۔ ایسا کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ ہمارے علاوہ کوئی اور ایسا نہیں کریگا۔

میں جینیٹک (genetic) انجینئرنگ کے غلط استعمال کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ مگر اسکے علاوہ بھی بہت سی چیزیں ہیں جو ہمیں سمجھنی چاہئیں۔ پہلی یہ کہ خوف کی نفسیات میں رہ کر کبھی کام نہ کریں۔ اگر انسان نے خوف میں رہ کر کام کیا ہوتا تو آج اتنی ترقی ممکن نہ ہوتی۔

مثال کے طور پر رائٹ برادران نے جو پہلی اُڑنے والی مشین بنائی وہ سائیکل کے پرُزوں سے بنائی تھی۔ ساری دنیا خوش تھی کیونکہ اس وقت یہ کوئی بھی تصور نہیں کرسکتا تھا کہ پہلی جنگِ عظیم میں شہروں کو تباہ کرنے اور لاکھوں انسانوں کو موت کی نیند سلانے کیلئے جہازوں کو استعمال کیا جائے گا۔

مگر یہی جہاز لاکھوں لوگوں کو پوری دنیا میں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جارہے ہیں۔ ان کی وجہ سے دنیا سمٹ کر ایک عالمی گاؤں بن گئی ہے۔ وہ مختلف لوگوں، مختلف تہذیبوں، مختلف مذاہب، مختلف قوموں میں رابطے کا سبب بنے ہیں۔ اس لیے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خوف کی نفسیات میں رہ کر کوئی کام نہیں کیا جاسکتا۔

امکانات اور خطرات کو ذہن میں رکھتے ہوئے احتیاط اور شعور سے کام کرو، اب بھلا سیاستدانوں کے ہاتھ میں نیوکلیئر ہتھیاروں سے زیادہ کیا چیز خطرناک ہوسکتی ہے؟

مگر خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ حتیٰ کہ نیوکلیر ہتھیاروں کو بھی تخلیقی انداز

آپ کو جینیاتی سائنس کی نئی دریافتوں کے بارے میں بتایا ہے۔ آپ نہیں جانتے کہ آپ کس طرح کے بچے کو جنم دے رہے ہیں۔ اگر وہ نابینا ہے، معذور ہے یا بدصورت ہے تو ساری زندگی وہ اذیت میں رہے گا اور ایک لحاظ سے اس کے ذمہ دار آپ ہیں کیونکہ آپ نے بھی پرواہ نہیں کہ کہ آپ کے بچے صحتمند ہوں، ان کا دماغی توازن درست ہو، وہ اندھے بہرے نہ ہوں۔

خاص طور پر اب جب کہ بچے ایڈز کے جراثیموں کے ساتھ پیدا ہو رہے ہیں آپ کو یہ انتخاب کرنے کیلئے قدم اُٹھانا پڑے گا کہ کون سے بچے پیدا ہونے چاہئیں اور کون سے نہیں۔

شائد آپ اس بات سے آگاہ نہیں ہیں کہ جینیاتی سائنس صرف چند چیزوں کے بارے میں ہی حتمی بات کر سکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ کسی خاص مجموعے کا بچہ صحت مند رہے گا یا نہیں۔
جینیاتی سائنس حتمی طور پر یہ نہیں بتا سکتی کہ کوئی انسان ایک ڈاکٹر بنے گا یا موسیقار۔ امکانی طور پر وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس بچے میں موسیقار بننے کے زیادہ امکانات ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ڈاکٹر نہیں بن سکتا۔ اگر آپ اس کیلئے موسیقار بننے کے سارے راستے بند کر دیں تو وہ موسیقار ہرگز نہیں بنے گا۔ اور اگر وہ ڈاکٹر بن گیا تو اس کی تکمیل کبھی نہیں ہوگی۔

جینیاتی سائنس اگر کچھ امکانات کی بات کرتی ہے تو معاشرہ اور والدین مل کر بچے کو ماحول اور مواقع فراہم کر سکتے ہیں۔ اس وقت ہمیں پتہ ہی نہیں کہ بچے میں کیا صلاحیت ہے۔ والدین نہیں جانتے کہ بچے کو کس طرح کے ادارے میں بھیجا جائے۔ ان کے کسی بھی فیصلے کا محرک صرف یہ ہوتا ہے کہ مالی طور پر انہیں کیا فائدہ ہوگا۔
امکانات کی روشنی میں آپ بچوں کی تربیت صحیح خطوط پر کر سکتے ہیں۔ اس طرح فطرت اور تربیت کو ساتھ ساتھ چلایا جا سکتا ہے۔
ایک خطرہ موجود ہے کہ اگر جینیاتی سائنس مطلق العنان حکومتوں کے ہاتھ میں آ گئی تو وہ ایسے بچوں کا انتخاب شروع کر دیں گے جو انقلابی نہیں ہوں گے، جو مزاحمت نہیں سے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ زندگی اپنے آپ کو اتنی آسانی سے ختم کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی یہ مزاحمت کرے گی۔ اسی مزاحمت میں نئے انسان کی پیدائش، نئی صبح اور کامل زندگی کا امکان چھپا ہوا ہے۔

میرے نزدیک انہی نیوکلیر ہتھیاروں کی وجہ سے تیسری عالمگیر جنگ ٹلی ہوئی ہے۔ بدھا اور عیسیٰ بھی یہ کام نہ کر سکتے تھے۔ تمام سیاستدان اندر سے ڈرتے ہیں کہ اگر جنگ ہوئی تو سب کچھ تباہ ہو جائے گا جن میں وہ خود بھی شامل ہوں گے۔ یہی وہ وقت ہے جب ہم سائنس کے رُخ کو تخلیقیت کی طرف موڑ سکتے ہیں۔
سائنس نیوٹرل ہے۔ یہ تو آپ کو طاقت دیتی ہے اس کا استعمال ساری انسانیت اور اس کی ذہانت پر منحصر ہے۔ غلط استعمال کسی بھی چیز کا کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کسی بھی چیز کو بُرا نہیں کہنا چاہیئے ورنہ آپ وہی غلطی کریں گے جو مہاتما گاندھی نے کی تھی۔
اگر آپ ایک دفعہ خوف کی نفسیات میں مبتلا ہوئے تو آخر آپ کہاں جا کر ٹھہریں گے؟ گاندھی واپس چرخے کی طرف پلٹے۔ وہ بیس ہزار برس پیچھے چلے گئے۔ وہ ہر اُس چیز کو تباہ کرنا چاہتے تھے جو چرخے کے بعد ایجاد کی گئی۔ وہ ریل گاڑی کے خلاف تھے کیونکہ ہندوستان کو غلام بنانے کیلئے اس کو استعمال کیا گیا۔ اتنے بڑے ملک میں فوج کی نقل و حمل کو ریل گاڑی نے ہی ممکن بنایا۔

اب اس وجہ سے یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ ریل گاڑی کا وجود ہی ختم کر دیا جائے۔ گاندھی چھوٹی چھوٹی معصوم چیزوں مثلاً ٹیلی گرام، ٹیلی گراف، ڈاک خانہ کے بھی خلاف تھے کیونکہ ملک پر قبضے کیلئے پہلے پہل ان کو استعمال کیا گیا۔ آہستہ آہستہ یہی چیزیں عام آدمی کے استعمال میں آ گئیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ آگے بڑھا جائے اور ماضی سے سبق سیکھا جائے۔ تاکہ جیسے جیسے سائنسی ٹیکنالوجی میں ترقی ہو اس کے ساتھ ساتھ انسانی شعور بھی بلند ہوتا جائے ٹیکنالوجی کے غلط استعمال سے بچنے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔
انسان کو بدلیں، سائنسی ترقی کو روکنے کی ضرورت نہیں۔ مثال کے طور پر میں نے

کریں گے۔ مگر اس خطرے سے نبٹا جا سکتا ہے۔ آخر ان مطلق العنان حکومتوں کو اختیار کیوں دیا جائے؟

میں معاشرے کیلئے پورا پروگرام دے رہا ہوں۔ میرا پہلا تصور یہ ہے کہ اقوام کو ختم ہو جانا چاہیئے۔ ایک عالمی حکومت قائم ہونی چاہیئے۔ وہ ہر سال تبدیل ہوں گے۔ ایک شخص کو دو مرتبہ اختیار نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ ان کے پاس وقت کم ہوگا اس لیے وہ بہتر سے بہتر کام کرنے کی کوشش کریں گے۔

آہستہ آہستہ بڑے بڑے شہروں کی جگہ چھوٹی چھوٹی کمیون (Commune) کو لے لینی چاہیئے۔ خاندان کے وجود کو بھی ختم ہو جانا چاہیئے تا کہ خاندان اور قوم سے وفاداری کا تصور ختم ہو جائے۔ والدین کی بجائے کمیون بچوں کی پرورش کرے۔ یہ فیصلہ کمیون کرے گی کہ کتنے بچے درکار ہیں کیونکہ جس طرح انسان کی طبعی عمر میں اضافہ ہو رہا ہے اس طرح ہمیں کم سے کم بچوں کی ضرورت پڑے گی۔

جینیاتی سائنسدان یہ بھی کہتے ہیں کہ فطری طور پر ہر شخص میں تین سو سال تک زندہ رہنے اور ہمیشہ جوان رہنے کی صلاحیت موجود ہے۔ بڑھاپے کا خاتمہ ممکن ہے۔ یہ ایک عظیم انقلاب ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ اگر ایک آئن سٹائن تین سو سال تک کام کرتا رہے' اگر ایک گوتم بدھا تین سو سال تک تعلیمات دیتا رہے' اگر تمام عظیم شعرا' صوفیاء سائنسدان اور مصور کام کرتے رہیں اور اپنے کام اور طریقہ کار میں اصلاح کرتے رہیں تو یہ دنیا واقعی جنت بن جائے گی۔

اگر ہم اسی طرح پرانی ڈگر پر چلتے رہے تو صورت حال بدترین شکل اختیار کر لے گی۔ سوسائٹی کے لئے نئے فارمولے' نئے پروگرام کی ضرورت ہے۔ کمیون دنیا کا نیا یونٹ ہے۔ صرف کمیون اور عالمی انسانیت ہی کی بدولت ہم آگے کی طرف بڑھ سکتے ہیں۔

اگر انسان وہیں جامد رہے جبکہ اس کے ارد گرد ہر شئے میں ترقی ہو رہی ہو تو یہ صورت حال بہت خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ انسان اپنی ہی ٹیکنالوجی اور ترقی کے بوجھ تلے دب کر مر جائے گا۔

جنریشن گیپ

The Generation Gap

ماضی میں جنریشن گیپ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ کیونکہ اس کا اظہار انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہو رہا اس لئے اس مسئلے کو گہرائی سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ دن بدن اس گیپ میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

اس کے پیچھے ایک پوری نفسیات کام کر رہی ہے۔ ماضی میں جوانی کا دور نہیں ہوتا تھا۔ آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ بچے جوان ہوئے بغیر ہی بالغ ہو جاتے تھے۔ ایک چھ یا سات سالہ بچہ اپنے باپ کے ساتھ کام کا آغاز کر دیتا تھا۔ اگر باپ بڑھئی ہوتا تو بچہ بڑھئی کا کام سیکھتا تھا یا کم از کم باپ کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ اگر باپ کسان ہوتا تو بچہ اس کے ساتھ کھیت میں جاتا اور مویشیوں کی دیکھ بھال میں اس کی مدد کرتا۔ بیس برس کی عمر میں اس کی شادی ہو جاتی اور وہ کچھ بچوں کا باپ بن جاتا۔

ماضی میں کوئی جونیئر (Junior) جنریشن نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے گیپ کوئی بھی نہیں تھا۔ ایک جنریشن کے بعد دوسری جنریشن کا ایک سلسلہ تھا۔ باپ کی موت سے پہلے اس کے بیٹے زندگی کے ہر شعبے میں اس کی جگہ لے لیتے تھے۔ کھیلنے کیلئے کوئی وقت نہیں ملتا تھا۔ سکول اور کالج بھی نہیں تھے۔

ماضی میں سیکھنے کا ایک ہی ذریعہ تھا کہ سینئر (Senior) جنریشن کے ساتھ کام کیا جائے۔ بلا شبہ سینئر جنریشن کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا کیونکہ وہ اساتذہ تھے۔ وہ

جانتے تھے اور آپ جاہل۔ جاہل عالم کی عزت کرتا ہے اس لیے ماضی میں یہ تقریباً ناممکن تھا کہ جونیئر جنریشن اپنی سینئر جنریشن کی عزت نہ کرے۔

جاننے والوں کے پاس طاقت ہوتی تھی، علم طاقت ہے، جیسی ضرب المثل انہی دنوں کی یادگار محسوس ہوتی ہے۔ اسی لیے آپ نے ماضی میں نوجوانوں کی طرف سے کسی بغاوت کے بارے میں نہیں سُنا۔

موجودہ نسل ایک بالکل نئے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ بچہ اپنے والد کے نقش قدم پر نہیں چلتا۔ وہ سکول جاتا ہے۔ باپ اپنی دکان یا دفتر یا کھیت جاتا ہے۔ یونیورسٹی سے فارغ ہونے تک بچہ تقریباً پچیس برس کا ہو چکا ہوتا ہے۔ ان پچیس برسوں میں اس کا سینئر جنریشن سے کوئی رابطہ نہیں ہوتا۔ اس کا سروکار صرف مالیات تک ہوتا ہے۔ ان پچیس برسوں میں بہت سی چیزیں رونما ہوتی ہیں۔ پہلی تو یہ کہ وہ اپنے والدین سے زیادہ جانتا ہے کیونکہ اس کے والدین پچیس یا تیس برس پہلے سکول گئے تھے۔ ان تیس برسوں میں علم ایک بڑی جست لگا چکا ہوتا ہے۔

یونیورسٹی کے زمانے میں مَیں بہت پریشان تھا۔ میرا نفسیات کا پروفیسر ان کتابوں کے حوالے دیتا جو تین دہائیاں پہلے متروک ہو چکی تھیں۔ کیونکہ میں ہر چیز کو جاننے کا بہت شائق ہوتا تھا اس لیے میں لائبریری میں مستقل موجود رہتا تھا۔ اس پروفیسر کی عزت کرنا ناممکن ہے جو آپ سے کم جانتا ہو۔ ایسے شخص کیلئے پروفیسر رہنا باعث شرم ہونا چاہیئے۔ میں نے اپنے نفسیات کے پروفیسر کو کہہ دیا تھا کہ آپ کیلئے پروفیسر رہنا باعثِ شرم ہے کیونکہ نفسیات کے میدان میں آج جو کچھ ہو رہا ہے آپ اس سے بے خبر ہیں۔ آپ صرف وہ جانتے ہیں جو آپ نے تیس برس پہلے پڑھا تھا۔ جس دن سے آپ نے یونیورسٹی چھوڑی ہے آپ نے کسی کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا''۔

اس جنریشن گیپ کا ایک بڑا سبب تعلیم ہے۔ اساتذہ شکایت کرتے ہیں کہ طالبعلم ان کا احترام نہیں کرتے۔ آخر وہ احترام کیوں کریں؟ پروفیسروں کی ایک میٹنگ

سے خطاب کرتے ہوئے میں نے کہا: ''آج ہر پروفیسر یہ شکایت کر رہا ہے کہ طالب علم ان کا ادب نہیں کرتے۔ میں اس کے بالکل برعکس ایک بات کہوں گا کہ واقعی کچھ نہ کچھ کیا جانا چاہیئے کیونکہ کوئی بھی پروفیسر قابل احترام محسوس نہیں ہوتا۔ معاملہ طالبعلموں کا نہیں ہے بلکہ خود آپ کا ہے۔ آپ خود قابل احترام نہیں ہیں۔ ماضی میں آپ کو کیوں عزت دی جاتی تھی؟ اس لیے کہ آپ زیادہ جانتے تھے۔ آج طالب علم آپ سے زیادہ جانتے ہیں۔ جب تک آپ اپنے طالب علموں سے آگے نہیں رہتے آپ کا احترام نہیں کیا جا سکتا''۔

احترام کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے۔ والدین کی طرف سے بھی یہی شکایت ہے کہ آج کے بچے پہلے سے بچے نہیں رہے جو والدین کی پیروی کرتے تھے۔ اس صدی میں (بیسوی صدی) تعلیم نے ایک نیا رُخ دکھایا ہے۔ پہلے بات سادہ تھی۔ کہا جاتا تھا کہ اپنے بڑوں کی پیروی کرو کیونکہ وہ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔ جاننے کا صرف ایک ذریعہ تھا یعنی تجربہ۔ یقیناً تجربے میں سینئر جنریشن ہمیشہ آگے ہوتی تھی۔

اب تعلیم کی بدولت تجربے کی اہمیت نہیں رہی۔ پڑھنے اور سیکھنے کے ذریعے آپ جتنا چاہیں آگے بڑھ سکتے ہیں۔ لائبریری میں بیٹھ کر آپ پوری دنیا سے باخبر رہ سکتے ہیں۔

ابھی ایک اور گیپ بھی دیکھنا باقی ہے جس سے ہم ابھی بے خبر ہیں اور میں پہلی مرتبہ اس کے متعلق بات کر رہا ہوں۔ ایک گیپ تعلیم کا پیدا کردہ ہے۔ اگر میڈیٹیشن ایک عالمگیر تحریک بن جائے تو ایک اور گیپ پیدا ہو گا جو زیادہ وسیع ہو گا۔ پھر بوڑھا اور جوان دو انتہائی سمتوں کے مسافر ہوں گے۔ بوڑھوں کو آپ کا احترام کرنا چاہیئے کیونکہ آپ ذہن کی دنیا سے آگے نکل چکے ہوتے ہیں۔

اور دنیا میڈیٹیشن میں بڑی تیزی سے دلچسپی لے رہی ہے۔ وہ دن دور نہیں جب میڈیٹیشن ہی آپ کی آخری تعلیم بن جائے گی۔ آپ کی مروجہ تعلیم خارجی دنیا سے متعلق ہے۔ میڈیٹیشن کی تعلیم آپ کے اندر کے جہان کے بارے میں ہو گی۔ یقیناً اس میں کچھ عرصہ لگے گا کیونکہ بہت سے دھوکے ہوں گے۔ بہت سے بناوٹی اور جھوٹے پیغمبر پیدا ہوں

گے۔ آپ کو ایک میڈیٹیٹر اور اس شخص کے درمیان فرق سے آگاہ ہونا چاہیئے جو شخص میڈیٹیشن کی تکنیک سے واقف ہے۔ بہت سے لوگ غلط تصورات کے ساتھ ظاہر ہوں گے یا تصورات ٹھیک ہوں گے تو افراد غلط ہوں گے۔ میڈیٹیشن کوئی مکینیکل شے نہیں ہے اس لیے اس کے کوئی فنی پہلو نہیں ہو سکتے۔

تعلیم کی وجہ سے جنریشن گیپ مقداری نوعیت کا ہے جبکہ میڈیٹیشن کے سبب پیدا ہونے والا گیپ کیفیتی نوعیت کا ہوگا۔ ایک میڈیٹیشن کرنے والا شخص عمر سے ماورا ہے۔ وہ نہ بچہ ہے' نہ جوان اور نہ بوڑھا' مگر اب بہت ہوشیار اور چوکنے ہونے کی ضرورت ہے۔ اس بات سے زیادہ متاثر نہ ہوں کہ ایک شخص کیا کہہ رہا ہے۔ اس فرد اور اس کی انفرادیت کو گہرائی سے دیکھو۔ دیکھیں کیا اس کی آنکھوں میں سرمستی ہے؟ کیا اس کی حرکات میں بدھا کا سا وقار ہے؟ کیا آپ اُس میں محبت اور سچائی پاتے ہیں؟

آپ کو اپنی ہستی تلاش کرنا ہے۔ آپ کو اپنی ذہانت بڑھانی ہے۔ آپ کو مطلق سچائی کو اپنے اندر مہمان ٹھہرانا ہوگا۔ اس کے بعد آپ ایک شعلہ بن جائیں گے۔ ایک آگ بن جائیں گے' یقیناً آپ کی آگ کسی شخص کو جلائے گی نہیں بلکہ زخم مندمل کرے گی۔ یہ آگ کنول کا پھول ہوگی۔

سچائی کے متلاشی کو فرد کو اہمیت دینی چاہیئے نہ کہ اس کے علم کو۔ اُسے دیکھنا چاہیئے کہ کیا فرد کی زندگی ایک نغمہ' ایک رقص' ایک ہنسی ہے؟ یا کیا وہ محض ایک جھوٹا اثر پیدا کرنے والا اور آپ کی توقعات پر پورا اُترنے والا ایک کاروباری آدمی ہے۔ کہیں عاجزی اس کا کاروباری حربہ تو نہیں؟

ایک سچے آدمی کو منکسر المزاج بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ نہ انا پرست ہے اور نہ عاجز۔ کیونکہ ذرا مقداری فرق کے ساتھ یہ دونوں ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔ صرف ایک انا پرست ہی عاجز بن سکتا ہے۔ میں نہ ہی سادہ ہوں' نہ ہی عاجز اور نہ ہی انا پرست میں جو ہوں بس وہی ہوں۔

میرا مقصد آپ کو ممکن حد تک غیر سنجیدہ رکھنا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر طرح کی میڈیٹیشن آپ کو سنجیدگی کی طرف لے جائے گی اور یہ سنجیدگی روحانی بیماری پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں کرے گی۔ اس مرحلے پر بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ جب تک میڈیٹیشن آپ کیلئے زیادہ مسرت' زیادہ ہنسی اور زیادہ شوخی نہیں لاتی اس سے بچیں۔ یہ آپ کیلئے نہیں ہے۔

جنریشن گیپ افسوس ناک ہے ---- اس سے نجات حاصل کرنے کیلئے میرے پاس ایک اپنی حکمت عملی ہے۔

پورے تعلیمی نظام کو بنیاد سے ہی بدلنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے تعلیمی ادارے لوگوں کو زندگی کیلئے نہیں بلکہ روزگار کیلئے تیار کرتے ہیں۔ پچیس برس تک ہم انہیں صرف روزگار حاصل کرنے کا گر سکھاتے ہیں۔ ہم لوگوں کو موت کیلئے تیار نہیں کرتے۔ اور زندگی صرف 60 یا 70 سال پر مشتمل ہے۔ ابدیت میں داخل ہونے کیلئے موت ہی ایک دروازہ ہے۔ اس کیلئے ایک شاندار تربیت کی ضرورت ہے۔

میرے نزدیک تعلیم کو دو حصوں میں تقسیم کرنا چاہیئے ۔ روزگار کیلئے 15 سال کی تعلیم اور 42 برس کی عمر میں موت کی تیاری کیلئے پھر دوبارہ دس برس کی تعلیم۔ ایک حصہ بچوں کو زندگی کیلئے تیار کرے گا۔ اور دوسرا حصہ ان افراد کے لیے ہوگا جو اپنی بھرپور زندگی گزار چکے ہیں اور زندگی سے ماورا کچھ زیادہ جاننے کی متمنی ہیں۔

اس طرح جنریشن گیپ کا وجود ختم ہو جائے گا۔ پھر بڑی عمر والے لوگ زیادہ خاموش' زیادہ پُرسکون' زیادہ دانا بن جائیں گے۔ ان کی نصیحت اب سُننے کے قابل ہو جائے گی۔ ان کے قدموں میں بیٹھنے سے زیادہ پُرلطف اور سودمند کوئی اور نہ ہوگی۔ بوڑھوں کا احترام واپس لوٹ آئے گا۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔

تعلیم کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا مطلب ہے کہ نوجوان زندگی کی تعلیم حاصل کریں گے اور ادھیڑ عمر لوگ موت کی ۔ ادھیڑ عمر کے لوگ میڈیٹیشن' گیت' رقص اور ہنسی

سیکھیں گے، وہ اپنی موت کو ایک جشن بنا دیں گے۔

یہ لوگ مصوری کریں گے، گیت گائیں گے، شاعری کریں گے، ہر طرح کے تخلیقی کام کریں گے روزگار وہ کافی کما چکے ہیں اب یہ کام ان کے بچے کر رہے ہیں۔ جغرافیہ، تاریخ اور اس طرح کے احمقانہ مضامین ان کے بچے پڑھ رہے ہیں۔ یہ جاننا ان کے بچوں کا دردِ سر ہے کہ ٹمبکٹو کہاں واقع ہے۔ میرا اپنے جغرافیہ کے استاد سے ہمیشہ یہ جھگڑا رہا کہ مجھے یہ جاننے کی کیا ضرورت ہے کہ ٹمبکٹو کہاں واقع ہے۔ وہ کہتے ''تم بھی عجیب شخص ہو، آج تک کسی نے ایسا سوال نہیں کیا''۔

تاریخ کا استاد ان افراد کے بارے میں پڑھاتا تھا جو دنیا کے بُرے ترین افراد تھے۔ تاریخ کے استاد سے مجھے کبھی بودھی دھرما یا زرتشت یا بال شیمٹو یا لین چائی کے متعلق پتہ نہیں چلا، اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی وجہ سے انسانیت میں ارتقاء ہوا۔

مگر مجھے تیمور لنگ کے متعلق بتایا گیا۔ اس کے احترام کی وجہ سے اسے 'ایک ٹانگ والا تیمور' نہیں کہا جاتا۔ وہ دوسروں کے لیے اس قدر کوفت کا باعث ہوا کہ کچھ لوگوں کا ہی اس سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے اور اس کا بیٹا اور پوتا اس سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئے۔ ساری تاریخ قاتلوں اور مجرموں سے بھری پڑی ہے۔

اس طرح کی تاریخ غلط قسم کے افراد ہی کو جنم دے گی۔ یہ تمام تاریخ جلا دینے کے قابل ہے تاکہ ان کے نام بھی باقی نہ رہیں۔ اور ان کی جگہ وہ خوبصورت نام لے لیں جنہوں نے ہمارے لیے زندگی کے اسرار کو کھولا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے انسانیت کو اعتماد، وقار، اور عزت دی ہے۔

تعلیم کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد جوان لوگ اپنے بڑوں کی تعظیم کریں گے۔ رسماً نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ واقعی قابل احترام ہوں گے۔ وہ اُسے جانتے ہیں جو ذہن سے ماورا ہے اور نوجوان صرف اس سے باخبر ہیں جو ذہن میں سما سکتا ہے۔

جوان ابھی زندگی کے معمولی معاملات میں پھنسا ہوا ہے جبکہ اس سے بڑے

افراد ستاروں سے آگے جہانوں میں پہنچ چکے ہیں۔ ان کا احترام صرف شائستگی کا تقاضہ نہ ہوگا بلکہ آپ ان کا احترام کرنے پر دل کے ہاتھوں مجبور ہوں گے۔ آپ ان کی تعظیم محض دوسروں کی سکھائی ہوئی رسمی اخلاقیات کی وجہ سے نہیں کریں گے۔

ہندوستان میں ایک دستور ہے کہ جب بھی کوئی مہمان گھر آئے تو آپ کو اس کے پاؤں چھونا پڑتے ہیں۔ بچپن میں میرے والد میرا سر پاؤں چھونے کیلئے نیچے کر دیا کرتے تھے'' پاؤں چھوؤ، مہمان خدا ہوتا ہے'۔ ایک مرتبہ ہمارے گھر میں ایک داڑھی والا بکرا داخل ہو گیا۔ میں نے بڑھ کر اس کے پاؤں کو ہاتھ لگا دیا۔ میرے والد نے کہا 'ابے! کیا کر رہے ہو؟

میں نے کہا: ''مہمان خدا ہوتا ہے اور اس کی تو داڑھی ہے، یہ تو اور زیادہ قابلِ احترام ہے، آپ بھی اس کے پاؤں چھوئیں''۔

میں نے انہیں سمجھایا کہ آئندہ مجھے کسی کے پاؤں چھونے کے لئے مت کہنا، میں ان لوگوں اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔ اگر مجھے کوئی معزز شخص نظر آیا تو میں خود اس کے پاؤں چھولوں گا۔

اسی طرح یونیورسٹی میں مَیں پروفیسروں کے کلاس میں آنے پر کبھی کھڑا نہیں ہوا۔ ہندوستان میں آپ کو احتراماً کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ شروع میں پروفیسر اکثر پوچھا کرتے تھے: ''تم کیوں کھڑے نہیں ہوتے؟''

میرا جواب ہوتا ''میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا......'' جنریش گیپ موجود رہنے کی وجہ یہ ہے کہ احترام کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں۔ جب تک آپ دوبارہ کوئی وجہ پیدا نہیں کرتے کھویا ہوا احترام لوٹ کر نہیں آئے گا۔ بلکہ اس کے برعکس ہر طرح کی بے ادبی اور بدتہذیبی اس کی جگہ لے لی گی۔

میں یہ پسند کروں گا کہ بڑے لوگ صرف عمر ہی میں بڑے نہ ہوں بلکہ فہم و فراست اور دانائی میں بھی بڑے ہوں۔

ایسے معاشرے کو جس میں پختہ عمر کے لوگ بھی نوجوانوں کی سی حرکتیں کریں مہذب معاشرہ نہیں کہا جا سکتا۔ ان کو تو روشن دماغ ہونا چاہیئے، روشنی کا مینارہ بننا چاہیئے۔ انہیں نوجوانوں کیلئے ابھی حیاتیاتی غلامی اور جبر سے آزاد نہیں ہوئے۔ قطبی ستارہ بننا چاہیئے۔

جب موت کی تعلیم اور روزگار کی تعلیم علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گی اور جب ہر شخص دو مرتبہ یونیورسٹی جائے گا تو اس وقت یہ گیپ ختم ہو جائے گا۔

ایک بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کا کوئی ذہن نہیں ہوتا۔ وہ محض موجود ہوتا ہے۔ اس کی یہاں موجودگی خالص ہوتی ہے جس پر ابھی خیالات کی پرچھائیاں نہیں پڑی ہوتیں۔ ذرا ایک بچے کی آنکھوں میں جھانکیئے، وہ کتنی معصوم اور شفاف ہیں، وہاں چیزیں کتنی واضح ہیں۔ یہ واضح پن کہاں سے آیا۔ یہ واضح پن عدم سوچ کی وجہ سے آیا۔ بچے نے ابھی سوچنا اور خیالات اکٹھے کرنا نہیں سیکھا۔ وہ دیکھتا ہے مگر کوئی ترتیب نہیں دے سکتا۔ اگر وہ درختوں کو دیکھتا ہے تو وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ درخت ہیں، یہ سبز رنگ کے ہیں، یہ خوبصورت ہیں۔ وہ محض دیکھتا ہے، ہر شئے واضح، شفاف اور خالص ہوتی ہے، مگر وہ اسے کوئی نام نہیں دے سکتا کیونکہ اس کی آنکھوں میں سادگی ہوتی ہے۔

ایک سمجھ بوجھ رکھنے والا انسان دوبارہ ان آنکھوں کو حاصل کر سکتا ہے۔ جہاں تک زندگی میں واضح ہونے کا تعلق ہے وہ دوبارہ بچہ بن جاتا ہے۔ عیسیٰ درست کہتے ہیں، چھوٹے بچوں کی طرح بن جاؤ۔ صرف اسی صورت میں آپ خدا کی سلطنت میں داخل ہونے کے قابل ہو سکیں گے۔ غور کریں وہ یہ نہیں کہہ رہے کہ ناسمجھ بچے بن جاؤ۔ وہ یہ نہیں کہہ رہے کہ بچوں کی سی احمقانہ حرکتیں شروع کر دو۔ وہ صرف ایک سادہ بات کہہ رہے ہیں کہ بچوں جیسے بن جاؤ۔ آپ دوبارہ بچے کیسے بن سکتے ہیں؟ اگر آپ اپنی سوچ کے گھڑیال کو تھوڑی دیر بند کر دیں تو چیزیں آپ کیلئے دوبارہ واضح ہو جائیں گی۔ آپ دوبارہ بچے بن جائیں گے۔

کچھ ایسا ہی نشہ آور اشیاء کے استعمال سے بھی ممکن ہے۔ مگر یہ کوئی صحت مند ذریعہ نہیں ہے بلکہ خطرناک اور پُرفریب ہے۔ نشہ آور اشیاء کی مانگ صدیوں سے ہے۔ حتیٰ کہ وید میں سوما کا ذکر ہے۔ انسان نے ہمیشہ ہی الکوحل، ماری جونا، افیون کی طرف کشش محسوس کی ہے۔ آخر یہ کشش کیوں ہے؟ معلمین اخلاق اور مذہبی افراد ہمیشہ ہی اس کے خلاف رہے ہیں اور ہر حکومت نے اس پر قابو پانے کی کوشش کی ہے۔ مگر محسوس ہوتا ہے کہ اس پر قابو پانا کسی کے بس کی بات نہیں۔ نشے میں کشش کا کیا سبب ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ بچپن کے معصوم ذہن کی ایک جھلک دکھاتا ہے۔

کیمیائی اثرات کی وجہ سے ذہن کچھ لمحوں یا گھنٹوں کیلئے ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔ نشے کے اثرات کی وجہ سے آپ کی سوچنے کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے۔ آپ بغیر سوچے حقیقت کو دیکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ دنیا دوبارہ رنگین ہو جاتی ہے، چھوٹے کنکر آپ کو پھر ہیرے نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ عام گھاس اور پھول آپ کو بے انتہا حسین نظر آتے ہیں۔ ہر شے بدل جاتی ہے۔ آپ کے اندر سب کچھ بدل جاتا ہے مگر عارضی طور پر۔ اب آپ کے اوپر کوئی ماسک نہیں ہوتا۔ اس لیے آپ چیزوں کو بڑے واضح طور پر دیکھتے ہیں۔ نشہ آور اشیاء اسی لیے ہمیشہ اہم رہی ہیں۔

جب تک میڈیٹیشن لاکھوں افراد کی پہنچ میں نہیں ہے اس وقت تک نشے سے نجات ممکن نہیں۔

نشہ آور اشیاء خطرناک ہیں کیونکہ یہ آپکے جسم کا توازن درہم برہم کر دیتی ہیں۔ یہ آپ کی فطرت کو تباہ کر دیتی ہیں، یہ آپ کے اندر کی کیمسٹری برباد کر دیتی ہیں۔ آہستہ آہستہ جسم اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ اور آپ کے تجربات کم سے کم ہوتے جاتے ہیں پھر آخر کار نشے کی وجہ سے آپ معصومیت والی حالت حاصل نہیں کر سکتے۔ آپ کو زیادہ سے زیادہ سخت نشے کی ضرورت ہوگی۔

اس طرح بغیر سوچے حقیقت تک پہنچنے کا یہ ذریعہ مفید نہیں ہے۔

دماغ کو آسانی سے ایک طرف کیا جا سکتا ہے۔ کسی مصنوعی یا کیمیائی چیز پر بھروسہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ذہن سے باہر نکلنے کا ایک فطری امکان موجود ہے۔ ہم بغیر ذہن کے پیدا ہوئے تھے اور ہم ابھی بھی بغیر دماغ کے ہیں۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ یہ محض ایک لباس ہے جو ہم نے پہنا ہوا ہے۔ آپ بآسانی اسے اتار سکتے ہیں اور اس سے چھٹکارا پانے کے بعد آپ ایک بالکل مختلف دنیا میں داخل ہو جائیں گے۔

اس طرح مستقبل میں اصل لڑائی نشہ آور اشیاء اور میڈیٹیشن کے درمیان ہوگی۔

ایک فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ نشہ آور اشیاء آپ کے اندر کچھ کرتی ہیں جبکہ میڈیٹیشن آپ کے اندر کچھ ختم کرتی ہے۔ یہ آپ کو ذہن سے باہر آنے میں مدد کرتی ہے۔ یہ آپ کو بغیر سوچے حقیقت کی طرف دیکھنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ آپ کی دنیا بدل جاتی ہے۔ وہی روزمرہ کی اشیاء اور واقعات اب کتنے دلکش اور روشن ہو جاتے ہیں۔ ایک عارف بغیر کسی کوشش کے مستقل طور پر ایسی حالت میں رہتا ہے۔

آپ بغیر ذہن کے پیدا ہوئے تھے۔ ذہن ایک معاشرتی پیداوار ہے یہ فطری نہیں ہے۔ یہ آپ پر اوپر سے مسلط کیا گیا ہے۔ اندر سے آپ اب بھی آزاد ہیں۔ آپ اس سے باہر آ سکتے ہیں مگر کوئی فطرت سے باہر نہیں نکل سکتا۔ مصنوعی چیز سے آزاد ہونے کیلئے صرف ایک فیصلہ درکار ہے۔

حکومت

Government

اب سیاست کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ یہ فرسودہ ہو چکی ہے۔ اس کی ضرورت اس لیے تھی کہ اقوام مستقل لڑتی رہتی تھیں۔ گذشتہ تین ہزار برسوں میں 5 ہزار جنگیں ہو چکی ہیں۔

اگر ہم سرحدیں ختم کر دیں، جو صرف نقشوں پر ہیں، تو سیاست کی پرواہ کون کرے گا؟ البتہ ایک بین الاقوامی حکومت ہوگی جو صرف فنکشنل ہوگی۔ یہ شان و شوکت سے محروم ہو گی کیونکہ اس کے مدِ مقابل کوئی نہیں ہوگا۔ اس کا مقابلہ کسی سے نہیں ہوگا۔ اگر آپ بین الاقوامی حکومت کے صدر ہیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ آپ کسی بھی دوسرے شخص سے افضل نہیں ہیں۔

ایک فنکشنل حکومت اس طرح کام کرے گی جس طرح ایک ریلوے یا ڈاک خانے کا محکمہ کام کرتا ہے۔ یہ بات کسی کیلئے اہم نہیں ہوتی کہ محکمہ ریلوے یا ڈاک خانے کا صدر کون ہے؟

اقوام کو بالآخر ختم ہونا پڑے گا اور اقوام کے ختم ہونے سے سیاست خود بخود ختم ہو جائے گی۔ یہ اپنی موت خود مر جائے گی۔ اس کی جگہ فنکشنل تنظیم سنبھال لے گی۔ یہ روٹری کلب (Rotary Club) کی طرز پر کام کرے گی۔ کبھی اس کا سربراہ آدمی ہے تو کبھی

عورت، کبھی افریقی ہے تو کبھی امریکی یہ پہیے کی مانند حرکت کرتی جائے گی۔

ایک فرد کو چھ ماہ یا ایک سال سے زیادہ اقتدار میں نہیں رہنا چاہیئے نہ ہی کسی فرد کا انتخاب دوسری مرتبہ نہیں ہونا چاہیئے۔ ایک ہی فرد کا دوسری مرتبہ انتخاب اصل میں ذہنی افلاس کی علامت ہوتی ہے۔

مجھے باکونن اور اس کے نراجی (انارکزم) فلسفہ سے پیار ہے۔ مگر وہ غیر عملی فلسفی ہے وہ انارکزم کی تعریفوں کے پُل باندھتا رہتا ہے۔ نہ حکومت ہو، نہ فوج ہو، نہ پولیس ہو، نہ عدالت ہو...... اور میں مکمل طور پر اس سے اتفاق کرتا ہوں مگر اس کے پاس کوئی تصور اور کوئی منصوبہ نہیں ہے۔

اگر آپ انسان کی طرف دیکھیں تو آپ کو حکومت کی، پولیس کی ضرورت محسوس ہو گی۔ بصورت دیگر دنیا میں چوریوں اور قتل وغارت کا راج ہوگا۔ انارکزم کی بجائے انتشار آ جائے گا۔ لوگ گینگ بنانا شروع کر دیں گے اور کمزوروں کا استحصال شروع کر دیں گے۔

باکونن کا انارکزم (anarchism) ایک یوٹوپیا ہے، ایک عظیم خواب ہے۔ میرا اپنا بھی خواب ہے کہ اگر ہم انسان کو تبدیل کر سکیں، اگر ہم زیادہ سے زیادہ لوگوں کو میڈیٹیشن کی طرف راغب کر سکیں، اگر ہم زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فطری زندگی اور مستند زندگی کی طرف لا سکیں، اگر ہم زندگی کیلئے زیادہ سے زیادہ عقیدت پیدا کر سکیں........

یہ انفرادی انقلابی، یہ انفرادی باغی محض سیاسی باغی نہیں ہوں گے بلکہ وہ ماضی کے ہر تصور کے خلاف باغی ہوں گے۔ وہ مذہبی باغی ہوں گے جو اپنی ذات کے کھوج میں ہوں گے۔ ایسے افراد کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے جن کی اپنی انفرادیت ہے اور جو مذہب کی طرف سے سکھائے گئے غیر فطری طرزِ زندگی کے خلاف ہیں۔ اگر یہ افراد پوری دنیا میں پھیل جائیں تو انارکزم ایک ضمنی حاصل ہوگا منزل نہیں۔

باکونن کے لئے انارکزم منزل ہے۔ اسے حکومتوں سے سخت نفرت ہے اور اس کی نفرت بجا ہے کیونکہ حکومتوں نے لوگوں کی انفرادیت کو بُرے طریقے سے کچلا ہے۔ وہ تمام

قوانین، عدالتوں اور ججوں کے خلاف ہے کیونکہ یہ کمزور اور مظلوم کی حفاظت کیلئے نہیں ہیں۔ ان کا مقصد طاقتور اور امارت کی حفاظت کرنا ہے۔

باکونن یہ نہیں جانتا کہ لوگ جرائم کیوں کرتے ہیں۔ وہ ماہر نفسیات نہیں ہے، وہ انارکزم کا عظیم فلسفی ہے۔ مستقبل باکونن، باخارن، ٹالسٹائی، کامیو جیسے لوگوں کو خراج تحسین پیش کرے گا کیونکہ اگرچہ یہ حضرات سائنسی انداز سے سوچنے والے نہیں تھے مگر انہوں نے ایک تصور ضرور پیش کیا۔ بنیاد فراہم کئے بغیر انہوں نے مندر کی باتیں شروع کر دیں۔

میری ساری کوشش ایک مضبوط بنیاد فراہم کرنا ہے۔ مندر بنانا کوئی مشکل کام نہیں۔ انارکزم تو ایسے معاشرے کا ضمنی حاصل ہوگا جو مذاہب اور مذہبی توہمات سے آزاد ہو گا، جو نفسیاتی لحاظ سے صحتمند ہوگا، جو خارجی دنیا کے حسن اور آگہی کے باطنی خزانوں سے مالا مال ہوگا۔ جب تک ایسے افراد موجود نہیں ہیں، انارکزم ممکن نہیں ہے۔

امریکی ایک انارکسٹ سے اس قدر خوفزدہ ہیں کہ جب انہوں نے امریکہ میں میری مہاجرت (Immigration) کیلئے انٹرویو کیا تو ایک سوال یہ بھی تھا کہ میں انہیں یہ تحریر دوں کہ میں ایک انارکسٹ نہیں ہوں۔ میں نے انٹرویو لینے والے صاحب سے کہا: ” میں باکونن، باخاران اور ٹالسٹائی کی طرزِ کا انارکسٹ نہیں ہوں۔ مگر میرا اپنا انارکزم ضرور ہے اور آپ کو اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ انارکزم میری منزل نہیں ہے۔ میرا مقصد انفرادی باغی تیار کرنا ہے۔

بغاوت کا تصور کوئی نیا نہیں ہے، مگر آگہی اور روشن خیالی کے ساتھ بغاوت کا تصور بالکل نیا ہے۔ یہی میری طرف سے اضافہ ہے۔

آپ کو ایک چیز کی بابت واضح ہونا چاہیئے۔ اگر دنیا کو واقعی آزادی سے پیار ہے تو پھر سیاست کو اس قدر اہم نہیں ہونا چاہیئے۔ سیاست کی طاقت کا کوئی جواز نہیں ہے۔ حکومت کو صرف فنکشنل ہونا چاہیئے جیسے ڈاک خانہ فنکشنل ہوتا ہے۔ کسی کو خبر نہیں ہوتی کہ پوسٹ ماسٹر جنرل کون ہے۔ سیاستدانوں کو اچھے اچھے القابات سے نوازیے مگر انہیں اس

قدر سنجیدہ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اخبارات کے پہلے صفحے ان لوگوں پر ضائع کرنے کی ضرورت نہیں جو صدیوں سے انسانیت پر ستم ڈھا رہے ہیں۔

اظہار اور تخلیقیت کے اُن نئے ذرائع کا آغاز کریں جن کا سیاست سے کوئی تعلق نہ ہو۔ مصوروں، شاعروں، مجسمہ سازوں، رقاصوں، جن کا سیاست سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور جن میں اختیارات کی کوئی خواہش نہیں ہے، کے چھوٹے چھوٹے گلڈ (Guild) اور کمیون قائم کیے جانے چاہئیں۔

پورے معاشرے کو تخلیقی لوگوں کی کمیون میں تقسیم کر دیں۔ دنیا میں سیاسی جماعتوں کی ضرورت نہیں ہے کوئی شخص جہاں بھی ہو میرٹ کی بنیاد پر ہو۔ بغیر سیاسی جماعتوں کے میرٹ کی بنیاد پر لوگوں کو چُنا جا سکتا ہے۔ اگر آپ کو مالیات کے وزیر کی ضرورت ہے تو آپ کے پاس ایک سے بڑھ کر ایک اکنامکس اور مالیات کا ماہر موجود ہے۔ اور ان میں سے کسی کا بھی انتخاب کیا جا سکتا ہے۔ کیوں نہ جماعتی سیاست کو چھوڑ کر افراد کی طرف بڑھیں، جمہوریت اور ڈکٹیٹرشپ کی بجائے میرٹوکریسی (meritocracy) قائم کریں؟

میرٹ حرفِ آخر ہونا چاہیے ہمارے پاس ہر شعبے میں بڑے اور ذہین افراد موجود ہیں۔ ان افراد کو کسی سیاسی جماعت کا حصہ نہیں بننا چاہیے۔ یہ ان کی توہین ہو گی۔ لوگوں سے ووٹ مانگنا اور جھوٹے وعدے کرنا ان کی شان کے خلاف ہے۔ صرف تھرڈ کلاس لوگ، بہت درمیانے درجے کے لوگ ہی سیاسی جماعتوں کا حصہ بنتے ہیں۔ بہترین لوگ اس دائرے سے باہر رہتے ہیں۔

بہترین افراد کو معاشرے کا نظام سنبھالنا چاہیے۔ ہمارے پاس ہر میدان کے جینئس موجود ہیں مگر کبھی یہ لوگ وزیر اعظم یا صدر نہیں بنتے۔ اگر سیاسی جماعتیں نہ ہوں تو یہ لوگ بھی صدر اور وزیر اعظم بن سکتے ہیں۔ کوئی شخص ان کے مقابلے پر نہیں آ سکے گا اور ان کو متفقہ طور پر منتخب کر لیا جائے گا۔

صدیوں کی مسلسل ناکامی کے بعد مایوسی فطری چیز ہے مگر یہ بے فائدہ ہے۔ ہمیں کوئی راستہ تلاش کرنا ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ سابقہ کوششیں کیوں ناکام ہوئی۔ ہمیں نئے طریقہ کار اور نئی حکمت عملیاں وضع کرنی ہوں گی۔ ساری دنیا کے نوجوان اس فرسودہ ڈھانچے کو بدلنے اور انسانیت کو آزاد کروانے کو تیار ہیں۔

آزادی ایک روحانی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر انسان صحیح معنوں میں انسان نہیں بن سکتا۔ مردہ نظریات، اصولوں اور توہمات سے آزادی کے بعد آپ محسوس کریں گے کہ آپ کو پَر لگ گئے ہیں اور آپ آسمان کی طرف محوِ پرواز ہیں۔

اگر میرٹوکریسی ساری دنیا میں پھیل جاتی ہے تو اقوام کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ اگر دنیا کا بہترین دماغ آپ کا وزیر برائے تعلیم ہے تو ایک تھرڈ کلاس دماغ کو اس بنیاد پر منتخب کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ وہ امریکی یا افریقی ہے؟

جس امر کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ تعلیمی ادارے، سائنسی اکیڈمیاں، فنون اور ہر وہ چیز جو مفید ہے بین الاقوامی سطح پر ہونی چاہیے۔ پوری دنیا میں اس کی شاخیں موجود ہوں مگر اس کا انتظام بہترین دماغوں کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔

کتنی حیرت انگیز بات ہو گی کہ آرٹ اکیڈمی موجود ہو مگر پکاسو کو اس کا ڈائریکٹر نہ بنایا جا سکتا ہو۔ لوگ اس کی تصاویر کو لاکھوں ڈالر میں خرید لیں گے۔ مگر جس شخص کو نہ کوئی جانتا ہو اور نہ اس کی تصاویر کی کوئی نمائش ہوئی ہو آرٹ کے ادارے کا ڈائریکٹر بنایا جا سکتا ہے کیونکہ اس کے پاس ڈگری ہے، معلومات ہیں۔

دنیا کے تمام ادارے منفرد صلاحیت رکھنے والے افراد کے ہاتھوں میں ہونے چاہئیں۔ ایسے لوگوں کی کمی نہیں مگر بہت سی وجوہات کی بنا پر انہیں مقابلے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ یہ لوگ باغی ہوتے ہیں، اس لیے ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ یہ کوئی یونیورسٹی ڈگری حاصل کر لیں۔ انہیں نکالا جا چکا ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو پہلے ہی بہت کچھ پتہ ہوتا ہے لہٰذا کوئی ادارہ انہیں سکھا نہیں سکتا۔ وہ ان اداروں میں آ کر وقت ضائع نہیں کرتے مگر اس طرح تو وہ

ڈائریکٹر نہیں بن سکتے۔

پوری دنیا کے بارے میں میرا تصور یہ ہے کہ بالآخر میرٹوکریسی رائج ہو۔ میرٹوکریسی میں جمہوریت اور کیمونزم کے تمام مثبت پہلو موجود ہوں گے۔ اب وقت ہے کہ کسی نئی چیز کو موقع دیا جائے۔

بہترین طرزِ حکومت یہ ہے کہ کوئی حکومت نہ ہو یہ تصور کہ کچھ لوگوں پر کچھ لوگ حکومت کر رہے ہوں غیر انسانی ہے۔

حکومت دنیا میں سب سے بھونڈا مذاق اور سب سے بھونڈا کھیل ہے۔ مگر پرلے درجے کے کچھ ایسے افراد ہیں جو اس کھیل سے حظ اٹھاتے ہیں۔ انہیں سیاستدان کہا جاتا ہے۔ ایک سیاستدان کی واحد خوشی حکومت کرنا، طاقت میں ہونا، لوگوں کو غلام بنانا ہوتی ہے۔

جن لوگوں نے شعور کی بلندیوں کو چھوا ہے ان کا سب سے بڑا خواب یہ ہے کہ ایک دن آئے گا جب ہم تمام حکومتوں سے نجات حاصل کر لیں گے۔ وہ دن ساری انسانی تاریخ میں سب سے اہم ہوگا کیونکہ حکومتیں ختم ہونے کا مطلب ہے کہ سیاستدانوں کا صدیوں سے کھیلا جانے والا سیاست کا گھناؤنا کھیل ختم ہو گیا ہے۔

انہوں نے انسان کو محض شطرنج کے مہرے بنا کر رکھ دیا ہے اور یہ خوف پھیلا دیا ہے کہ بغیر حکومت کے بدنظمی اور انتشار پھیل جائے گا...... ہر چیز برباد ہو کر رہ جائے گی۔ سب سے عجیب بات یہ ہے کہ ہم ان لغویات کو تسلیم کئے ہوئے ہیں۔

ذرا تاریخ پر نظر ڈالیں۔ گذشتہ تین ہزار برسوں میں پانچ ہزار جنگیں لڑی جا چکی ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر حکومتیں نہ ہوتیں تو اس سے زیادہ جنگیں ممکن تھیں؟ کیا اس سے زیادہ بدامنی اور انتشار ممکن تھا؟

ان حکومتوں نے کیا کیا ہے؟ انہوں نے لوگوں کے استحصال کے سوا کچھ نہیں کیا۔ انہوں نے خوف میں مبتلا رکھ کر انسانوں کو ایک دوسرے کے خلاف لڑوایا ہے۔ کہیں نہ کہیں

جنگ ہوتے رہنا سیاستدانوں کی مجبوری ہے۔

ہٹلر کی خود نوشت سوانح عمری کئی انکشافات کرتی ہے۔ اور اس آدمی کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ وہ ایک خالص سیاستدان ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر آپ طاقت (اختیار) میں رہنا چاہتے ہیں تو جنگ آپ کی ضرورت ہے۔ اگر آپ جنگ پیدا نہیں کر سکتے تو لوگ آپ کو غیر اہم سمجھنا شروع کر دیں گے۔ صرف جنگ کے زمانے میں ہی ہیرو جنم لیتے ہیں۔

وہ درست کہتا ہے۔ ذرا اپنے ہیروز کو دیکھیے۔ کیا ان کا وجود جنگ کے بغیر ممکن تھا؟ جنگ کے بغیر سکندرِ اعظم، نپولین، چرچل، سولینی، سٹالن، ہٹلر کہاں ہوتے؟ ایک بڑی جنگ بڑے ہیروز کو جنم دے گی۔

ہٹلر کہتا ہے کہ اگر آپ جنگ پیدا نہیں کر سکتے تو کم از کم یہ پراپیگنڈہ جاری رکھیں کہ جنگ کا خطرہ ہے، لوگوں کو کبھی حالت سکوں میں نہ رہنے دو، کیونکہ جب وہ امن میں ہوتے ہیں تو آپ غیر اہم ہو جاتے ہیں۔ آپ کا جواز ختم ہو جاتا ہے۔ خطرے میں ہی انہیں آپ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس لیے خطرات پیدا کریں۔ اگر حقیقی خطرہ موجود نہیں ہے تو ایک جھوٹے خطرے کی فضا قائم کریں۔

امریکی روسیوں سے خوفزدہ، روسی امریکیوں سے خوفزدہ۔ یہ ساستدانوں کا کھیل تھا۔ پوری دنیا کے لوگ ایک جیسے ہیں۔ وہ جنگ میں مارے جانا نہیں چاہتے اور نہ ہی دوسروں کو مارنا چاہتے ہیں۔ مگر جنگ کے بغیر سیاستدان کا وجود قائم نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے میں اسے سب سے زیادہ گھناؤنا کھیل کہتا ہوں کیونکہ اس کا انحصار لاکھوں معصوم لوگوں کے خون پر ہوتا ہے۔

جب میں کہتا ہوں کہ بہترین طرزِ حکومت کسی حکومت کا نہ ہونا ہے، تو میں جانتا ہوں کہ شائد یہ کبھی بھی ممکن نہ ہو مگر ان خوابوں کو پالنا بہتر ہے جن کی تعبیر اگرچہ ناممکن ہے مگر یہ حسن اور محبت جیسے اعلیٰ آدرش ہیں۔ اگر یہ تصور قائم رہا تو شاید ایک دن ہم اس کے قریب ترین ماڈل کو حاصل کر لیں۔ ممکن ہے، ہم اسے پوری جامعیت کے ساتھ حاصل نہ کر سکیں مگر

اس کے قریب ترین ماڈل کا حصول ناممکن نہیں ہے۔

ایک عالمی حکومت قائم ہونے سے سیاست خود بخود دم توڑ جائے گی۔ عالمی حکومت فنکشنل ہو گی اور نہ کوئی اس کے مخالف ہو گا۔

سیاست کا سارا مزا 'دشمنی' میں ہے۔ جب کوئی دشمن نہ ہو تو آپ ایک ریڈ کراس سوسائٹی یا ریلوے کی تنظیم کی طرح کام کر رہے ہوتے ہیں۔ ایک عالمی ریاست اور عالمی حکومت ہونے سے اقوام کے باقی رہنے کا کوئی جواز نہیں رہے گا۔

معیارِ زندگی

Quality of Life

میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میڈیٹیشن آپ کا پیدائشی حق ہے۔ یہ آپ کے انتظار میں ہے۔ آپ کے جنم لیتے ہی یہ پھول آپ کے اندر کھل گیا تھا۔

بعض اوقات ایسے لمحات آ جاتے ہیں جب آپ اس سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔

کیا آپ نے اپنی روزمرہ کی مصروفیات کی دبیز تہہ کے نیچے گہرائی میں خاموشی اور سکون محسوس نہیں کیا؟ اپنشد میں کہا گیا ہے کہ زندگی ایک درخت پر بیٹھے دو پرندوں کی مانند ہے۔ ایک پرندہ درخت پر اونچائی پر بیٹھا ہے۔ نہ اس میں کوئی حرکت ہے اور نہ آواز۔ ایسے لگتا ہے کہ اُس کا وجود ہی نہیں ہے۔ دوسرا پرندہ تناؤ کی حالت میں ہے' ایک شاخ سے دوسری شاخ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے اور مستقل حرکت میں ہے۔ اپنشد کے مطابق یہ دونوں پرندے آپ ہیں۔ نچلی شاخ والا پرندہ کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہے۔ اونچی شاخ والا پرندہ خاموشی سے بیٹھا رہتا ہے اور دوسرے پرندے کی احمقانہ حرکتون کو بغور دیکھتا رہتا ہے۔ یہ دونوں پرندے آپ ہیں۔

آپ کے اندر میڈیٹیشن چھپی ہوئی ہے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آپ کی روزمرہ کی ہنگامہ خیز زندگی میں تھوڑی دیر کیلئے سکون ہو جاتا ہے ممکن ہے کہ آپ غروبِ آفتاب کا منظر دیکھ رہے ہوں اور یہ منظر آپ کے مستقل شور مچانے والے ذہن کو خاموش کر دے۔ آپ پر خوف اور حیرانی کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ خوبصورت غروبِ آفتاب' وادی

میں اترتی ہوئی شب' اپنے گھونسلوں کو واپس جاتے ہوئے پرندے' پوری دھرتی کی آرام کیلئے تیاری اور سارے ماحول میں سکون ----- یہ سب کچھ بہت مسحور کن ہوتا ہے۔ دن کی ہنگامہ خیز زندگی ختم ہو جاتی ہے اور آپ کا ذہن سکون محسوس کرتا ہے۔ نچلی شاخ پر بیٹھے پرندے میں کچھ دیر کے لیے کوئی حرکت نہیں ہوتی۔ اچانک دو پرندوں کا وجود ختم ہو جاتا ہے اور صرف ایک پرندہ رہ جاتا ہے اور اچانک آپ اپنے اندر خوشی کی لہر محسوس کرتے ہیں۔

آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کی خوشی کی وجہ غروبِ آفتاب کا حسین منظر ہے۔ یہیں آپ غلطی پر ہیں۔ ممکن ہے کہ خوبصورت غروبِ آفتاب کے منظر نے ایک صورتِ حال پیدا کر دی ہو مگر یہ حقیقی وجہ نہیں ہے۔ خوشی آپ کے اندر سے پھوٹ رہی ہے۔ سورج خوشی حاصل کرنے میں مددگار ثابت ہوا ہوگا مگر یہ خوشی کا ذریعہ نہیں ہے۔ خوشی آپ کے اندر ہے۔ یہ وہاں پہلے ہی موجود تھی۔ دماغ کے شور مچانے والے ظاہری حصے کو خاموش اور پُر سکون حصے میں تبدیل ہونے سے خوشی خود بخود نمودار ہو جائے گی۔

یا کبھی چاند کو دیکھتے ہوئے' یا موسیقی سُنتے وقت' یا بعض اوقات بانسری بجاتے وقت' یا بعض دفعہ کچھ نہ کرتے ہوئے اور صرف گھاس پر بیٹھے ہوئے اور جب پانی کی چھینٹے آپ پر پڑیں اور ہر شے گیلی اور ٹھنڈی ہو جائے اور گیلی مٹی کی خوشبو اور گرتی ہوئی بارش کی موسیقی ----- اچانک آپ خوشی محسوس کرتے ہیں۔ یہ خارج سے نہیں آتی۔ یہ داخل سے پھوٹتی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جسے میں میڈیٹیشن کہتا ہوں۔

اگر آپ نے ایک مرتبہ اسے سمجھنا شروع کر دیا تو آپ پر میڈیٹیشن کی کیفیت بار بار آئے گی۔ یہ کوئی کرنے کی چیز نہیں' یہ سمجھنے کی چیز ہے۔

میری سمجھ کے مطابق ساری دنیا کو بتدریج چھوٹے چھوٹے یونٹوں میں تقسیم کر دینا چاہیئے تا کہ ہر یونٹ ایک جمہوریت بن سکے۔ پھر یہ براہِ راست جمہوریتیں پوری دنیا کیلئے ایک روٹری کلب (Rotary Club) کا انتخاب کریں۔ لیکن یہ روٹری کلب فنکشنل اور افادی نوعیت کا ہوگا۔ اس کی بنیاد طاقت کے حصول پر نہیں ہوگی۔ اور ان لوگوں کو مستقل

تبدیل کیا جاتا رہے گا۔ اس طرح یہ کوئی حکومت نہیں ہوگی بلکہ عدمِ حکومت (No government) کے قریب ترین ہوگی۔

منزل عدمِ حکومت کو ہی ہونا چاہیئے۔ درحقیقت کسی بھی حکومت کی ضرورت نہیں ہے۔ آخر حکومتوں کا کیا فائدہ ہے؟

لوگوں کیلئے پوسٹ آفس' ہسپتال' سڑکوں' بجلی جیسے محکموں کا انتظام کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ جب اتنے سارے لوگ اکٹھے رہ رہے ہوں تو کسی نہ کسی کو تو ان سب چیزوں کا ذمہ دار بننا ہے۔

اس لیے میرا نہیں خیال کہ حکومتوں کے ختم ہونے سے دنیا میں انتشار پیدا ہو جائے گا۔ اس کے برعکس حکومتوں کے ختم ہونے سے ذہانت اور فہم پیدا ہوگا۔

ان حکومتوں کے باعث لوگ ذہین نہیں بن سکے۔ ان کی نظر ہمیشہ حکومت پر ہی رہی ہے۔ انہوں نے ہمیشہ یہ توقع رکھی کہ حکومت ان کیلئے کچھ کرنے والی ہے۔ لوگوں نے تمام ذمہ داریاں حکومتوں پر ڈال دی ہیں۔

جب کوئی حکومت نہ ہو تو آپ پہلی مرتبہ اپنے آپ کو ذمہ دار تصور کرتے ہیں۔ آپ کے کسی فعل کا کوئی دوسرا فرد ذمہ دار نہیں بنتا۔ اس سے ذہانت پیدا ہوتی ہے میں جانتا ہوں کہ یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔ لیکن اگر آپ کی زندگی میں خاموشی' سکون' ذہانت کے لمحات آتے ہیں تو عدمِ حکومت کا تصور کوئی خواب نہیں ہے۔ میرے نزدیک یہ سادہ اور عملی بات ہے۔

حکومتیں صرف تکلیف کا باعث بنی ہیں۔ کسی بھی انفرادی مسئلے کو اُٹھا کر دیکھ لیں ----- مثال کے طور پر وہ کہیں گے کہ اگر ہم عدالتوں اور پولیس اور جیلوں کو ختم کر دیں تو جرائم کی شرح میں اضافہ ہو جائے گا۔

یہ درست نہیں ہے۔ میں نے ابتدائی' قدیم معاشرے دیکھے ہیں جہاں عدالتیں' پولیس اور جیلیں نہیں ہیں۔ اور وہاں جرائم بھی نہیں ہیں کبھی کبھار کوئی واقعہ ہو جاتا ہے۔ لیکن

یہ لوگ اتنے معصوم ہیں کہ رپورٹ لکھوانے کی غرض سے اپنے قریب ترین شہر کا پیدل سفر کریں گے۔

اور کیا آپ جانتے ہیں کہ رپورٹ لکھوانے کون جاتا ہے؟ وہ آدمی جس نے جرم کا ارتکاب کیا ہوتا ہے! غصے میں ایک شخص نے دوسرے کو قتل کر دیا۔ وہ خود عدالت جاتا ہے اور کہتا ہے ''میں ہر طرح کی سزا کیلئے تیار ہوں کیونکہ ہمارے ہاں کوئی عدالت نہیں ہے' کوئی سزا نہیں ہے' لوگوں نے مجھے بتایا کہ میں یہاں آؤں''۔

یہ بات ایک معجزہ محسوس ہوتی ہے کہ ایک قاتل خود سزا حاصل کرنے سینکڑوں میل کا فاصلہ طے کرے۔ انسانوں کو درحقیقت ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ اگر آپ کچھ غلط کریں تو آپ کو نتائج قبول کرنے کیلئے تیار رہنا چاہیئے۔ اسے چھپانا فضول کام ہے۔ آپ مستند نہیں رہتے۔

اب جو یہ قاتل خود عدالت میں پیش ہو جاتا ہے۔ آپ کے اولیاء سے بڑا ولی ہے۔ میرا ایک دوست رائے پور میں جج تھا۔ اُس نے مجھے کہا کہ اُس وقت بڑا مشکل ہو جاتا ہے جب کوئی شخص کردار کی اتنی مضبوطی' اعتماد' فخر اور واضح پن کے ساتھ عدالت آتا ہے۔ اُس نے کچھ غلط کیا ہوتا ہے اور نتائج کا سامنا کرنے کو تیار ہوتا ہے۔

اُس نے مجھے کہا کہ ایسے شخص کو سزا دینا زیادتی محسوس ہوتی ہے' اُسے تو انعام دینا چاہیئے۔ ہماری پولیس نے اُسے نہیں پکڑا ہوتا۔ اگر وہ شخص اعتراف نہ کرتا تو کسی کو بھی اس قتل کا علم نہ ہوتا۔

اور یہ اعتراف اتوار کے دن پادری کے سامنے مداری کے کرتب جیسا اعتراف نہیں ہے۔ یہ اعتراف نہیں ہوتا۔ یہ تو اپنے مجرم ضمیر کو دلاسہ دینے کی مانند ہوتا ہے۔

جج نے مجھے بتایا ''متعدد مرتبہ ایسا ہوا کہ ہمیں آدمی کو کہنا پڑا کہ کوئی شہادت پیش کرو ورنہ ہم تمہیں سزا نہیں دے سکتے''۔

ایک مرتبہ آدمی نے کہا' ''شہادت...... لیکن شہادت تو کوئی نہیں ہے۔ اگر شہادت ضروری ہے تو مجھے دوبارہ واپس جانا پڑے گا اور کوئی شخص تلاش کرنا ہوگا...... کیونکہ جب ہم لڑ رہے تھے تو ہم اکیلے تھے ہمیں کوئی شخص نہیں دیکھ رہا تھا۔ لیکن جب میں کہہ رہا ہوں کہ میں نے قتل کیا ہے تو شہادت کی کیا ضرورت ہے؟

لیکن جج کی مشکل یہ تھی کہ چشم دید گواہوں' شہادتوں' دونوں طرف کے دلائل سُنے بغیر وہ معذور ہوتے ہیں...... لیکن اُس شخص کا کیا کیا جائے جس کے پاس کوئی شہادت نہیں ہے۔ کوئی وکیل نہیں ہے؟

اور یہ حکومتیں کہتی ہیں کہ حکومت کے بغیر انتشار پھیل جائے گا۔ حالانکہ تمام انتشار حکومتوں کی وجہ سے ہے۔ میرا نہیں خیال کہ اگر لوگوں میں تھوڑا سا بھی فہم ہے تو وہ پھر بھی چوریاں کریں گے۔ چوری کا سبب یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی مدد نہیں کر رہے۔ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ شریک نہیں ہوتے۔ لوگ اس طرح رہ رہے ہیں جیسے ساری دنیا ان کے مخالف ہے اور وہ ساری دنیا کے خلاف ہیں۔ جب یہ رویہ ختم ہو جاتا ہے اور آپ لوگوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتے ہیں تو جرائم ختم ہو جاتے ہیں۔ اور سب سے بڑا جرم یعنی جنگ ختم ہو جاتا ہے دیگر تمام جرائم اس کے مقابلے میں بہت چھوٹے اور غیر اہم ہیں۔

یوٹوپیا کی خواہش دراصل فرد اور معاشرے میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی خواہش ہے۔ ہم آہنگی کبھی پیدا نہیں ہوئی۔ ہمیشہ انتشار ہی رہا۔ معاشرہ ہمیشہ مختلف تہذیبوں' مختلف مذاہب' مختلف اقوام...... میں بٹا رہا۔

کوئی بھی تقسیم ٹھیک نہیں ہے۔ بلکہ یہ تقسیم ظاہر کرتی ہیں کہ انسان اندر سے تقسیم کا شکار ہے۔ یہ تمام اس کے اندر کی کشمکش کے اظہار ہیں۔ اُس کے اپنے اندر ہم آہنگی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ باہر ایک معاشرہ اور ایک انسانیت قائم نہیں کر سکا۔

وجہ خارج میں نہیں ہے۔ خارج داخل کا عکس ہے۔ انسان جانور کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ حتیٰ کہ اگر چارلس ڈارون کا نظریہ درست نہیں بھی ہے...... اس کا نظریہ ارتقاء کہ انسان بندر کے ارتقاء کا نتیجہ ہے انتہائی بچگانہ محسوس ہوتا ہے' کیونکہ ہزاروں سالوں سے یہ بندر یہاں موجود ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی انسان نہیں بنا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ صرف چند

بندر ہی انسان بن سکے۔ اور نہ ہی کسی بندر میں انسان بننے کی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔

دوسرا یہ کہ وہ انسان اور بندر کے درمیان کوئی کڑی نہ تلاش کر سکا۔ کیونکہ جب کبھی بھی ارتقاء ہوتا ہے تو درمیان میں کچھ مراحل ہوتے ہیں، بندر ایک دم چھلانگ لگا کر انسان نہیں بن گیا۔ ڈارون نے ساری زندگی ان درمیانی کڑیوں کی تلاش میں صرف کی۔

لیکن مشرقی عارفوں کے نزدیک ارتقاء انسان کے جسم میں نہیں بلکہ روح میں ہوا ہے۔ سائنسی میدان میں اس وقت ڈارون غیر متعلق ہو چکا ہے۔ مشرقی عارفوں کا نظریہ یہ ہے کہ بندر، ہاتھی یا شیر کی روح انسانی روح میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ پہلے روح بدلتی ہے اور پھر روح کے تقاضوں کے مطابق فطرت جسم مہیا کرتی ہے اس طرح کوئی جسمانی ارتقاء نہیں ہوا صرف روحانی رابطہ ہے۔

اس بات کی تصدیق جدید نفسیات بھی کرتی ہے خاص طور پر یونگ (Jung) کے تحلیل نفسی کے مکتبہ فکر کے مطابق انسان کے اجتماعی لاشعور (Collective unconscious) میں ایسی یادیں ہیں جن کا تعلق جانوروں کے دور سے ہے۔ اگر انسان کو نوم توجہ (Hypnorir) میں زیادہ گہرائی میں لے جایا جائے تو وہ پہلے دماغ کے لاشعور میں داخل ہوتا ہے۔ اور یہ وہ حصہ ہوتا ہے جسے ماضی میں بہت دبایا ہوتا ہے۔ اگر اُسے اور زیادہ گہرائی میں ہپناٹائز کیا جائے تو وہ اجتماعی لاشعور میں داخل ہو جاتا ہے۔ جہاں اس کی یادیں جانوروں سے وابستہ ہیں۔

اس مرحلے پر لوگ کوئی زبان نہیں بول سکتے۔ وہ چلانا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ کراہنا اور چیخنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ جانوروں کی سی آوازیں نکالتے ہیں۔ اور اس اجتماعی لاشعور کی حالت میں اگر انہیں حرکت کرنے یا چلنے کی اجازت دی جائے تو وہ کھڑے نہیں ہوتے بلکہ اپنے چاروں ہاتھوں پاؤں کی مدد سے چلتے ہیں۔ اس حالت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں جانوروں کی کچھ باقیات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی وہ کسی جانور کے جسم میں موجود تھے۔ اور مختلف انسان مختلف جانوروں سے نکلے ہیں۔ بعض

اوقات آپ کو بھی مماثلت نظر آئے گی کوئی کتے کی طرح پیش آتا ہے، کوئی لومڑی کی طرح اور کوئی شیر کی طرح۔

لوک داستانوں سے بھی اس خیال کو تقویت ملتی ہے قدیم تمثیلیں مثلاً ایسوپ (Aesop) کی کہانیاں اور ہندوستان کی پنچ تنترہ جانوروں سے متعلق ہیں۔ مگر یہ کہانیاں انسانوں کیلئے بہت اہم ہیں۔ ان میں جانور انسانوں کا سا برتاؤ کرتے ہیں۔

چارلس ڈارون کی ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ وہ صرف مادی جسم کے ارتقاء کی کڑیوں کو ملا رہا ہے۔ جبکہ مشرقی عارفوں کے مطابق یہ ارتقاء روحانی ہے۔

انسان ابھی بھی بہت سی حیوانی جبلتیں اُٹھائے ہوئے ہے مثلاً غصہ، نفرت، حسد، اسکی غالب ہونے کی خواہش، عیاری وغیرہ، انسان کے ہر منفی جذبے کی جڑیں اس کے لاشعور میں پیوست ہیں اور روحانی کیمیاگری کی ساری کوشش یہ ہے کہ اس حیوانی ماضی سے کس طرح نجات حاصل کی جائے۔

حیوانی ورثہ سے نجات حاصل کیے بغیر انسان تقسیم رہے گا۔ حیوانی ماضی اور انسانیت ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ یہ دونوں متضاد ہیں۔ اس طرح انسان صرف منافق بنتا ہے۔ جہاں تک ظاہری رویوں کا تعلق ہے وہ محبت، سچائی، آزادی، رحم جیسے نصب العین کی پیروی کرتا ہے۔ مگر یہ ایک پتلی سی تہہ ہوتی ہے اور کسی بھی لمحے چھپا ہوا جانور باہر آ سکتا ہے اور کسی بھی حادثے کا باعث بن سکتا ہے۔

خواہ یہ باہر آئے یا نہ آئے، اندر کا شعور تقسیم ہو جاتا ہے۔ یہ منقسم شعور ہی خواہش اور سوالات پیدا کر رہا ہے کہ کس طرح ایک ہم آہنگ کُل بنا جائے؟ اور ایسا ہی پورے معاشرے کے بارے میں درست ہے کہ ہم معاشرے کو کس طرح ایک ہم آہنگ کُل بنا سکتے ہیں جہاں کوئی جنگ نہ ہو، کوئی کشمکش نہ ہو، جہاں طبقات نہ ہوں، ذات پات، رنگ، نسل، مذہب کی تفریق نہ ہو؟

ٹامس مُور (Thomas Moore) جیسے لوگوں کی وجہ سے 'یوٹوپیا' کا لفظ ایک تصوراتی

مقصد یا منزل کا مترادف بن گیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو گا۔ ایسا لگتا ہے کہ دنیا کبھی ارضی جنت کا نمونہ نہیں دیکھ سکے گی کیونکہ چیزوں میں ہم آہنگی کا کوئی امکان نہیں۔

ہر مذہب پوری دنیا کو فتح کرنا چاہتا ہے نہ کہ اس میں ہم آہنگی پیدا کرنا۔ اسی طرح ہر قوم پوری دنیا کو فتح کرنا چاہتی ہے۔ ہر تہذیب دوسری تمام تہذیبوں کو ختم کر دینا چاہتی ہے۔ ان کے ساتھ ہم آہنگ ہونا نہیں چاہتی۔ اس طرح یوٹو پیا (Uto Pia) ایک ایسی چیز کا ہم معنی بن گیا ہے جو تخیلاتی ہو، جس کا حصول ناممکن ہو۔

لیکن اس کے باوجود انسان بار بار اسی نہج پر سوچتا چلا آیا ہے۔ لگتا ہے کہ اُس کے اندر کہیں دور کوئی شدید خواہش ہے..... مگر اس کی سوچ صرف علامات (symptons) تک محدود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کبھی حقیقت میں وجود میں نہیں آتی۔ وہ وجوہات کی طرف غور نہیں کر رہا۔ وجوہات افراد ہیں۔

یوٹو پیا ممکن ہے ایک ہم آہنگ انسانی سماج ممکن ہے اور ممکن ہونا چاہیئے کیونکہ اس طرح فرد کو بڑھنے کا بہترین موقعہ ملے گا اور سب کو وہ بننے کا موقع ملے گا جو وہ واقعی ہیں۔ سب کے لئے بہترین مواقع موجود ہوں گے۔ لیکن آج معاشرہ انتہائی احمق معلوم ہوتا ہے۔

یوٹو پیا کی خواہش رکھنے والے خواب دیکھنے والے ہیں لیکن آپ کے نام نہاد حقیقت پسند جو ان لوگوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں درحقیقت احمق ہیں۔ مگر دونوں ہی اس بات پر متفق ہیں کہ معاشرے میں کچھ نہ کچھ کیا جانا چاہیئے۔

پرنس کروپاٹ کن باکونن اور اُن کے پیروکار چاہتے ہیں کہ دنیا سے تمام حکومتیں ختم ہو جائیں۔ جیسے ایسے ہونا اُن کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ نراجی (Anarchist) بہترین خواب دیکھنے والے ہیں۔ انہیں پڑھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں واقعی اہم ہے لیکن اُن کے پاس اپنے تصور میں حقیقت کا رنگ بھرنے کو ذرائع نہیں اور نہ ہی انہیں یہ پتہ کہ ایسا کیسے ممکن ہے۔

دوسرے افراد بھی ہیں جنہوں نے خواب بُنے مثلاً کارل مارکس، اینگلز، لینن، مارکسسٹ حضرات، کمیونسٹ حضرات وغیرہ۔ حتیٰ کہ جارج برنارڈ شاء کا بھی سوشلزم کا اپنا نظریہ تھا۔ اُس کے گروپ کو فیبین سوسائٹی (Fabion society) کہا جاتا ہے۔

فاسشٹ بھی ہیں جن کا خیال ہے کہ اصل مسئلہ کنٹرول اور حکومت کے زیادہ اختیار کا ہے۔ یہ نراجی فلسفہ کے بالکل اُلٹ ہے۔ فاسشٹ چاہتے ہیں کہ تمام اختیار ڈکٹیٹروں کے ہاتھ میں ہو۔ ایک فاسشٹ کے مطابق ہجوم معاشرے کی سمت کا تعین کرتا ہے۔ جمہوریت صرف انبوہ گردی (mobocracy) ہے۔ حقیقی جمہوریت ممکن نہیں۔

کمیونسٹوں کے مطابق سارا مسئلہ معاشرے کا دو طبقوں، امیر اور غریب، میں بٹنا ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ اگر حکومتی اختیار غریبوں کے ہاتھ میں آ جائے، صنعتی مزدوروں کی حکومت قائم ہو جائے، طبقاتیت کا خاتمہ ہو جائے اور معاشرے میں مساوات قائم ہو جائے تو جلد ہی وہ وقت آ جائے گا جب ریاست کی ضرورت نہیں رہے گی۔

یہ سب معاشرے سے متعلق ہیں اور یہی وہ بات ہے جہاں وہ غلطی پر ہیں۔ جہاں تک میں دیکھ رہا ہوں یوٹو پیا کا حصول ممکن ہے۔ مگر اس کیلئے ہمیں وجوہات کو دیکھنا چاہیئے نہ کہ علامات کو، اور وجوہات افراد میں ہیں نہ کہ معاشرے میں۔

مثال کے طور پر ستر برس گزر گئے مگر کمیونسٹ انقلاب روس میں ڈکٹیٹرشپ نہ ختم کر سکا۔ لینن (Lenin) کا خیال تھا کہ دس یا پندرہ سال کافی ہوں گے کیونکہ اس عرصے میں وہ طبقاتیت کا خاتمہ کر چکا ہوگا۔ دولت کی مساویانہ تقسیم کر چکا ہوگا۔ پھر اس کے بعد کسی حکومت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

مگر پندرہ برسوں بعد اُنہوں نے محسوس کیا کہ جس لمحہ آپ لوگوں پر سے دباؤ ہٹائیں اُن میں دوبارہ تفریق بڑھنا شروع ہو جاتی ہے۔ معاشرہ دوبارہ امیر اور غریب طبقوں میں بٹ جائے گا۔ کیونکہ لوگوں کے اندر کوئی چیز ہے جو انہیں امیر یا غریب بنا رہی ہے۔ اس لیے اگر آپ لوگوں کو مساوی دیکھنا چاہتے ہیں تو اُن پر مستقل نظر رکھنی پڑے گی۔ لیکن یہ عجیب

طرح کی مساوات ہے جو لوگوں کی تمام آزادی اور ان کی تمام انفرادیت ختم کر دیتی ہے۔

اور بنیادی تصور یہ تھا کہ فرد کو یکساں مواقع فراہم کیے جائیں گے۔ اس کی تمام ضروریات کو پورا کیا جائے گا۔ اس کے پاس ہر چیز لوگوں کے برابر ہوگی۔ وہ لوگوں کو اپنے ساتھ شریک کرے گا۔ مگر نتیجہ اس کے بالکل اُلٹ نکلا انہوں نے فرد کو بالکل تباہ کر دیا جسے وہ مساوی حقوق، آزادی اور ہر وہ چیز دینا چاہتے تھے جو ایک فرد کو ملنی چاہیئے۔ فرد غائب ہو گیا وہ فرد سے خوفزدہ ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ ریاستی جبر کا دورانیہ خواہ کتنا ہی زیادہ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جس لمحے آپ کنٹرول ختم کریں گے تو کچھ لوگ جانتے ہیں کہ امیر کیسے ہوا جائے اور کچھ لوگ جانتے ہیں کہ غریب کیسے بنا جائے۔ اور وہ ہر چیز نئے سرے سے شروع کر دیں گے۔

شروع شروع میں انہوں نے کوشش کی ...... کیونکہ کارل مارکس کا تصور تھا کہ کمیونزم میں شادی کا ادارہ ختم ہو جانا چاہیئے اور وہ واقعی حقیقت پسند تھا کہ شادی نے انفرادی ملکیت سے جنم لیا۔ اس کی منطق درست تھی۔ ایک وقت تھا جب شادی کا وجود نہیں تھا۔ لوگ قبائل میں رہتے تھے اور جانوروں کی طرح فطری محبت کرتے تھے مسئلے کا آغاز اُس وقت ہوا جب چند لوگوں نے جو زیادہ مکار، زیادہ عیار اور زیادہ طاقتور تھے۔ زمین کو اپنی ملکیت میں لے لیا۔ اب انہوں نے چاہا کہ ان کی موت کے بعد یہ جائیداد ان کے بچوں کو منتقل ہو۔

یہ ایک فطری خواہش ہے کہ اگر ایک شخص ساری زندگی محنت کر کے زمین، جائیداد بناتا ہے تو یہ اُس کے بچوں کو منتقل ہونی چاہیئے۔ اس میں ایک لطیف پہلو یہ ہے کہ اس طرح وہ موت کے بعد بھی جائیداد کا حکمران رہے گا۔ یہ لافانی بننے کا متبادل ہے۔ اُسے دوام حاصل ہوگا وہ کہہ سکے گا: میں نہیں رہوں گا مگر میرے بچے ہوں گے جو میری نمائندگی کریں گے۔ وہ میرا خون اور میری ہڈیاں ہوں گے۔ میرے بچوں کے بعد اُن کے بچے ہوں گے۔ اس طرح تسلسل جاری رہے گا اور میں لافانی بن جاؤں گا......"

اس طرح شادی کا ادارہ وجود میں آیا۔ ورنہ انسان کیلئے یہ زیادہ آسان تھا کہ

شادی کے بغیر رہتا کیونکہ شادی بیوی بچوں کی ذمہ داریاں لے کر آتی ہے۔ جب عورت حاملہ ہو تو آپ کو اسکی خوراک کا انتظام کرنا ہوتا ہے...... اور یہ ذمہ داری اُٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ عورت خود یہ ذمہ داری نبھا رہی تھی۔ مگر آدمی لافانی بننا چاہتا تھا، وہ چاہتا تھا کہ اس کی جائیداد اُس کے خون کو منتقل ہو۔ عورت بھی کچھ تحفظ چاہتی تھی۔ وہ ہر وقت خطرے میں تھی۔ حاملہ ہونے کی صورت میں وہ کوئی کام نہ کر سکتی تھی، وہ شکار پر نہیں جا سکتی تھی۔ اُسے کسی پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ اس طرح یہ بات دونوں کے فائدے میں تھی کہ وہ اکٹھے رہنے کا معاہدہ کریں اور یہ کہ وہ ایک دوسرے کو دھوکا نہیں دیں گے تاکہ خون، خالص رہے۔

اس لیے مارکس کا خیال تھا کہ کمیونزم آنے کے بعد جب جائیداد اجتماعی ملکیت بن جائے گی تو شادی بے معنی ہو جائے گی کیونکہ اس کی بنیادی وجہ ختم ہو گئی ہے۔ نجی ملکیت ختم ہونے کے بعد اس کا کوئی جواز نہیں رہتا۔ آپ کے بیٹے کو وراثت میں کچھ نہیں ملے گا۔ درحقیقت جیسے آپ نجی ملکیت نہیں رکھ سکتے اسی طرح آپ نجی عورت اور اولاد بھی نہیں رکھ سکتے کیونکہ یہ بھی جائیداد کی ایک قسم ہے۔ لہٰذا نجی ملکیت کے خاتمے سے شادی خود بخود ختم ہو جائے گی۔

اس طرح انقلاب کے بعد دو یا تین سال تک انہوں نے روس میں اس کا تجربہ کیا۔ مگر ایسا ہونا ناممکن تھا نجی ملکیت ختم ہو گئی تھی مگر لوگ شادی کے ادارے کو ختم کرنے کو تیار نہیں تھے۔ حتیٰ کہ حکومت نے بھی محسوس کیا کہ اس ادارے کے ختم ہونے کے بعد بچوں، خواتین، اور ہر چیز کی ذمہ داری حکومت پر آن پڑے گی...... لہٰذا غیر ضروری ذمہ داری کا بوجھ کیوں اُٹھایا جائے؟ آخر کار انہوں نے پالیسی بدل دی۔ انہوں نے کارل مارکس کے متعلق سب کچھ بھلا دیا کیونکہ صرف تین سالوں میں انہیں اندازہ ہو گیا کہ ایسا کرنے سے مسائل میں اضافہ ہو جائے گا اور دوسرا یہ کہ لوگ رضامند نہیں ہیں۔

لوگ نجی ملکیت سے علیحدہ ہونے کیلئے بھی تیار نہیں تھے۔ ان سے زبردستی جائیداد چھینی گئی۔ تقریباً دس لاکھ افراد اپنی نجی ملکیت کی حفاظت میں مارے گئے...... اگرچہ لوگ

غریب تھے مگر وہ اپنی جائیداد سے چمٹے رہنا چاہتے تھے ان کے پاس کچھ نہ کچھ تو تھا اور اب وہ بھی چھینا جا رہا تھا۔ وہ مزید کچھ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اسی لیے وہ انقلاب لے کر آئے اور اس کیلئے لڑے۔ اب سب کچھ حکومت کی ملکیت بننے والا تھا۔

لوگوں کے پاس چھوٹی چھوٹی چیزیں تھیں۔ کچھ مرغیاں یا ایک گائے۔ اور وہ ان سے علیحدہ ہونے کو تیار نہیں تھے۔ دس لاکھ افراد کی موت سے پورے ملک کو یقین آ گیا کہ ہر چیز کو قومی تحویل میں لے لیا جائے گا۔

حکومت کا خیال تھا کہ لوگ نجی ملکیت سے بآسانی دستبردار ہو جائیں گے...... نظریاتی اور منطقی لوگ ایسے ہی انسان کو سمجھنے میں ناکام رہے ہیں۔ انہوں نے انسان کی نفسیات میں جھانک کر نہیں دیکھا۔

یہ درست ہے کہ شادی کا ادارہ نجی ملکیت کے قائم ہونے کے بعد وجود میں آیا۔ منطقی لحاظ سے نجی ملکیت کے ختم ہونے سے اس ادارے کو بھی ختم ہو جانا چاہیئے۔ مگر لوگ انسانی دماغ کو نہیں سمجھتے۔ جیسے ہی نجی ملکیت کو ختم کیا گیا لوگ ایک دوسرے سے مزید وابستہ ہو گئے۔ ان کی زمین جا چکی ہے' اُن کے جانور جا چکے ہیں' اُن کے گھر جا چکے ہیں۔ اب وہ اپنی بیوی یا خاوند اور بچوں کو نہیں کھونا چاہتے۔ ان کا سب کچھ چھن چکا ہے۔

جب تک ہم انسان کو سمجھنے کیلئے نفسیات کو زیادہ اور منطق کو کم استعمال نہیں کرتے ہم ہمیشہ غلطیاں کرتے رہیں گے۔

مارکس غلط ثابت ہو گیا۔ جب ہر چیز کو چھین لیا گیا تو لوگ ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ شدت سے چمٹنے لگے۔ کیونکہ اب ان کی واحد ملکیت ایک بیوی' ایک خاوند یا بچے تھے...... ان کی ساری جائیداد چھن گئی اور اب ان کے بیوی اور بچے بھی! وہ اس تصور کو قبول نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ان کا دماغ اور روایات کہتی ہیں! یہ تو طفوائیت ہے' وہ انقلاب اس لیے نہیں لائے کہ ان کے بچوں کو قومی تحویل میں لے لیا جائے۔

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا انہیں یہ پتہ چلا کہ لوگوں کو طاقت کے بغیر یکساں رکھنا ممکن ہے۔ مگر یہ کیسا یوٹوپیا ہے جسے طاقت کے بل بوتے پر قائم رکھا جاتا ہے؟ کیونکہ ساری طاقت کا محور کمیونسٹ پارٹی تھی اس لیے ایک نئی طرح کی تقسیم وجود میں آ گئی۔ بیوروکریسی کی ایک نئی قسم سامنے آئی۔ وہ جن کے پاس اختیار ہے اور وہ جن کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے۔ روس میں کمیونسٹ پارٹی کا ممبر بننا بہت مشکل ہو گیا۔ کیونکہ اس کا مطلب با اختیار ممتاز افراد کی صف میں شامل ہونا ہے۔ کمیونسٹ پارٹی نے اور بہت سے گروپ بھی تشکیل دیئے جن کا آپ کو پہلے ممبر بننا پڑے گا ہر لحاظ سے آپ کو روکا جائے گا۔ جب وہ یہ دیکھیں گے کہ آپ قابل بھروسہ ہیں تو آپ کو کمیونسٹ پارٹی کا رکن بنا لیا جائے گا۔ اور پارٹی اپنے ممبران کی تعداد میں اضافہ نہیں کر رہی کیونکہ اس کا مطلب طاقت کی تقسیم ہوگا۔ پارٹی چاہتی ہے کہ اپنا حجم کم سے کم رکھے تاکہ طاقت چند ہاتھوں میں رہے۔ لہذا ایک مضبوط طبقہ موجود تھا۔ ستر برس سے زیادہ عرصہ ایک ہی گروپ ملک پر حکومت کرتا رہا اور پورا ملک بے اختیار تھا۔

لوگ سرمایہ داری نظام یا جاگیرداری نظام میں بھی اتنے بے اختیار نہیں ہوئے۔ زار کے زیر تحت وہ اتنے بے اختیار نہیں رہے۔ ایک غریب آدمی اگر ذہین تھا تو اس کیلئے امیر بننا ممکن تھا۔ اب یہ اتنا آسان نہ تھا۔ اگر آپ ذہین بھی ہیں تو بھی بے اختیار طبقے سے با اختیار طبقے میں شامل ہونا آسان نہیں ہے۔ دونوں طبقوں کا درمیانی فاصلہ پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گیا ہے۔

سرمایہ دارانہ (capitalist) معاشرے میں ہمیشہ حرکت رہتی ہے کیونکہ صرف امیر یا غریب لوگ ہی نہیں ہوتے بلکہ ایک بہت بڑا درمیانہ طبقہ بھی ہوتا ہے جو مستقل حرکت میں رہتا ہے۔ اس درمیانے طبقے کے کچھ لوگ حرکت کرتے ہوئے انتہائی دولت مند بن جاتے ہیں۔ جبکہ کچھ لوگ غریب طبقے میں شامل ہو جاتے ہیں۔ کچھ غریب لوگوں کے شمار درمیانے طبقے میں ہونے لگتا ہے اور کچھ امیر لوگ درمیانے طبقے بلکہ غریب طبقے میں شامل ہو جاتے ہیں...... اس طرح یہ حرکت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

ایک کمیونسٹ معاشرہ میں مکمل جمود ہوتا ہے۔ اب ایک طبقہ دوسرے طبقے سے

بالکل کٹا ہوا ہے۔ وہ طبقاتیت کا خاتمہ کرنے والے تھے مگر انہوں نے ایسا سخت معاشرہ تشکیل دے دیا جس میں ہر طبقے میں جمود تھا۔

پوری دنیا میں ایک ہم آہنگ انسانی معاشرہ قائم کرنے کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں مگر کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکی۔ ناکامی کی اصل وجہ یہ ہے کہ کسی نے بھی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ دریافت کرنے کی کوشش نہیں کی۔

ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فرد اندر سے تقسیم ہے اور اس تقسیم کا اظہار معاشرے میں (مختلف صورتوں میں) ظاہر ہوتا ہے۔ اور جب تک ہم فرد کے اندر کی تقسیم کو ختم نہیں کرتے اس وقت تک یوٹوپیا اور دنیا میں ایک ہم آہنگ معاشرے کے قیام کا خواب پورا نہیں ہو سکتا۔

لہذا ایک یوٹوپیا کا امکان اُسی وقت ہے جب ہم شعور (consciousness) کو زیادہ سے زیادہ بڑھائیں اور لاشعور (unconscious) کو کم سے کم کریں۔ اس طرح آخر کار آپ کی زندگی میں ایک لمحہ ایسا بھی آتا ہے۔ جب لاشعور جیسی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ آپ مکمل طور پر شعور ہوتے ہیں۔ آپ میں کوئی تقسیم نہیں رہتی۔

اور ایسا شخص جس کے پاس صرف شعور ہو ایک ایسے معاشرے کے قیام کا اوّلین قطرہ بن سکتا ہے جو تقسیم کا شکار نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں ایک روشن خیال معاشرہ جس کے افراد میڈیٹیشن کرتے ہوں اور جو اپنے اندر کی تقسیم ختم کر چکے ہوں۔ ہم آہنگ ہونے کے تقاضے پورے کر سکتا ہے۔

انقلاب لانے' معاشرے اور اس کے ڈھانچے کو بدلنے کے خطوط پر سوچنے کی بجائے ہمیں میڈیٹیشن اور فرد کو بدلنے کے بارے میں زیادہ سوچنا چاہیئے۔ یہی وہ ممکنہ راستہ ہے کہ ایک دن ہم معاشرے میں ہر طرح کی تقسیم ختم کر دیں گے۔ لیکن یہ تقسیم سب سے پہلے فرد میں ختم کی جانی چاہیئے۔ اگر میڈیٹیشن کو ہر جگہ عام کیا جائے اور لوگوں کو ایک شعور پر اکٹھا کیا جائے تو دنیا میں ہم آہنگی قائم کی جاسکتی ہے۔

اب تک سوچ انقلاب تک محدود تھی۔ ہدف معاشرہ اور اس کا ڈھانچہ تھا۔ مختلف انداز سے یہ بار بار ناکام ہو چکا ہے۔ اب فرد کو بدلنا چاہیئے اور انقلاب نہیں بلکہ میڈیٹیشن' تبدیلی۔

اور یہ اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کہ لوگ سمجھتے ہیں وہ یونیورسٹی کی ڈگری حاصل کرنے کیلئے چھ سال ضائع کر سکتے ہیں جو بالکل بے کار چیز ہے۔ بات صرف میڈیٹیشن کی اہمیت کو سمجھنے کی ہے۔ پھر یہ کروڑوں انسانوں کیلئے ممکن ہو جائے گا کہ وہ اندر سے تقسیم نہ ہوں' ان لوگوں کی ہم آہنگی' خوبصورتی محبت پوری دنیا کو متاثر کرے گی۔

میری کوشش ہے کہ میڈیٹیشن کو تقریباً ایک سائنس بنا دوں۔ اس طرح اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسے کوئی بھی شخص کر سکتا ہے۔ خواہ وہ ہندو ہو یا عیسائی' یہودی ہو یا مسلمان۔ اس سے فرق نہیں پڑتا۔ اس کا مذہب کیا ہے' یہ غیر متعلق ہے۔ وہ پھر بھی میڈیٹیشن کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر اس کا کسی مذہب پر یقین نہیں' وہ دہریہ ہے پھر بھی وہ میڈیٹیشن کر سکتا ہے۔

میڈیٹیشن کو جنگل کی آگ کی طرح بن جانا چاہیئے۔ اس کے بعد کچھ امید کی جا سکتی ہے۔

اور لوگ تیار ہیں وہ ایک ایسی شے کیلئے بے تاب ہیں جو معاشرے کے رنگ کو بدل کے رکھ دے۔ اس وقت یہ بدصورت اور گھناؤنی شکل اختیار کر چکی ہے۔ اب تک کسی نہ کسی طرح لوگ اسے برداشت کرتے آئے ہیں مگر برداشت کرنا کوئی پُرمسرت بات نہیں ہے۔

اسے سرمستی ہونا چاہیئے
اسے مسرت بخش ہونا چاہیئے
اسے لوگوں کے دل میں ایک رقص پیدا کرنا چاہیئے۔

ایک مرتبہ فرد کے دل میں یہ تقسیم ختم ہو جائے وہ ہر چیز کو واضح طور پر دیکھنا شروع کر دے گا۔ بات زیادہ ذی علم ہونے کی نہیں ہے' بات زیادہ واضح ہونے کی ہے' وہ ہر پہلو کو' ہر سمت کو اتنے واضح پن' اتنی گہری حساسیت' اتنی ادراکیت سے دیکھتا ہے کہ ذی علم نہ ہونے

کے باوجود وہ آپ کو ایسے جواب دے گا جو 'جاننے والا' نہیں دے سکتا۔

یوٹوپیا ایک بہت اہم چیز ہے جس کا تصور ہزاروں سالوں سے سائے کی طرح انسان کا پیچھا کر رہا ہے۔ مگر کسی طرح یہ معاشرے کو تبدیل کرنے میں بدل گیا اور فرد کی طرف سے توجہ ہٹ گئی۔

کسی نے بھی فرد پر زیادہ توجہ نہ دی ------ اور یہی سارے فساد کی جڑ ہے۔ لیکن چونکہ فرد چھوٹا دکھائی دیتا ہے اور معاشرہ بڑا' لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم معاشرے کو تبدیل کر سکتے ہیں اور پھر لوگ (خود بخود) بدل جائیں گے۔

ایسا کبھی نہیں ہونے والا کیونکہ ''معاشرہ'' محض ایک لفظ ہے۔ صرف افراد ہی کا وجود ہے۔ معاشرے کی کوئی روح نہیں ہے ---- آپ اس میں کوئی چیز نہیں بدل سکتے۔

آپ صرف افراد کو بدل سکتے ہیں' خواہ اُن کی تعداد کتنی ہی تھوڑی کیوں نہ دکھائی دے۔ اور اگر ایک مرتبہ آپ نے افراد کو تبدیل کرنے کی سائنس کو جان لیا تو اس کا اطلاق آپ افراد پر ہر جگہ کر سکتے ہیں۔

اور میرا احساس ہے کہ ایک دن ہم ایک ایسا معاشرہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جو ہم آہنگ ہو گا اور جو اس یوٹوپیا سے بہتر ہو گا جس کا خواب ہزاروں برسوں سے بُنے جا رہے ہیں۔ حقیقت کہیں زیادہ حسین ہو گی۔

ایک ایسی دنیا کا تصور کریں جہاں لوگ میڈیٹیشن کرتے ہوں۔ یہ ایک سادہ دنیا ہو گی مگر یہ بے انتہا خوبصورت ہو گی۔ یہ خاموش ہو گی۔ اس میں جرائم نہیں ہوں گے۔ اس میں عدالتیں نہیں ہوں گی۔ اس میں کسی قسم کی سیاست نہیں ہو گی۔ یہ ایک پیار کرنے والا بھاری چارہ ہو گا' لوگوں کا ایک ایسا بڑا کمیون ہو گا جو اپنے آپ سے' اپنی ذات سے خوش اور مطمئن ہوں گے۔ حتیٰ کہ سکندرِ اعظم بھی انہیں کوئی تحفہ نہیں دے سکتا۔

اگر آپ اپنی ذات سے باہر کسی چیز کے حصول کے پیچھے بھاگ رہے ہیں تو پہلے آپ کو اپنے ذہن کا غلام بننا پڑے گا اگر آپ اپنی تمام شدید خواہشوں کو ختم کر دیں اور ساری

توجہ اپنے اندر کی بڑھوتری کو دیں' اگر آپ اپنے اندر کے رَس پر توجہ دیں تا کہ یہ دوسروں تک بھی پہنچ سکے' اگر آپ محبت' اُنس' امن پر توجہ دیں...... تو انسان میڈیٹیشن کرنے والا بن جائے گا۔

اور اسے ایک عظیم تحریک (movement) بنانے کی فکر مت کریں۔ ذہن اسی طرح عیاری کی کوشش کرے گا۔ آپ اپنی میڈیٹیشن کے بارے میں سب کچھ بھول آئیں گے اور آپ کی توجہ اس بات پر ہو جائے گی کہ کس طرح اس کا دائرہ بڑھایا جائے' کس طرح زیادہ سے زیادہ لوگوں کو میڈیٹیشن کا پیغام پہنچایا جائے ---- 'اگر وہ میڈیٹیشن کیلئے رضامند نہیں ہیں تو انہیں اس کیلئے مجبور کیا جائے۔ ایسا کیا جا چکا ہے' ساری تاریخ اس کا ثبوت ہے۔

جب کبھی بھی آپ میڈیٹیشن کے بارے میں سوچ رہے ہوں گے ذہن موضوع کو اس طرح بدل دے گا کہ آپ کو خبر بھی نہ ہو گی ذہن دنیا کو بدلنے کی ایک بڑی تحریک شروع کر دے گا اور میڈیٹیشن کو بھول جائے گا کیونکہ وقت کس کے پاس ہو گا؟ آپ تو پوری دنیا کو بدلنے جا رہے ہیں۔

اصل میں ذہن اتنا عیار ہے کہ یہ میڈیٹیشن کرنے والوں کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ یہ کہتا ہے'' وہ خود غرض ہیں۔ اپنے آپ میں مست رہتے ہیں۔ اور پوری دنیا م ی ہے۔ لوگوں کو امن کی ضرورت ہے' لوگ تناؤ میں ہیں' لوگ جہنم میں رہ رہے ہیں اور آپ خاموشی سے میڈیٹیشن میں مصروف ہیں یہ انتہائی خود غرضی ہے''۔

ذہن بہت عیار ہے۔ آپ کو اس سے خبردار رہنے کی ضرورت ہے۔ ذہن کو صاف صاف بتا دیں' 'موضوع تبدیل نہ کرو۔ پہلے مجھے میڈیٹیشن کرنا ہے'۔

لیکن آپ زیادہ دیر دکھاوا نہیں کر سکتے۔ جلد ہی لوگ جان جائیں گے کہ یہ شخص منافق ہے۔ یہ تو خود تناؤ کا شکار ہے' یہ خود پریشان ہے' یہ خود دُکھ اور تکلیف میں ہے اور بات دنیا کو جنت بنانے کی کر رہا ہے۔

اس لیے میں آپ سے کہنا چاہوں گا کہ اس کے متعلق بھول جائیں یہ آپ کا ذہن ہے جو موضوع کو بدلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پہلے میڈیٹیشن' اور پھر اس میں سے خوشبو نکلے گی

اوراس میں سے روشنی نکلے گی۔ ان سے وہ الفاظ نکلیں گے جو مردہ نہیں بلکہ زندہ ہوں گے اور یہ (الفاظ) دوسروں کی مدد کر سکتے ہیں۔ مگر یہ آپ کی منزل نہیں ہے۔ یہ ایک ضمنی حاصل ہوگا۔

میڈیٹیشن کے ذریعے سے دوسروں کو تبدیل کرنا ایک ضمنی حاصل ہے۔ منزل نہیں۔ آپ صرف اپنے لیے روشنی بنتے ہیں اور یہ بہت سے پیاسے لوگوں میں روشنی بننے کی تڑپ پیدا کرے گی۔ آپ مثال بن جاتے ہیں اور یہ مثال خود ایک تحریک بن جاتی ہے۔

اختتامیہ

تبدیلی کی موجوں پر سواری

زندگی ریل کی پٹڑی کی مانند نہیں ہے کہ ریل گاڑی بار بار اُسی پٹڑی پر چلتی رہے۔ زندگی ایک دریا کی مانند ہے جو اپنا راستہ خود بناتی ہے۔ یہ ایک بنا بنایا راستہ نہیں ہے۔ ایک بنا ہوا راستہ اچھی چیز نہیں ہوتی ----- اس کا مطلب ہے ایک عادتوں والی زندگی اس میں خطرہ ہے۔ مگر خطرہ تو زندگی کے ساتھ ہے۔ صرف مردہ انسان ہی خطرے سے ماورا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ مردہ بن جاتے ہیں۔

آپ کے مکان قبریں زیادہ محسوس ہوتے ہیں۔ آپ ضرورت سے زیادہ تحفظ چاہتے ہیں اور تحفظ کیلیے اس قدر خواہش مار ڈالتی ہے کیونکہ زندگی تو غیر محفوظ ہے۔ ایسا ہی ہے' اور اس کے متعلق کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ اسے کوئی بھی محفوظ نہیں بنا سکتا۔ تمام تحفظات جھوٹے ہیں' تمام تحفظات تخیلاتی ہیں۔ ایک عورت آپ کو آج پیار کرتی ہے---- کل کی کسے خبر؟ آپ عدالت جا سکتے ہیں اور معاہدہ کر سکتے ہیں کہ وہ کل بھی آپ کی بیوی رہے گی مگر محبت ختم ہو سکتی ہے۔ محبت قانونی معاہدے کو نہیں جانتی۔ اور جب محبت غائب ہو جاتی ہے اور بیوی' بیوی رہتی ہے اور شوہر' شوہر رہتا ہے تو دونوں کے درمیان زندگی بے کیف و بے روح ہو جاتی ہے۔

تحفظ کے پیش نظر ہم شادی تخلیق کرتے ہیں۔ تحفظ حاصل کرنے کیلیے ہم معاشرہ تخلیق کرتے ہیں۔ تحفظ کی وجہ سے ہم ہمیشہ بنے بنائے راستے پر چلتے ہیں۔

زندگی سرکش ہے۔ محبت سرکش ہے۔ اور خدا تو بالکل ہی سرکش ہے۔ وہ آپ کے باغوں میں کبھی قدم نہیں رکھے گا۔ کیونکہ وہ 'انسانوں' کیلیے ہیں۔ وہ آپ کے گھروں

میں کبھی نہیں آئے گا۔ کیونکہ وہ بہت چھوٹے ہیں۔ وہ آپ کو آپ کے بنے بنائے راستے پر کبھی نہیں ملے گا کہ وہ سرکش ہے۔

یاد رکھیں کہ زندگی سرکش ہے۔ تمام خطرات اور مشکلات کے باوجود زندگی تو بسر کرنا ہے اور زندگی خوبصورت ہی اس لیے ہے کہ یہ ایک مہم (Adventure) ہے۔ اپنی زندگی کو ایک خاص ڈگر پر نہ چلنے دیں۔ اسے اپنا راستہ خود بنانے کی اجازت دیں۔ ہر چیز کو قبول کریں اور زندگی کو اپنا راستہ خود بنانے دیں----- اور آپ پہنچ جائیں گے۔ آپ یقیناً پہنچ جائیں گے، اور ''یقیناً'' کہہ کر میں آپ کو تحفظ نہیں دے رہا بلکہ یہ ایک حقیقت ہے۔

جو سرکش ہوتے ہیں ہمیشہ پہنچتے ہیں۔

ہر شخص روشن خیال پیدا ہوتا ہے۔ ہر شخص بالکل معصوم، بالکل خالص، بالکل خالی پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس معصومیت، اس خالص پن، اس خالی پن کو ختم ہو جانا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ سب کچھ لاشعوری طور پر ہوتا ہے۔ اسے دوبارہ حاصل کرنا پڑتا ہے۔ اسے شعوری طور پر حاصل کرنا چاہیئے۔ ایک عام شخص اور ایک روشن خیال شخص میں واحد فرق یہی ہے۔

عام انسان بھی اتنی ہی توانائی اور صلاحیت لے کر آتا ہے مگر اُس نے انہیں دوبارہ حاصل نہیں کیا ہوتا۔ ایک روشن خیال اسے کھونے کے بعد دوبارہ حاصل کرتا ہے۔ عام انسان جنت کی حالت میں ہوتا ہے اور آگاہ انسان جنت کے دوبارہ حصول کی حالت میں ہوتا ہے۔ لیکن آپ اسے کسی بھی وقت دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کا انحصار آپ پر ہے۔ کوئی بھی شخص آپ کو آگاہ ہونے سے نہیں روک سکتا۔

یہ کسی خاص استعداد حاصل کرنے کا معاملہ نہیں ہے۔ ہر شخص موسیقار نہیں ہے اور نہ ہی ہر شخص موسیقار بن سکتا ہے۔ یہ استعداد کی بات ہے۔ صرف چند ہی موسیقار ہوتے ہیں اور حقیقی موسیقار پیدائشی موسیقار ہوتے ہیں۔ آپ تکنیک سیکھ سکتے ہیں۔ اگر آپ موسیقی کی مشق بار بار کرتے رہیں تو جلد یا بدیر آپ (سازوں کو) بجانا سیکھ لیں گے مگر پھر بھی آپ موسیقار نہیں بن جائیں گے۔ آپ صرف ایک تکنیک کار ہوں گے----- ایک ایسا شخص جو موسیقی پیدا کرنا تو جانتا ہے مگر اس کے دل میں تخلیقی کام کی تحریک پیدا نہیں ہوتی، جو حیات کی موسیقی کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہے۔ آپ فطری اور بے ساختہ نہیں ہوتے۔

ہر شخص شاعر نہیں بن سکتا اور نہ ہی ہر شخص سائنسدان یا ریاضی دان بن سکتا ہے۔ یہ استعداد کی بات ہے۔ لیکن آگہی کے لئے استعداد کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص آگاہ ہوتا ہے۔ زندہ ہونا ہی کافی ہوتا ہے۔ صرف زندگی کی ضرورت ہے۔ اگر آپ مردہ نہیں ہو چکے تو آپ آگہی حاصل کر سکتے ہیں۔ لوگ ننانوے فیصد مردہ ہو چکے ہیں۔ لیکن اگر آپ ایک فیصد بھی زندہ ہیں تو یہ بھی کافی ہے۔ اتنی آگ بھی کافی ہے، اسے سلگایا جا سکتا ہے۔ اس سے مزید آگ پیدا کی جا سکتی ہے۔

ایک آگاہ شخص اور عام شخص میں فرق کا سبب استعداد میں کمی و بیشی نہیں ہے۔ سب سے پہلے اس بات کو ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ 'ایک عیسیٰ میں استعداد ہے، ایک بدھا میں استعداد ہے، ہم میں اتنی استعداد نہیں ہے۔ ہم آگہی کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟' جی نہیں یہ ہرگز استعداد یا صلاحیت کا معاملہ نہیں ہے۔ آپ ایک مائیکل انجیلو یا شیکسپیئر نہیں بن سکتے جب تک کہ آپ کو ایسے نہ پیدا کیا جائے۔ مگر آپ ایک عیسیٰ ایک بدھا ضرور بن سکتے ہیں۔

ہر شخص اس کا مستحق ہے۔ یہ ہر شخص کا پیدائشی حق ہے لیکن آپ کو یہ حق دوبارہ حاصل کرنا ہے۔ اور یہ کوشش شعوری سطح پر ہونی چاہیئے۔ آپ نے اسے اس لیے کھو دیا ہے کیونکہ آپ بے خبر تھے۔ اگر آپ بے خبر رہتے ہیں تو فرق رہے گا۔ فرق استعداد کا نہیں ہے، فرق بے خبری کا ہے۔

بدھا اتنا ہی معمولی ہے جتنا کہ آپ۔ مگر وہ اپنے معمولی پن سے اچھی طرح باخبر ہے۔ اس کی آگہی کے باعث اس کا معمولی پن تاباں بن جاتا ہے۔ یاد رکھیں کہ وہ وہی عام سی زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ بھی ایک معاملہ ہے جو لوگ اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں----- کہ ایک بدھا کو غیر معمولی ہونا چاہیئے۔ کہ ایک عیسیٰ کو پانی پر چلنا چاہیئے۔ آپ پانی پر نہیں چل سکتے تو آپ کس طرح عیسیٰ بن سکتے ہیں؟ ایک بدھا کو تو ابتداء ہی سے خاص ہونا چاہیئے۔

کہانیوں کے مطابق بدھا کی پیدائش سے پہلے اس کی ماں نے کچھ خواب دیکھے۔ یہ خواب ایک لازمی حصہ ہیں۔ اگر پیدائش سے پہلے ماں کو خواب نظر نہ آئیں تو

ایک شخص بدھا نہیں ہو سکتا۔ یہ نری حماقت ہے۔ بدھا کا تعلق اس کی ماں کے خوابوں سے جوڑنے سے زیادہ لغو اور مہمل بات کوئی اور نہیں ہو سکتی۔

اور کس طرح کے خواب؟ جینیوں کے خواب مختلف ہیں۔ مہاویر کی پیدائش سے پہلے اس کی ماں نے بھی چند خواب دیکھے۔ اس نے ایک سفید ہاتھی دیکھا۔۔۔۔ جو کہ ضروری تھا۔ .... یہ محض من گھڑت کہانیاں ہیں جو بعد میں پیروکاروں نے بنائی ہیں۔

کہانی یوں ہے کہ ایک بدھا کی پیدائش کے فوری بعد اس کی والدہ کو مر جانا چاہیئے۔ اتنے عظیم مظہر کے بعد وہ کیسے زندہ رہ سکتی ہے؟ موت سے بڑے تجربے سے گزرنے کے بعد اُسے غائب ہو جانا چاہیئے۔ مہاویر کی ماں زندہ رہتی ہے عیسیٰ کی ماں زندہ رہتی ہے۔ انہیں اس کا (مرنے کا) خیال نہیں آیا۔

یہاں میری ساری کوشش یہ ہے کہ آپ کو یہ بتاؤں کہ اگر یہ لوگ خاص ہیں تو آپ بھی خاص ہیں اور اگر آپ عام ہیں تو یہ بھی عام ہیں۔ ایک بات تو یقینی ہے کہ آپ کسی دوسرے زمرہ میں نہیں آتے۔ کوئی درجہ بندی نہیں ہے۔

پانی پر چلنا کوئی معجزہ نہیں ہے' آگ پر چلنا کوئی معجزہ نہیں ہے' اصل معجزہ جاگنا ہے۔ یہی سچا معجزہ ہے اس کے علاوہ سب کچھ لغو ہے۔

جاگ جائیں .... اور آپ بدھا بن جائیں گے! جاگ جائیں اور آپ آگہی حاصل کر لیں گے! اور جب آپ جاگ جاتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اپنی عام (معمولی) ذات سے مختلف ہو جاتے ہیں۔ آپ وہی انسان ہوں گے مگر زیادہ روشن۔ آپ اُسی انداز سے کھائیں گے مگر ایک معنوی تبدیلی آ چکی ہوگی۔ آپ پرانے انداز سے رہیں گے' مگر یہ پرانا نہیں ہوگا کیونکہ آپ نئے بن چکے ہوں گے۔ آپ ہر چیز کو ایک اُچھوتا رنگ دیں گے۔ جس چیز کو بھی آپ چھوئیں گے وہ سونے میں تبدیل ہونا شروع ہو جائے گی' کسی بامعنی شے میں بدلنا شروع ہو جائے گی۔ پہلے یہ بے معنی تھی' اب اس کی اہمیت ہوگی۔ اور یہ وقت ہے کہ آپ جاگ جائیں۔

ایک ولی آپ کو جاگنے کیلئے مجبور نہیں کر سکتا۔ وہ صرف وقتی صورت حال پیدا کر

صورت حال مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔

لاوزے نے محض درخت کے ایک گرتے ہوئے پتے کو دیکھ کر آگہی حاصل کی۔ جیسے ہی پتے نے زمین کی طرف گرنا شروع کیا' وہ آگاہ ہو گیا۔ ہوا کے دوش پر گرتے ہوئے پتے کو دیکھتے ہوئے' بالکل پُرسکون' اپنے آپ کو ہواؤں کے حوالے کرتے ہوئے اُس نے ایک جھلک دیکھی۔ وہ یقیناً غیر محفوظ ہوگا۔ اور اُسی لمحے وہ ہواؤں میں ایک مردہ پتّا بن گیا' وہ اپنی ایگو سے دستبردار ہو گیا' وہ اپنی پسند اور ناپسند کے تصورات سے دستبردار ہو گیا' وہ اپنے ذہن سے دستبردار ہو گیا اور اس طرح اس نے آگہی حاصل کی۔

کوئی بھی چیز ایک عمل (Process) شروع کر سکتی ہے۔ پُراسرار طریقہ سے ایسا ہمیشہ ہوتا آیا ہے۔ یہ ایک سائنسی مظہر نہیں ہے۔ یہ علت اور معلول (cause and effect) والا معاملہ نہیں ہے۔ بصورتِ دیگر چیزیں بہت سادہ ہوتیں۔ آپ پانی کو حرارت پہنچاتے ہیں تو 100 درجے پر یہ بخارات بننا شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن ہر جگہ ایسا نہیں ہے۔ کچھ لوگ صفر درجے پر بخارات بن جاتے ہیں اور کچھ لوگ ہزار درجے پر بخارات بن جاتے ہیں۔ لوگ مادہ نہیں ہیں' لوگ شعور ہیں' لوگ آزادی ہیں' اس لیے کوئی نہیں جانتا کہ کیا چیز ایک عمل شروع کرے گی۔ وہ آپ کو تمام مواقع فراہم کرنے کے بعد صبر سے' محبت سے اور امید سے انتظار کر سکتا ہے۔

کوئی بھی لفظ اس کا آغاز کر سکتا ہے...... یا حتیٰ کہ ایک وقفہ (Pause) بھی اس کا آغاز کر سکتا ہے...... اور اچانک نیند ختم ہو جاتی ہے' خواب غائب ہو جاتے ہیں۔ آپ جنم لیتے ہیں' روحانی جنم' دوسرا جنم۔ آپ دوسری مرتبہ بچے بن چکے ہوتے ہیں۔ یہی بدھ مت ہے' یہی آگہی ہے۔

بدھوں کا احترام کریں۔ آپ اپنا احترام کرنا سیکھ جائیں گے۔ بدھوں کا احترام کریں مگر اپنے آپ کو مت کوسیں۔ اپنے آپ سے محبت کریں کیونکہ آپ بھی اپنے اندر ایک بدھا اٹھائے ہوئے ہیں۔ آپ کے اندر بھی ایک کونپل ہے جو بدھا بننے والی ہے۔ کسی بھی لمحے' کسی بھی دن...... ایسا ابھی ہو سکتا ہے' یہیں ہو سکتا ہے......

سفر دائمی ہے۔ یہ مت خیال کریں کہ یہ مقدس سفر کہیں ختم ہوتا ہے۔ آپ ایک چیز سے نجات حاصل کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ کچھ اور آپ کا منتظر ہے۔ آپ دوبارہ جکڑے جاتے ہیں......

ذہن پیاز کے چھلکوں کی مانند ہے------ تہہ در تہہ چھلکے۔ وقت کیوں برباد کریں۔ پندرہ سال کی مستقل تحلیل نفسی (Psychoanalysis) کے بعد بھی انسان ویسے کا ویسا رہتا ہے، کچھ بھی نہیں بدلتا۔ مگر میڈیٹیشن کے لیے تھوڑی سی کوشش......اور میڈیٹیشن ذہن سے باہر صرف ایک قدم ہے۔ ذہن کو پیچھے چھوڑ دیں۔ اس کی تہیں اُتارنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

آپ ذہن نہیں ہیں، جس طرح آپ جسم نہیں ہیں

آپ ایک لافانی زندگی کا حصہ ہیں۔

آپ کا جسم، آپ کا ذہن ایک جھوٹی ذات (Self) کے گرد گھومتے ہیں۔ جیسے ہی آپ ذات سے ماورا ہوتے ہیں آپ ایک ایسا آسمان دریافت کرتے ہیں جو لامحدود ہے۔ کچھ نے اسے خدا کہا ہے، کچھ نے اسے برہما کہا ہے، لیکن سب سے بہترین لفظ مہاویر اور گوتم بدھا نے استعمال کیا ہے: انہوں نے اسے 'موکش' کہا ہے۔ 'موکش' کا مطلب ہے 'کامل آزادی'----- ہر طرح کی دنیوی بندشوں سے آزادی، ہر اُس چیز سے آزادی جو جھوٹی ہے، ہر اُس چیز سے آزادی جس نے فنا ہو جانا ہے۔ اور جیسے ہی آپ ہر اس شے سے آزاد ہو جاتے ہیں جو جھوٹی اور فانی ہے تو فوراً غیر فانیت (immortality) کے دروازے آپ پر کُھل جاتے ہیں۔

وید نے آپ کو غیر فانیت کے بیٹے اور بیٹیاں کہا ہے، اور ماسوا میڈیٹیشن کے کوئی راستہ نہیں رہا ہے اور نہ ہی کوئی ہوگا۔

جو لوگ میڈیٹیشن سے محروم رہ جاتے ہیں وہ زندگی کے سارے رقص سے محروم رہ جاتے ہیں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ میں سے کوئی بھی اس رقص سے، اس گیت سے، ابدیت کی اس موسیقی سے محروم نہیں رہتا۔